اردو کا کلاسیکی ادب

منتخب مراثیِ انیس

(واقعاتِ کربلا مراثیِ انیس کے آئینے میں)

مرتبہ

سید مرتضیٰ حسین فاضل

مجلس ترقیِ ادب ○ لاہور

میر انیس کا شمار برِ عظیم کے اُن صاحبِ طرز شعرا میں ہوتا ہے جن کی عظمت کا اعتراف ان کے معاصرین نے بھی کیا اور آنے والی نسلوں نے بھی انھیں اردو زبان کا عظیم شاعر مانا۔ انیس کا دور اردو ادب کے درخشاں ستاروں کا دور ہے۔ میر سے لے کر غالب تک آسمانِ ادب پر کئی شمس و قمر طلوع ہوئے اور اپنے عہد کو منور کر کے روشنی کی ایک نہ مٹنے والی لکیر اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ میر انیس نے اسی روشنی سے کسبِ فیض کیا اور پھر اپنے عہد کے لیے اور آنے والی نسلوں کے لیے مینارۂ نور بن گئے۔

مراثیِ انیس کا زیر نظر انتخاب بارہ مرثیوں پر مشتمل ہے جسے ترتیب کے جدید اصول کے مطابق مدون کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے معاصر یا قدیم خطی نسخے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد قدیم ترین مطبوعہ نسخوں کو بنیاد بنا کر بعد کے شائع شدہ نسخوں سے ان کا مقابلہ کیا گیا ہے اور اختلافات کی نشان دہی حواشی کی صورت میں ہر مرثیے کے اختتام پر کر دی گئی ہے۔ ہر مرثیے کی ابتدا میں مستعملہ نسخوں کی تفصیل درج کی گئی ہے۔ مصرعوں میں علاماتِ وقف لگائی گئی ہیں۔ ہر مرثیے پر مناسب تبصرہ کر کے اس کے پس منظر کی نشان دہی کی گئی ہے اور آخر میں حتی الامکان منتخبہ مراثی کی تاریخِ تصنیف متعین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

یوں تو میر انیس کا ہر مرثیہ کسی نہ کسی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے لیکن زیرِ نظر انتخاب میں حتی الامکان ان کے نمایندہ مراثی کو جگہ دی گئی ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے طویل، متوسط اور مختصر مرثیے شامل کیے گئے ہیں اور اسلوب کے نقطۂ نظر سے رزمیہ، بزمیہ، خطابیہ اور بیانیہ وغیرہ مراثی کو نمایندگی دی گئی ہے۔

منتخب مراثی انیس

طبع اول : اکتوبر ۱۹۷۴ع

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظمِ مجلسِ ترقیٔ ادب ، لاہور

طابع : سید ظفرالحسن رضوی

مطبع : ظفر سنز پرنٹرز ، ۹ - کوپر روڈ ، لاہور

سرورق وغیرہ : مطبعِ عالیہ ، ۱۲۰ ٹمپل روڈ ، لاہور

قیمت : ۲۴ روپے

بعونِ صنّاعِ مکین و مکان و بفضلِ خلّاقِ زمین و زمان

۱۳۱

اردو کا کلاسیکی ادب

منتخب مراثیٔ انیس

مرتبہ

سید مرتضیٰ حسین فاضل

ناشر

مجلسِ ترقیٔ ادب ۲- نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

منتخب مراثیٔ انیس

(واقعاتِ کربلا مراثیِ انیس کے آئینے میں)

صدی ایڈیشن

۱۸۷۴ع ——— ۱۹۷۴ع

مقدّمہ و ترتیب

سید مرتضٰی حسین فاضل لکھنوی

انتساب

ادب کے گوہر شناس و قدردان

عالی جناب جسٹس ایس ۔ اے ۔ رحمٰن صاحب

(ریٹائرڈ) چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان

کے نام

مرتضٰی حسین فاضل

مرثیہ ۱۲ :

میر انیس

انیس مشرق کا وہ عظیم شاعر ہے جو بین الاقوامی ادب میں اپنا مرتبہ منوا سکتا ہے ۔ اتفاق سے ان کے فنی تخلیقات دنیا کی بڑی زبانوں میں منتقل نہیں ہو سکے ۔ انیس جس عہد میں پیدا ہوئے وہ ادب کے درخشاں ستاروں کا دور ہے ۔ میر ، درد ، مصحفی ، آتش ، ناسخ ، مومن ، ذوق اور غالب کا زمانہ انیس کا ماضی و حال ہے ۔ وہ میر حسن کے پوتے اور فیض آباد کے نامور استاد میر مستحسن خلیق[1] کے بیٹے تھے ۔ انیس کے چچا میر احسن خلق ایک فاضل و طبیب بزرگ تھے ۔ خاندانی وجاہت اور شعری روایت کا یہ اندرونی اور بیرونی پس منظر تھا ۔

ولادت :

میر حسن نے عشرۂ محرم ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ع میں رحلت کی اور خلیق کے گھر میں اس واقعے کے تقریباً پندرہ بیس سال کے ہیرپھیر سے غالباً[2] ۱۲۱۹ھ[2]/۱۸۰۴-۱۸۰۵ع میں انیس کی ولادت ہوئی ۔ یا میر حسن علی اشک (متوفی ۱۸۹۰ع) اور عارف[3] کے اندازے کے مطابق میر صاحب ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱-۱۸۰۲ع میں پیدا ہوئے ۔

---

۱ ۔ تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ، ج ۲ ، ص ۳۰۹ ۔ رشک کے حالات میں خلیق کے لیے لکھا ہے : ”فیض آباد میں ان سے بہتر کوئی نہ تھا ۔“

۲ ۔ مقدمۂ رباعیات انیس ، طبع نول کشور پریس لکھنؤ ، ص ۴۸ ۔

۳ ۔ واقعاتِ انیس ، طبع اصح المطابع لکھنؤ ، ص ۶۵ ۔

تعلیم و تربیت :

خاندان کے بزرگوں نے ببر علی نام رکھا ۔ نیک نہاد ماں باپ اور خوش عقیدہ سید رضوی گھرانے میں قرآن مجید ، ابتدائی مذہبی تعلیم اور نوشت خواند گھر ہی میں ہوئی ہوگی ۔

انیس کی والدہ دینی علوم اور فارسی زبان سے واقف تھیں ۔ 'جامع عباسی' فارسی زبان میں فقہ کی متوسط درجے کی مفصّل کتاب ہے ۔ میر انیس کی والدہ 'جامع عباسی' پڑھتی اور پڑھاتی تھیں[1] ۔ اس لیے اگر میر صاحب کو بھی ان کی والدہ نے قرآن مجید اور ابتدائی دینی تعلیم دی ہو تو کوئی بعید نہیں ۔ جب سن تمیز کو پہنچے تو خوش خطی اور دوسرے عملی فن حاصل کیے جو اُس زمانے کے شرفا کا دستور تھا ۔ میر صاحب کا خط عمدہ ، نفیس اور صاف تھا ۔ ظاہر ہے کہ بچپنے میں ہی مشق بہم پہنچائی ہوگی ۔

استاد :

میر صاحب کے والد اور اُن کے عمِّ بزرگ وار میر احسن خلق نے بھی تعلیم دی ہوگی ۔ لیکن میر صاحب کے سوانح نگار خصوصیت سے میر نجف علی[2] صاحب کا نام لیتے ہیں ۔ چنانچہ میر نجف علی صاحب کے بارے میں میر احسن خلق کہتے ہیں :

''علمِ طب اور حکمت و فقہ میں یکتائے زماں اور اوصاف میں ابوذر و سلمان تھے ۔ عابدِ شب زندہ دار ، صاحبِ جود و سخا ، شاعر و نثرنگار ، تقریر و تحریر میں مجمعِ علوم ، خوش اخلاق

---

۱ ۔ مطالعۂ انیس ، طبع لکھنؤ ، ص ۶۳ ۔

۲ ۔ مرتضیٰ حسین : تذکرۂ علمائے شیعہ ، قلمی ۔ نیز محمد حسین : تذکرۂ بے بہا ۔ مولوی نجف علی صاحب جناب مولانا دلدار علی صاحب غفران مآب کے معاصر تھے ۔

و فرشتہ مزاج تھے [۱]۔"

ان کے علاوہ حیدر علی صاحب مصنفِ "منتہی الکلام" سے بھی کچھ پڑھا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ مفتی محمد عباس صاحب سے مُلّا صدرا کی شرح 'حکمۃالعین' کا درس لیا تھا۔

علمی قابلیت:

میر صاحب کی فارسی گوئی کے نمونے دستیاب نہیں ہوئے۔ لیکن فارسی مکتوبات و منظومات کا اچھا خاصا ذخیرہ تھا جو کچھ تو غدر میں ضایع ہوا، کچھ جناب مسعود حسن صاحب کے پاس ہے اور کچھ اِدھر اُدھر منتشر ہوگیا۔ اس کے باوجود یہ بات واضح ہے کہ انیس کو فارسی زبان میں دستگاہ کامل تھی۔ عربی سے باخبر تھے، طب و رمل وہئیت و فلسفہ و منطق کو سمجھتے تھے، تاریخ و حدیث کا مطالعہ تھا، شعر و شاعری مشغلہ تھا اور علومِ معانی و بیان و عروض سے کماحقہ واقف تھے۔ عربی میں درسِ نظامی کا اچھا خاصا حصہ پڑھا تھا۔

سپاہیانہ فن مثلاً شمشیر زنی، نیزہ بازی، تیر افگنی و شہسواری وغیرہ رسمِ زمانہ کے مطابق سیکھے تھے۔ کہتے ہیں میر صاحب کے والد نواب ملکہ بہو بیگم صاحبہ کے ملازم تھے اور زنان کے دفتر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کا مکان بھی گلاب باڑی یعنی بہو بیگم صاحبہ کی محل سرا کے قریب تھا۔ نواب بہو بیگم صاحبہ [۲] نے ۱۲۳۱ھ میں انتقال کیا۔ اس وقت مرزا افسردہ مرثیہ گو لکھنؤ سے آئے اور سرکاری املاک کے داروغہ مقرر ہوئے۔ میر انیس کی عمر گیارہ بارہ سال یا اس سے کچھ زیادہ ہوگی۔ خلیق مرثیہ گوئی میں شہرت حاصل کر چکے

۱۔ مسعود حسن ادیب: بحوالہ طب میر احسن، تہذیب الاخلاق، لاہور، ص ۱۰، مجریہ مارچ ۱۹۶۷ء

۲۔ تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا، ج ۲، ص ۳۰۹۔

تھے اور فیض آباد و لکھنؤ کی مجلسیں پڑھ رہے تھے۔ انیس نے اپنے گھر کے شاعرانہ مزاج، اپنے محلے کے دوست احباب، والد کے شاگردوں اور قدردانوں کی حوصلہ افزائی سے شاعری شروع کر دی ہو تو کوئی تعجب نہیں۔

شاعری:

انیس فطرۃً شاعر تھے۔ سازگار ماحول اور مناسب تربیت نے ان کی طبیعت چمکا دی۔ میر صاحب غزل لکھنے لگے اور حزین' تخلص کیا۔ اس زمانے میں وہ لکھنؤ آئے اور امام بخش ناسخ سے ملے۔ ناسخ نے میر صاحب سے ان کا کلام سنانے کی فرمائش کی۔ جب انیس نے یہ شعر پڑھا:

کھلا باعث یہ اس بے داد کے آنسو نکلنے کا
دھواں لگتا ہے آنکھوں میں کسی کے دل کے جلنے کا

تو شیخ صاحب جھومنے لگے اور میر خلیق سے فرمایا کہ "آپ کے یہ فرزند رشید یادگارِ خاندان ہوں گے، اور یاد رکھیے ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کی زبان اور ان کی شاعری کو عالم گیر شہرت حاصل ہوگی، کیونکہ عنفوانِ شباب میں ان کی ترقی پسند طبیعت اپنی بےچینیاں دکھا رہی ہے۔ مگر بجائے حزین[۲] ان کا تخلص کچھ اور ہو تو بہتر ہے"۔ میر خلیق نے تخلص طلب کیا، ناسخ نے کہا "انیس"۔

ناسخ نے ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸-۱۸۳۹ء میں وفات پائی اس لیے تبدیلی تخلص کا واقعہ اس سے پہلے کا ہے۔ اگر میر صاحب نے دس بارہ سال کی عمر سے شاعری کا آغاز کیا ہو تو بیس سال کی عمر میں

---

۱ - واقعات انیس، ص ۲۸ -

۲ - واقعات انیس صفحہ ۲۸ میں طباعت کی غلطی ہے - 'حزیں' کی جگہ 'انیس' چھپا ہے -

اشعار میں چستی آ گئی ہوگی ۔ انیس نے جب غزل گوئی ترک کی تو اسی کے ساتھ دیوان بھی ختم کردیا ۔ سعادت خاں ناصر اور کاب حسین خاں نادر نے اپنے تذکروں میں ان کی ایک ایک غزل نقل کی ہے[1]۔ دونوں میں انیس تخلص ہے ۔ یعنی حزین تخلص سے کسی قسم کا کلام اب موجود نہیں ہے ۔ ایک غزل کی زبان اور خیال سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید جوانی کی یادگار ہے اور دوسری کے مقطع سے بڑھاپے کا گمان ہوتا ہے ۔

غزلِ انیس :

کاب حسین خاں نادر نے جو غزل لکھی ہے اس کے پانچ شعر یہ ہیں :

وجد ہو بلبلِ تصویر کو جس کی بو سے
اس سے گل رنگ کا دعویٰ کرے پھر کس رو سے

شمع کے رونے پہ بس صاف ہنسی آتی ہے
آتشِ دل کہیں کم ہوتی ہے چار آنسو سے ؟

ایک دن وہ تھا کہ تکیہ تھا کسی کا زانو
اب سر اُٹھتا ہی نہیں اپنے سرِ زانو سے

نزع میں ہوں ، مری مشکل کرو آساں یارو
کھولو تعویذِ شفا جلد مرے بازو سے

شوخیِ چشم کا تو کس کی ہے دیوانہ **انیس**
آنکھیں ملتا ہے جو یوں نقشِ سُمِ آہو سے

ایک اور شعر ہے :

[2]بنے یوں تین در ، دریا کے اندر
کہ ششدر ہوگئی سدِّ سکندر

---

۱ - تذکرۂ نادر ، طبع لکھنؤ ، ص ۳۷ -
۲ - تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا ، ج ۲ ، ص ۴۰۱ -

دوسری غزل جو 'تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا'[1] کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے ، اس سے شعروں کی پختگی اور جوانی سے آگے کی سرحد ملتی ہے :

شہیدِ عشق ہوئے قیسِ نام ور کی طرح
جہاں میں عیب بھی ہم نے کیے ہنر کی طرح
کچھ آج شام سے چہرہ ہے فق ، سحر کی طرح
ڈھلا ہی جاتا ہوں فرقت میں دوپہر کی طرح
سیاہ بختوں کو یوں باغ سے نکال اے چرخ
کہ چار پھول تو دامن میں ہوں سپر کی طرح
تمام خلق ہے خواہانِ آبرو ، یا رب !
چھپا مجھے صدفِ قبر میں گُہر کی طرح
تجھی کو دیکھوں گا جب تک ہیں برقرار آنکھیں
مری نظر نہ پھرے گی تری نظر کی طرح
انیس یوں ہوا حالِ جوانی و پیری
بڑھے تھے نخل کی صورت ، گرے ثمر کی طرح

مرثیہ گوئی :

خلیق و ضمیر ، مصحفی کے شاگرد اور ناسخ کے معاصر تھے ۔ ناسخ محمد عیسیٰ تنہا کے واسطے سے مصحفی کے شاگرد مگر اُستاد کے حریف تھے ۔ چنانچہ ان سب کا اسلوبِ اظہار ایک ہی دبستان سے تعلق رکھتا تھا ۔ انیس بھی اسی ڈگر پر چلے ۔ لیکن ان کا قیام فیض آباد میں رہا ۔ باپ زندہ تھے لہذا لکھنؤ میں جوہر نہ چمک سکے ۔ انیس غزل میں جب طبیعت کو رواں کر چکے تو مرثیہ کہنا شروع کیا ۔ یہ مرثیے

---

۱ ۔ تذکرۂ خوش معرکۂ زیبا ، ج ۲ ، ص ۴۰۰ ، بہ شکریۂ مجلس ترقی ادب لاہور ۔

اپنے والد کے رنگ میں سادہ، مختصر، رقّت و ثواب کے لیے ہوتے تھے۔ ایک روایت ہے کہ انیس نے فیض آباد میں یہ پہلا مرثیہ لکھا:

عجب شہزادہ تھا شبیر سبط مصطفیٰ یارو[1]

ضمیر و خلیق معاصر اور دوست تھے۔ ضمیر لکھنؤ میں رہتے تھے اور مقامی شہرت کے مالک تھے۔ خلیق فیض آباد سے آتے تھے اور مجلسیں پڑھ کر داد لیتے تھے۔ انیس لکھنؤ میں اپنے والد کی پیش خوانی کرتے تھے۔ فیض آباد میں چھوٹی موٹی مجلسیں خود بھی پڑھتے ہوں گے۔ جناب محمد مہدی صاحب فیض آبادی کہتے ہیں کہ بزرگوں کا بیان تھا کہ جواہر علی خاں کے امام باڑے میں بڑی بڑی مجلسیں ہوتی تھیں۔ خلیق و انیس بھی یہاں مجلسیں پڑھا کرتے تھے۔

خلیق کی وفات:

۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ع میں خلیق اللہ کو پیارے ہوئے اور پانچ اولادیں چھوڑیں: میر ببر علی انیس، میر مہر علی انس، میر محمد نواب مونس اور دو صاحبزادیاں۔ انیس کی عمر اُس وقت چالیس سال کے لگ بھگ تھی۔ ان کے تینوں فرزند فیض آباد میں پیدا ہو چکے تھے۔ خلیق کی رحلت سے پہلے انیس لکھنؤ آتے جاتے تھے مگر وطن فیض آباد ہی تھا۔ خلیق کی علالت اور وفات کے بعد انیس مستقل طور پر لکھنؤ میں رہنے لگے۔ خلیق کی معینہ مجلسیں اور ان کے قدردان رؤسا اب انیس کے قدردان تھے۔

انیس کی شہرت:

خلیق کی زندگی میں انیس کی شخصیت ذیلی اور ضمنی تھی۔ پرانے

---

۱ - میر انیس کے حالات زندگی، ماہ نو، انیس نمبر، ص ۳۷۔ لیکن یہ مرثیہ مطبوعہ صورت میں نظر سے نہیں گزرا۔

معاشرے میں باپ کے سامنے بیٹے کی شخصیت بہر حال ثانوی ہی رہتی تھی - انیس اب تک اپنے والد کی پیش خوانی کرتے تھے - ضمیر اور خلیق دونوں پیر بھائی تھے ، دونوں مصحفی کے شاگرد تھے - دبیر نے استاد کے مقابلے میں شہرت میں وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ دونوں میں رقابت پیدا ہوگئی - خلیق کی وفات نے انیس کو باپ کی مسند بخشی اور شاید انھوں نے ضمیر کی اخلاقی حمایت بھی حاصل کرلی - پھر منجھی ہوئی زبان اور سادہ و عام فہم اسلوب نے قبولِ عام کی راہ ہموار کردی -

امجد علی شاہ کے آخری دورِ حکومت میں دیکھتے ہی دیکھتے انیس آفتاب کی طرح چمکنے لگے - دبیر مرحوم کے حریف کی حیثیت سے انھیں جم کر محنت کرنا پڑی جس کی لوگوں نے داد دی اور ان کا فن نکھر کر سامنے آ گیا -

شاہ نامۂ اودھ :

۱۳ فروری ۱۸۴۷ء کو واجد علی شاہ تخت نشین ہوئے - وہ خود بھی شاعر تھے- بزرگوں کے قدرداں اور مرثیے سے شغف رکھتے تھے - ایک مرتبہ بادشاہ نے میر انیس کو شاہ نامۂ اودھ کی ترتیب و تدوین کے لیے بلایا اور نواب علی نقی خاں وزیر کو حکم دیا کہ میر صاحب کے ہمراہ جا کر 'مصاحب منزل' کے تمام کمرے انھیں دکھائیں- جو کمرہ میر صاحب کو پسند ہو اس میں ان کے قیام کے لیے تمام سامانِ راحت فراہم کر دیا جائے -

میر صاحب نے کمرے دیکھے اور کہا :

غریبوں کی کیا موت ، کیا زندگی
جگہ جس جگہ مل گئی ، مر رہے

'شاہ نامۂ کربلا' کے شاعر نے واجد علی شاہ کی خواہش نامنظور

کر کے ملک الشعرائیِ اسلام کا اعزاز حاصل کر لیا۔ انیس کی خود داری، احساسِ آزادی، اپنے فن کی برتری کا عقیدہ اور امام حسینؑ کے دربار سے وابستگی کا خیال بلند سے بلند تر ہوگیا۔

۱۸۵۷ع :

دس سال کے اندر اندر انیس عظمت کے نصف النہار پر پہنچ گئے۔ انھوں نے بڑے بڑے حریفوں کو گرا دیا۔ دبیر کے سوا متعدد اساتذہ دب گئے اور ہر طرف انیس کے چرچے ہونے لگے۔ ادھر جنگِ آزادی نے لکھنو کا طبقہ اُلٹ دیا۔ تمام نظام درہم برہم ہو گیا، بڑے بڑے نامی گرامی تباہ و برباد ہوگئے۔ سال دو سال کے بعد جب دوبارہ حالات نے اپنا رخ متعین کیا تو میر صاحب اور مرزا صاحب کے علاوہ ماضی کا کوئی نامور سامنے نہ تھا۔ نئی محفل آراستہ ہوئی اور انیس اس کے صدرِ محفل بنے۔ ضمیر رحلت کر چکے تھے۔ دبیر بھی بوڑھے تھے اور انیس بھی۔ دونوں کی اُستادی تسلیم کی جا چکی تھی۔ اب انیس محبوبِ خاص و عام تھے۔

وفات :

ادھر میر صاحب پٹنے اور حیدرآباد گئے اور اُدھر لکھنؤ والے تڑپ اُٹھے۔ میر صاحب کا شہرہ دور دور تک پھیل گیا۔ بڑھاپا آ چکا تھا، آخر آفتاب ڈھلا، انیس بیمار ہوئے اور ۲۹ شوال ۱۲۹۱ھ دو شنبہ (۸ دسمبر ۱۸۷۴ع) کو قریبِ مغرب رحلت فرما گئے۔

فرانس کے مشہور اُردو شناس پروفیسر ''گارسیں دتاسی'' نے اپنے مقالے میں ۱۸۷۵ع تک اُردو ادب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا تھا:

''شاعرِ بے ہمتا میر ببر علی انیس، اسّی سال کی عمر میں دسمبر ۱۸۷۴ع کو لکھنؤ میں اس سرائے فانی سے کوچ کر گئے۔ مثنوی 'سحر البیان' کے نام ور مصنّف

میر حسن کے وہ پوتے تھے ۔ بہت سے ہندوستانی انیس کو
اردو زبان کا سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں ۔
'پنجابی'[1] ان کے انتقالِ پرملال پر لکھتا ہے :
"افسوس کہ شعر و ادب کا سورج ڈوب گیا ، اردو کے
باغ کا بلبلِ ہزار داستان آج ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا ۔
انیس جو لکھنؤ کے سرتاج اور ہندوستان کے سب سے بڑے
شاعر تھے ، آٹھ روز کی علالت کے بعد ۱۷ ستمبر[2] کو ہم
سے بچھڑ گئے ۔ جو جگہ وہ خالی کر گئے ہیں وہ کبھی پُر
نہ ہوگی ۔
پنجابی کے کئی پرچوں میں اس سانحے پر کئی نوحے اور
متعدد تاریخیں شایع ہوئی ہیں ۔" (مقالاتِ گارسیں دتاسی ،
ج ۲ ، ص ۱۹۸) ۔

مقبرہ :

میر صاحب نے اپنے آخری مکانِ مسکونہ واقع سبزی منڈی چوک
میں ایک باغ خریدا اور اس میں ایک کمرہ تعمیر کرایا تھا ۔ اسی
کمرے میں انھیں سپردِ خاک کیا گیا ۔

مرثیوں کی اشاعت :

میر صاحب کی زندگی میں ان کے مرثیے نقل در نقل ہو کر
دور دور تک پھیل چکے تھے ۔ ہو سکتا ہے کہ لکھنؤ یا بیرونِ لکھنؤ
کچھ متفرق کلام شایع بھی ہوا ہو ۔ لیکن پہلی مرتبہ باقاعدہ جمع
و ترتیبِ کلام کا خیال منشی نول کشور کے ذریعے وجود پذیر ہوا ۔
چنانچہ نومبر ۱۸۷۶ھ (ذی قعدہ ۱۲۹۳ھ) میں اٹھائیس مرثیوں ، انتیس

---

۱ ۔ غالباً "پنجابی اخبار" لاہور مراد ہے جو بار دوم ۱۸۶۵ع سے ۱۸۹۰ع تک جاری رہا (صحافت پاکستان و ہند میں ، ص ۲۷۹) ۔
۲ ۔ صحیح ۸ دسمبر ہے ۔

رباعیوں اور تین سلاموں پر مشتمل ایک جلد چھپ کر تیار ہوئی۔
صفحہ ۴۲۶ پر سید تصدق حسین رضوی نے اپنی ترتیب و تصحیح
کا تذکرہ کیا ہے اور رضا حسین ابن بندہ حسن کاتب کے نام پر جلد
اول تمام کی ہے۔ جمع و ترتیب، کتابت، تصحیح اور اشاعت چار
مختلف مرحلے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ اتنے بڑے کام کے لیے بہت
وقت اور بڑی محنت درکار ہے۔ اس بنا پر میرے خیال میں یہ کام میر
صاحب کی زندگی ہی میں شروع ہوا ہوگا جو ان کی وفات کے کم
و بیش دو سال بعد منظرِ عام پر آیا۔ منشی نول کشور نے تین جلدیں
اور بھی چھاپیں۔ اس طرح اندازاً ایک سو آٹھ مرثیے، دو سو اڑسٹھ
رباعیاں اور اکتالیس سلام اشاعت پذیر ہوئے۔

۱۹۰۴ء میں 'دبدبۂ احمدی' کے ۵۳ مرثیے پانچویں اور چھٹی
جلد کے نام سے منظر عام پر آئے۔ ان مجموعوں میں سے نول کشور کی
جلدیں بار بار چھپتی رہیں۔ محققین، ادبا، اہلِ نقد و انتقاد، اربابِ
ذوق و صاحبانِ فن سب نے اسی نسخے کو استعمال کیا۔ 'موازنۂ
انیس و دبیر'، 'ردِ موازنہ'، 'المیزان'، 'واقعاتِ انیس'، 'حیاتِ انیس'،
'یادگار انیس' جیسی وقیع تصنیفات کا ماخذ نول کشوری ایڈیشن ہی تھا۔

نول کشوری نسخے نے یقیناً معاصر قلمی نسخوں، مستند ماخذ
اور براہِ راست سامعین و اساتذہ سے پوری طرح فائدہ نہیں اٹھایا،
نہ اس وقت تحقیق نے یہ رخ اختیار کیا تھا۔ اس کے باوجود ڈیڑھ
دو سو مرثیوں کو جمع کرنا اور اچھی خاصی تصحیح، عمدہ کتابت
و طباعت کا انتظام ضرور قابل قدر تھا۔ سو برس کے بعد بھی جب ہم
اس ایڈیشن کا دوسرے نسخوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس کو
بہتر کہنا پڑتا ہے۔ بحث مباحثوں میں انیس کے حامیوں نے نسخۂ
نولکشور کی غلطیاں نکالیں مگر خود کوئی صحیح متن مہیا نہ کر سکے۔

متن کی تحقیق :

سید راس مسعود ناظمِ تعلیمات سرکارِ آصفیہ نے اردو ادب کی ترقی کے لیے جو اشاعتی منصوبہ بنایا اس میں میر انیس کے مرثیوں کی اشاعت بھی شامل تھی - یہ کام مولانا علی حیدر صاحب طباطبائی کے سپرد ہوا - موصوف نے کلامِ انیس کو تاریخی ترتیب دینا چاہی - پہلی جلد میں ۱۸۵۴ سے ۱۸۷۴ء تک ، دوسری جلد میں ۱۸۳۰ء سے ۱۸۵۴ء اور تیسری جلد میں ۱۸۲۱ء سے ۱۸۳۰ء تک کا کلام جمع کیا - یعنی یہ سولہ سال سے پچیس سال کی عمر تک تصنیف شدہ مرثیوں کا مجموعہ ہے -

مولانا علی حیدر صاحب کی شرحِ دیوانِ غالب اور مراثیِ انیس تصحیح و تشریح کے لحاظ سے اردو ادب میں سند کے درجے پر فائز ہیں - لیکن انتہائی افسوس ہے کہ مولانا نے اپنے ماٰخذ کا تذکرہ و تعارف نہیں کرایا - تصحیحِ متن میں اپنے ذوق پر اعتماد کیا اور متن کے اختلاف کی نشان دہی چھوڑ دی - تنقیحِ متن میں تین مرحلے بڑے نازک ہیں :

۱ - مصنّف کی تحریر -

۲ - سندی نسخے یا معاصر ایڈیشن کی دریافت -

۳ - مرتّب و مصحّح کی ذاتی رائے -

جدید اصولوں کے مطابق اعلیٰ درجے کا متن وہ ہے جو مصنّف کا قلمی ہو - ایسے متن کی غلطی یا مصحّح کے ذوق سے اختلاف واضح طور پر بیان ہونا چاہیے - اصل کی غلطی کبھی واقعی غلطی ہو سکتی ہے ، کبھی مصحّح کی غلط فہمی صحیح کو غلط بنا سکتی ہے -

اگر مصنّف کا قلمی مسودہ یا مبیضہ موجود نہ ہو تو مجبوراً معاصر نسخے کو بنیاد قرار دیا جاتا ہے اور نسبتاً اہم نسخوں سے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے - مرتّب و مصحّح کی ذاتی رائے مصنّف

کی تحریر یا سندی نسخے کے بعد ثانوی درجہ رکھتی ہے ۔

مولانا علی حیدر کا مرتبہ نسخہ اس لحاظ سے مکمل متن مہیا نہیں کرتا ۔ اس کے بعد نامور محقّق و ناقد و ادیب ، بلکہ انیس کے بہت بڑے مداح ، جناب پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی نے 'روحِ انیس' کے نام سے سات مرثیے مرتّب کرکے شایع فرمائے ۔ ان مرثیوں کے سندی نسخے غالباً مسعود حسن صاحب کے پاس ہوں گے لیکن 'روحِ انیس' ان کے حوالوں سے خالی ہے ۔ پھر جناب مہذب صاحب نے 'وقارِ انیس' و 'مراثیِ انیس' نامی دو مجموعے چھاپے ۔ وہ بھی بعض خصوصیتوں کے باوجود بعض اہم تفصیلات سے خالی ہیں ۔

زیرِ نظر مرثیوں کی تصحیح :

میں نے انیس کے جو مرثیے اس مجموعے کے لیے مرتّب کیے ہیں ان میں جدید اصولوں کی پابندی کی ہے ۔

۱ ۔ معاصر یا قدیم خطی نسخے دریافت کیے ۔

۲ ۔ قدیم ترین مطبوعہ نسخے مہیا کیے ۔

۳ ۔ ہر مرثیے کا متعدد مطبوعہ مصححہ نسخوں سے مقابلہ کرکے اختلافات کی نشان دہی کی ۔

۴ ۔ ہر مرثیے کے آغاز میں ماخذ کی تفصیل اور کتاب کے خاتمے پر حواشی لکھے ۔

۵ ۔ مصرعوں میں علامات لگائے کہ مصرعوں کو صحیح پڑھا جا سکے ۔

۶ ۔ اصطلاحات اور مشکل مقامات کی ضروری تشریح لکھی ۔

۷ ۔ ہر مرثیے کا خاکہ لکھا اور مختصر سا تبصرہ شامل کیا ۔

۸ ۔ جہاں ممکن ہوا وہاں مرثیے کی تاریخِ تصنیف معین کرنے کی کوشش کی ۔

انتخاب کے اصول :

میر انیس کا ہر مرثیہ کسی نہ کسی لحاظ سے اہم ہے اور پورا کلیات مطالعے کے قابل ہے -

- ہم نے سرِدست میر صاحب کے نمایندہ اسلوب کا انتخاب کیا ہے - ہیئت کے اعتبار سے طویل ، درمیانی ، مختصر مرثیے اور فن کے اعتبار سے رزمیہ ، بزمیہ ، خطابیہ ، بیانیہ اور بینیہ یعنی انیس کے فنی محاسن کے جامع مرثیے -
- جدید تنقیدی رجحانات سے ہم آہنگ مرثیے -
- ایسے مرثیے جو کم و بیش سو سال سے دانش گاہوں اور مجلسوں میں پڑھے پڑھائے جاتے ہیں -
- قدیم قلمی اور طبع اول کی روایتوں سے مقابلہ و تصحیح و تحشیہ -
- واقعاتِ کربلا کی ممکنہ ترتیب -

انیس نے خاص ضرورت اور خاص نقطۂ نظر سے مرثیہ لکھا ہے ، اس لیے واقعات کی ترتیب اور حادثات کی تاریخ و استناد کی جستجو شاعر کے نقطۂ نظر سے انحراف کے مترادف ہے - لیکن کسی حد تک تسلسل پیدا کرنا ممکن ہے - ہم نے اسی امکان سے فائدہ اٹھا کر موضوعِ مرثیہ یعنی واقعۂ کربلا کی کڑیاں ملانے کی کوشش کی ہے - یعنی ولادتِ امام حسینؑ ، کربلا کا سفر ، کربلا پہنچنا ، ابتدائی واقعات ، حُر ، عون و محمد ، حضرت عباس اور حضرت علی اکبر و حضرت قاسم و حضرت امام حسینؑ کی جنگ و شہادت ، اہلِ بیت کی اسیری ، شام کا سفر اور شام سے مدینے کو واپسی -

خدا کا شکر ہے کہ سات معاصر اور قدیم قلمی نسخے خود میرے کتب خانے میں موجود ہیں - ایک مرثیہ جناب ظہور جارچوی صاحب نے دیا جو نسبتاً جدید ہے - 'مراثیٔ انیس' طبع اول ، مطبوعہ

نول کشور کی جلد اول عزیزی عابد حسین صاحب نے اور طبع اول نظامی پریس کی جلد اول جناب افسر عباس صاحب نے مہیا کی ۔ جلد دوم طبع دوم نظامی اور بعض جدید الطبع جلدیں مجلسِ ترقی ادب کے وقیع کتب خانے سے حاصل ہوئیں ۔

عالی مرتبت ، ادب دوست اور ادیب نواز جسٹس ایس ۔ اے رحمان صاحب کا شکریہ کہ موصوف نے یہ پیش کش اپنے نام سے معنون کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ، اور مجلس ترقی ادب لاہور کی انتظامیہ کا کرم جس نے انیس کی یادگار صدی پر یہ ہدیہ اشاعت کے لیے منظور کرکے انیس کی قدرشناسی کا مظاہرہ کیا ۔ محترم و مکرم جناب پروفیسر حمید احمد خاں صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ موصوف نے اربابِ تحقیق و تنقید کے لیے مراثیٔ انیس کا ایک خوبصورت انتخاب چھاپنے کا اہتمام فرمایا ۔

خاکسار

مرتضیٰ حسین فاضل

۱۵ ۔ مغل پورہ لاہور

یکم اکتوبر ۱۹۷۲ع

۱

یا رب! چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر

۱۸۷ بند ، بحر ہزج

(ولادت و شہادتِ امامؑ حسین علیہ السلام)

مراجع

* مرثیہ ہائے میر انیس ، جلد اول ، مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ، نومبر ۱۸۷۷ع ، ذی قعدہ ۱۲۹۳ھ -
* مراثیِ انیس ، جلد دوم ، نظامی پریس بدایوں ، طبع دوم ۱۹۳۶ع -
* مراثیِ میر انیس ، جلد اول ، تیج کمار پریس لکھنو ، طبع ہشتم ۱۹۵۸ع -
* مراثیِ انیس ، جلد اول ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ، طبع اول ۱۹۵۹ع ، طبع دوم ۱۹۶۲ع -
* ارمغانِ انیس ، شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور ، طبع اول ۱۹۵۰ع -
* ماہِ نو ، انیس نمبر ، ۱۹۷۲ع کراچی ، مضمون ، صفحہ ۲۱۵ -
* کلامِ انیس کی اشاعتوں میں غلطیاں : سید یوسف حسین -

تبصرہ

خود اعتمادی ، فنی برتری کا احساس اور اپنے کمالِ فن پر ناز اس مرثیے کا مابہ الامتیاز ہے - بظاہر لکھنؤ کی فضا مخالفتِ انیس سے گونج رہی ہے - حریفوں کی یلغار سے میر صاحب ذہنی پریشانی میں مبتلا ہیں - انھیں اپنی شاعری میں کوئی جھول نظر نہیں آتا - اثر آفرینی اور لطافتِ شعری میں پورا کلام جواہرات کی دوکان ہے :

ہے لعل و گُہر سے یہ دہن کانِ جواہر
ہنگامِ سخن کھلتی ہے دکانِ جواہر
ہیں بند مرصّع ، تو ورق خوانِ جواہر
دیکھے اسے ،ہاں، کوئی ہے خواہانِ جواہر ؟

طبیعت کی روانی ، تخیّل کی ندرت آفرینی ، فن پر قدرت اور قلم پر اختیار ہے - جو لکھتے ہیں وہ استادانہ ہوتا ہے -

ہیئتِ شعری کے علاوہ ، شعروں میں جان اور مرثیے میں روح کی حرارت بھی موجود ہے - لفظ و ترکیب ، مصرعوں کی چستی اور بیتوں کی درستی مہارت سے پیدا ہوتی ہے - لیکن اس جسم میں حرکت اور اس رعنائی میں توانائی شاعر کے عقیدے سے پیدا ہوتی ہے - عروضی تانے بانے پر مصرع بافی اور سادے کاغذ پر حسنِ خط کا مظاہرہ اور ہے - اس پیکر میں جان اس وقت پڑتی ہے جب شاعر کا ضمیر ، شاعر کا یقین ، شاعر کا عقیدہ ، شاعر کا احساسِ توانا پوری ہیئت کو لباس اور خود کو اس کا ملبوس بنا لے -

نازاں ہوں محبّت پہ امامِ ازلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت پہ علی[ؑ] کی

اس کے بعد قاری و سامع کی حیثیت یہ نہیں رہتی کہ اگر وہ داد نہ دیں تو شاعر کبیدہ خاطر ہو جائے اور کمال کو نقص سمجھ بیٹھے۔ لوگوں کا اعتبار کیا، عالم تو یہ ہے:

ناقدریِ عالم کی شکایت نہیں مولا
کچھ دفترِ باطل کی حقیقت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
میں کیا ہوں، کسی روح کو راحت نہیں مولا
عالم ہے مکدّر، کوئی دل صاف نہیں ہے
اِس عہد میں سب کچھ ہے پر انصاف نہیں ہے

انیس اس بے انصافی کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ وہ ان دیواروں کو گرانا اور حریفوں کو شکست دینا جانتے ہیں۔ انیس کا ساز و سامان قابلِ اعتماد ہے:

اک فرد پرانی نہیں دفتر میں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے
پشتی پہ ہیں سب رکنِ رکین دینِ متیں کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے
ناحق ہے عداوت انھیں اس ہیچ مداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

کم و بیش تیس بند 'تعلّی' اور اپنے تعارف میں لکھے ہیں۔ اس چہرے نے مرثیے کی خاص ذہنی فضا تیار کی ہے۔ انیس نے پورے احساسِ انا کے ساتھ ایک سو ستاسی بند لکھے ہیں اور کہیں ان کا قلم بے قابو نہیں ہوا۔

مناجات کے پیرائے سے کمال کے دعوے کو جواز کا پیرایہ بخشا۔ نعت و منقبت کے لہجے میں اپنی برتری کو خوبصورتی بنایا ؛ عذر و توبہ ، دنیا کی بے اعتباری اور وعظ و نصیحت سے فکر کوگداز عطا کیا ۔ مجلس کی نوعیت اور شرکائے بزم کے جذبات کا تجزیہ زیرِ نظر مرثیے کے منفرد خصائص ہیں۔

مرثیے کا موضوع امام حسین ؑ کی پیدائش اور شہادت ہے ۔ خوشی اور غم کی آمیزش ، تہنیت و تعزیت کا ربط اور بزم و رزم کی یکجائی سے میر صاحب کی شاعرانہ عظمت کا عجب مرقّع سامنے آتا ہے ۔ مرثیہ تین مطلعوں پر مشتمل ہے ۔ پہلے مطلع یا مرثیے کے پہلے حصے میں بہتّر بند ہیں ۔ اس میں چہرہ ، مرثیے کا موضوع اور ٹھاٹھ ، ولادت ، گھر میں خوشی ، رسول اللہ ؐ کا فرزند کو گود میں لینا ، شہادت کی خبر دینا اور پھر بَین ہیں ۔

مرثیے کا دوسرا مطلع سامعین سے خطاب ، گرمی کا منظر ، دنیا کی بےثباتی ، حضرت زینب و امام کی گفتگو ، عورتوں کی حالت ، حضرت سکینہ کا سراپا اور مکالمے ، بانو اور امام کی بات چیت ، امام زین العابدین ؑ سے رخصت اور بوسیدہ کپڑے پہننے پر مشتمل ہے ۔ پھر سواری ، گھوڑا ، رجز ، حملہ ، تلوار ، جنگ اور آخر میں شہادت اور چار بند بَین کے ہیں ۔ واقعات کا بیان اور ان کا تسلسل ، جزئیات کا تجزیہ ، نفسیات ، رزم کی نقشہ کشی ، جنگ کی گیرودار میں میر صاحب کا فن اور سپاہیانہ شعور قابلِ دید و داد ہے ۔ کردار نگاری میں نازک سے نازک موقعوں پر شاعر کی قدرت حیرت انگیز ہے ۔ مثلاً گھمسان کا رن ہے ، جوشِ شجاعت کو فوج کی ابتری شہ دے رہی ہے اور :

اک زلزلہ تھا نُہ فلک و ہفت طبق کو
ہر بار الٹ دیتے تھے لشکر کے ورق کو

اس کے باوجود :

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
شفقت بھی نہ کم تھی ، جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ امّت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری ، جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے ، جسے دم توڑتے دیکھا

انیس کے مرثیوں میں یہ نوک پلک اور نفاست اردو ادب کی آبرو ہے - انھی باریکیوں نے مرثیے کو کردار سازی اور شعور آفرینی کا درجہ عطا کیا ہے -

علی حیدر نظم طباطبائی کے خیال کے مطابق یہ مرثیہ میر انیس کی درمیانی عمر کا ہے اور ۱۸۳۰ع سے ۱۸۵۴ع کے درمیان لکھا گیا ہے - یعنی فیض آباد سے لکھنؤ آنے کے بعد اور حریفوں سے ابتدائی مقابلوں کے وقت کی یادگار ہے - مرثیے کی تمہید اس کی تصدیق کرتی ہے - اس میں حریف کو للکار اور مخالفوں سے پیکار کا انداز بڑھاپے اور کمالِ شہرت کے زمانے سے متعلق نہیں معلوم ہوتا - شاد عظیم آبادی نے اس مرثیے کے متعلق ایک واقعہ بھی لکھا ہے :

میر کلّو نامی تاجر کی مجلس اُس وقت میدانِ کارزار بن گئی جب مرزا دبیر صاحب کے بجائے منبر پر انیس آ گئے - میر کلّو ہر سال حسین آباد لکھنؤ میں مجلس کیا کرتے تھے - اس مجلس میں صاحبانِ کمال ، رؤسا ، امراء اور معززینِ شہر کا بہت بڑا مجمع ہوتا تھا - اس مجلس میں مدتوں سے مرزا دبیر مرثیہ پڑھتے چلے آ رہے تھے - اتفاق سے ابکی سال عین وقت پر کسی وجہ سے مرزا صاحب نہ آ سکے تو بانیِ مجلس گھبرائے ہوئے اُن کی خدمت میں گئے اور بہت اصرار

کیا لیکن مرزا صاحب نے انکار کر دیا ۔ میر کلّو صاحب وہاں سے شیدیوں کے احاطے میں میر انیس صاحب کے مکان پر حاضر ہوئے ۔ فنس ساتھ تھی، دوپہر کا وقت تھا، میر صاحب دسترخوان سے اٹھ کر قیلولے کے لیے لیٹے ہوئے مرثیہ دیکھ رہے تھے ۔ میر کلّو صاحب نے آواز دی اور بڑے زور دار الفاظ میں درخواست کی : "مجلس تیار ہے ، اگر آپ نے زحمت نہ کی تو غضب ہو جائے گا ۔ پالکی حاضر ہے ۔" میر صاحب تیار ہوگئے ۔ مجلس میں تشریف لائے ، منبر پر بیٹھے اور تین گھنٹے تک یہ مرثیہ پڑھتے رہے ۔ منبر سے اترے تو بڑے بڑے مخالف موافق بن چکے تھے ۔

(میر انیس کے حالاتِ زندگی ، 'ماہ نو' ، انیس نمبر ، ۱۹۷۲ء ، بحوالۂ فکرِ بلیغ) ۔

مرتضیٰ حسین فاضل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱ یارب ! چمنِ نظم کو گلزارِ اِرم کر
اے ابرِ کرم ! خشک زراعت پہ کرم کر
تُو فیض کا مبدا ہے ، توجہ کوئی دم کر
گم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

۲ اِس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پر ہے تری شکر گزاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری !
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری
وہ گل ہوں عنایت چمنِ طبعِ نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

۳ غوّاصِ طبیعت کو عطا کر وہ لآلی
ہو جن کی جگہ تاجِ سرِ عرش پہ خالی
اک ایک لڑی نظمِ ثریّا سے ہو عالی
عالم کی نگاہوں سے گرے قطبِ شمالی
سب ہوں دُرِ یکتا نہ علاقہ ہو کسی سے
نذر اُن کی یہ ہوں گے جنھیں رشتہ ہے نبیؐ سے

۴
بھر دے دُرِ مقصود سے اس دُرجِ دہاں کو
دریائے معانی سے بڑھا طبعِ رواں کو
آگاہ کر اندازِ تکلّم سے زباں کو
عاشق ہو فصاحت بھی، وہ دے حسن بیاں کو
تحسیں کا سماوات سے غل تا بہ سمک ہو
ہر گوش بنے کانِ ملاحت، وہ نمک ہو

۵
تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دوں
قطرے کو جو دوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہرِ منّور سے ملا دوں
خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اک پھول کا مضموں ہو تو سو رنگ سے باندھوں

۶
گر بزم کی جانب ہو توجّہ دمِ تحریر
کھنچ جائے ابھی گلشنِ فردوس کی تصویر
دیکھے نہ کبھی صحبتِ انجم فلکِ پیر
ہو جائے ہوا بزمِ سلیماں کی بھی توقیر
یوں تختِ حسینانِ معانی اتر آئے
ہر چشم کو پریوں کا اکھاڑا نظر آئے

۷
ساقی[۲] کے کرم سے ہو وہ دَور اور وہ چلیں جام
جس میں عوضِ نشّہ ہو کیفیّتِ انجام
ہر مست فراموش کرے گردشِ ایّام
صوفی کی زباں بھی نہ رہے فیض سے ناکام
ہاں بادہ کشو! پوچھ لو مے خانہ نشیں سے
کوثر[۳] کی یہ موج آ گئی ہے خلدِ بریں سے

۸
آؤں طرفِ رزم ابھی چھوڑ کے جب بزم
خیبر کی خبر لائے مری طبعِ اولوالعزم
قطعِ سرِ اعدا کا ارادہ ہو جو بالجزم
دکھلائے یہیں سب کو زباں معرکۂ رزم
جل جائے عدو، آگ بھڑکتی نظر آئے
تلوار پہ تلوار چمکتی نظر آئے

۹
مصرع ہو صف آرا، صفتِ لشکرِ جرّار
الفاظ کی تیزی کو نہ پہنچے کوئی تلوار
نقطے ہوں جو ڈھالیں تو الف خنجرِ خوں خوار
مد آگے بڑھیں برچھیوں کو تول کے اک بار
غل ہو "کبھی یوں فوج کو لڑتے نہیں دیکھا
مقتل میں رن ایسا کبھی پڑتے نہیں دیکھا"

۱۰
ہو ایک زباں ماہ سے تا مسکنِ ماہی
عالم کو دکھا دے برشِ سیفِ الٰہی
جرأت کا دھنی تو ہے، یہ چِلّائیں سپاہی
لاریب، ترے نام پہ ہے سکّۂ شاہی
ہر دم یہ اشارہ ہو، دوات اور قلم کا
تو مالک و مختار ہے اِس طبل و علم کا

۱۱
تائید کا ہنگام ہے، یا حیدرِ[۴] صفدر!
امداد ترا کام ہے، یا حیدرِ[۴] صفدر!
تو صاحبِ اکرام ہے، یا حیدرِ[۴] صفدر!
تیرا ہی کرم عام ہے، یا حیدرِ[۴] صفدر!
تنہا ترے اقبال سے شمشیر بہ کف ہوں
سب ایک طرف جمع ہیں، میں ایک طرف ہوں

۱۲ ناقدریِ عالم کی شکایت نہیں مولا
کچھ دفتر باطل کی حقیقت نہیں مولا
باہم گل و بلبل میں محبت نہیں مولا
میں کیا ہوں، کسی روح کو راحت نہیں مولا
عالم ہے مکدّر، کوئی دل صاف نہیں ہے
اس عہد میں سب کچھ ہے، پر انصاف نہیں ہے

۱۳ نیک و بدِ عالم میں تامّل نہیں کرتے
عارف کبھی اتنا بھی تجاہل نہیں کرتے
خاروں کے لیے رخ طرفِ گل نہیں کرتے
تعریفِ خوش الحانیِ بلبل نہیں کرتے
خاموش ہیں، گو شیشۂ دل چُور ہوے ہیں
اشکوں کے ٹپک پڑنے سے مجبور ہوے ہیں

۱۴ الماس سے بہتر یہ سمجھتے ہیں خذف کو
دُر کو تو گھٹاتے ہیں، بڑھاتے ہیں صدف کو
اندھیر یہ ہے، چاند بتاتے ہیں کلف کو
کھو دیتے ہیں شیشے کے لیے دُرِ نجف کو
ضایع ہیں دُر و لعل بدخشان و عدن کے
مٹّی میں ملاتے ہیں جواہر کو سخن کے

۱۵ ہے لعل و گُہر سے یہ دہن کانِ جواہر
ہنگامِ سخن کھلتی ہے دکّانِ جواہر
ہیں بند مرصّع، تو ورق خوانِ جواہر
دیکھے اسے، ہاں، کوئی ہے خواہانِ جواہر؟
بینائے رقوماتِ ہنر چاہیے اِس کو
سودا ہے جواہر کا، نظر چاہیے اِس کو

۱۶ کیا ہو گئے وہ جوہریانِ سخن اک بار
ہر وقت جو اِس جنس کے رہتے تھے[۴] طلب گار
اب ہے کوئی طالب ، نہ شناسا ، نہ خریدار
ہے کون ، دکھائیں کسے یہ گوہرِ شہوار
کس وقت یہاں چھوڑ کے ملکِ عدم آئے
جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

۱۷ خواہاں نہیں یاقوتِ سخن کا کوئی گو آج
ہے آپ کی سرکار تو یا صاحبِ معراج !
اے باعثِ ایجادِ جہاں ، خلق کے سرتاج !
ہو جائے گا دم بھر میں غنی بندۂ محتاج
امّید اِسی گھر کی ، وسیلہ اِسی گھر کا
دولت یہی میری ، یہی توشہ ہے سفر کا

۱۸ میں کیا ہوں ، مری طبع ہے کیا ، اے شہِ شاہاں !
حسّان[۵] و فرزدق[۶] ہیں یہاں عاجز و حیراں
شرمندہ زمانے سے گئے وائل[۷] و سحباں
قاصر ہیں سخن فہم و سخن سنج و سخن داں
کیا مدح کفِ خاک سے ہو نورِ خدا کی
لکنت یہیں کرتی ہیں زبانیں فصحا کی

۱۹ لایعلم و لاعلم کی کیا سحر بیانی
حضرت پہ ہویدا ہے مری ہیچ مدانی
نہ ذہن میں جودت ، نہ طبیعت میں روانی
گویا ہوں فقط ، ہے یہ تری فیض رسانی
میں کیا ہوں ، فرشتوں کی طلاقت ہے تو کیا ہے
وہ خاص یہ بندے ہیں کہ مدّاح خدا ہے

۲۰ تھا جوش کچھ ایسا ہی جو دعویٰ کیا میں نے
خود سر بگریباں ہوں کہ یہ کیا کیا میں نے
اک قطرۂ ناچیز کو دریا کیا میں نے
تقصیر بجا کہیے ، بے جا کیا میں نے
ہاں سچ ہے کہ اتنی بھی تعلّی نہ روا تھی
مولا ! یہ کلیجے کے پھپھولوں کی دوا تھی

۲۱ مجرم ہوں ، کبھی ایسی خطا کی نہیں میں نے
بھولے سے بھی آپ اپنی ثنا کی نہیں میں نے
دل سے کبھی مدحِ اُمرا کی نہیں میں نے
تقلیدِ کلامِ جہلا کی نہیں میں نے
نازاں ہوں محبّت پہ امامِ ازلی کی
ساری یہ تعلّی ہے حمایت پہ علیؑ کی

۲۲ ہر چند زباں کیا مری اور کیا مری تقریر
دن رات وظیفہ ہے ثنا خوانیِ شبّیرؑ
منظور ہے اک باب میں دو فصل کی تحریر
مولا کی مدد کا متمنّی ہے یہ دل گیر
یہ فصل نئے رنگ سے کاغذ پہ رقم ہو
اک بزم ہو شادی کی تو اک صحبتِ غم ہو

۲۳ شعباں کی ہے تاریخِ سوم روزِ ولادت
اور ہے دہمِ ماہِ عزا یومِ شہادت
دونوں میں بہرحال ہے تحصیلِ سعادت
وہ بھی عملِ خیر ہے ، یہ بھی ہے عبادت
مدّاح ہوں ، کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صلہ اس کا ، بہشت اس کا صلا ہے

۲۴ مقبول ہوئی عرض ، گنہ عفو ہوئے سب
آمید بر آئی ، مرا حاصل ہوا مطلب
شامل ہوا افضالِ محمدؐ ، کرمِ رب
ہوتے ہیں علمِ فوجِ مضامیں کے نشاں اب
پشتی پہ ہیں سب رکنِ رکیں دینِ متیں کے
ڈنکے سے ہلا دیتا ہوں طبقوں کو زمیں کے

۲۵ نازاں ہوں عنایت پہ شہنشاہِ زمن کی
بخشی ہے رضا جائزۂ فوجِ سخن کی
چہرے کی بحالی سے قبا چست ہے تن کی[8]
لو برطرفی پڑ گئی مضمونِ کہن کی
اک فرد پرانی نہیں دفتر میں ہمارے
بھرتی ہے نئی فوج کی لشکر میں ہمارے

۲۶ ہاں اے فلکِ پیر ! نئے سر سے جواں ہو
اے ماہِ شبِ چاردہم ! نور فشاں ہو
اے ظلمتِ غم ! دیدۂ عالم سے نہاں[9] ہو
اے روشنیِ صبحِ شبِ عید ! عیاں ہو
شادی ہے ولادت کی یداللہ کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

۲۷ اے شمس و قمر ! اور قمر ہوتا ہے پیدا
نخلِ چمنِ دیں کا ثمر ہوتا ہے پیدا
مخدومۂ عالم کا پسر ہوتا ہے پیدا
جو عرش کی ضو ہے ، وہ گہر ہوتا ہے پیدا
ہر جسم میں جاں آتی ہے مذکور سے جس کے
نو نورِ خدا[10] ہوں گے عیاں نور سے جس کے

۲۸ اے کعبۂ ایماں ! تری حرمت کے دن آئے
اے رکنِ یمانی[۱۱] ! تری شوکت کے دن آئے
اے بیتِ مقدّس ! ، تری عزّت کے دن آئے
اے چشمۂ زمزم ! تری چاہت کے دن آئے
اے سنگِ حرم ! جلوہ نمائی ہوئی تجھ میں
اے کوہِ صفا ! اور صفائی ہوئی تجھ میں

۲۹ اے یثرب و بطحا ! ترے والی کی ہے آمد
[۱۲]لے رُتبۂ اعلیٰ ، شہِ عالی کی ہے آمد
عالم کی تغیری[۱۳] پہ بحالی کی ہے آمد
کہتے ہیں چمن ، ماہِ جلالی کی ہے آمد
یہ خانۂ کعبہ کی مُباہات کے دن ہیں
یعقوب[۴] سے یوسف[۴] کی ملاقات کے دن میں

۳۰ اے ارضِ مدینہ ! تجھے فوق اب ہے فلک پر
رونق جو سما پر ہے وہ اب ہوگی سمک پر
خورشید سلا ، تیرا ستارہ ہے چمک پر
صدقے گلِ تر[۱۴] ہیں ، ترے پھولوں کی مہک پر
پَر جس پہ فرشتوں کے بچھیں ، فرش وہی ہے
جس خاک پہ ہو نورِ خدا ، عرش وہی ہے

۳۱ یا ختمِ رسل ! گوہرِ مقصود مبارک
یا نورِ خدا ! رحمتِ معبود مبارک
یا شاہِ نجف ! شادیِ مولود مبارک
یا خیرِ نسا ! اخترِ مسعود مبارک
رونق ہو سدا ، نور دوبالا رہے گھر میں
اِس ماہِ دو ہفتہ کا اُجالا رہے گھر میں

۳۲ اے امّتیو! ہے یہ دمِ شکر گزاری
ہر بار کرو سجدۂ شکریۂ باری
اللہ نے حل کر دیا مشکل کو تمھاری
فردیں[۱۵] عملِ زشت کی اب چاک ہیں ساری
لکّھے گئے بندوں میں ولی ابنِ ولی کے
ناجی[۱۶] ہوئے صدقے میں حسین[ع] ابنِ علی[ع] کے

۳۳ اے شاہِ معظّم! ترے اقبال کے صدقے
شوکت کے فدا، عظمت و اجلال کے صدقے
آتری بَرکت، فاطمہ[ع] کے لال کے صدقے
جس سال یہ پیدا ہوئے، اس سال کے صدقے
قربانِ سحر، عید اگر ہو تو بجا ہے
نوروز بھی اِس شب کی بزرگی پہ فدا ہے

۳۴ قربان شبِ جمعۂ شعبانِ خوش انجام
پیدا ہوا جس شب کو محمدؐ کا گل اندام
قائم ہوا دیں، اور بڑھی رونقِ اسلام
ہم پلۂ صبحِ شبِ معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرف بدر سے پوچھو
کیا قدر تھی اس شب کی شبِ قدر سے پوچھو

۳۵ وہ نورِ قمر اور وہ دُر افشانیِ انجم
تھی جس کے سبب روشنیِ دیدۂ مردم
وہ چہچہے رضواں کے، وہ حوروں کا تبسّم
آپس میں وہ ہنس ہنس کے فرشتوں کا تکلّم
میکال شگفتہ ہوئے جاتے تھے خوشی سے
جبریل تو پھولوں نہ سماتے تھے خوشی سے

۳۶ روشن تھا مدینے کا ہر اک کوچہ و بازار
جو راہ تھی خوش بو ، جو محلہ تھا وہ گل زار
کھولے ہوئے تھا آہوے شب نافۂ تاتار
معلوم یہ ہوتا تھا کہ پھولوں کا ہے انبار
گردوں کو بھی اک رشک تھا زینت پہ زمیں کی
ہر گھر میں ہوا آتی تھی فردوسِ بریں کی

۳۷ کیا شب تھی وہ مسعود و ہمایون و معظّم
رخ رحمتِ معبود کا تھا جانبِ عالم
جبریل و سرافیل کو مہلت نہ تھی اک دم
بالاے زمیں آتے تھے اور جاتے تھے باہم
باشندوں کو یثرب کے خبر تھی نہ گھروں کی
سب سنتے تھے آواز فرشتوں کے پروں کی

۳۸ تھیں فاطمہ[ع] بے چین اُدھر دردِ شکم سے
منہ فق تھا اور آنسو تھے رواں دیدۂ نم سے
وابستہ تھی راحت جو اسی بی‌بی کے دم سے
مضطر تھے علی[ع] ، بنتِ پیمبر کے الم سے
آرام تھا اک دم نہ شہِ قلعہ شکن کو
پھرتے تھے لگائے ہوئے چھاتی سے حسن[ع] کو

۳۹ کرتے تھے دعا ، بادشہ یثرب و بطحا
راحم ہے تری ذاتِ مقدّس ، مرے مولا !
زہرا[ع] ہے کنیز اور مرا بچّہ ترا بندا
آسان کر اے بار خدا ! مشکلِ زہرا[ع]
نادار ہے اور فاقہ کش و زار و حزیں ہے
مادر بھی تشفّی کے لیے پاس نہیں ہے

۴۰ ناگاہ درِ حجرہ ہوا مطلعِ انوار
دکھلانے لگے نور تجلّی در و دیوار
'اسماء' نے علیؑ سے یہ کہا دوڑ کے اِک بار
فرزند مبارک تمھیں، یا حیدرِ کرّارؑ!
اسپند کرو فاطمہؑ کے ماہ جبیں پر
فرزند نہیں، چاند یہ[۱۷] آترا ہے زمیں پر

۴۱ دیکھا نہیں اس طرح کا چہرہ کبھی پیارا
نقشہ ہے محمدؐ سے شہنشاہ کا سارا
ماتھے پہ چمکتا ہے جلالت کا ستارا
اللہ نے اس گھر میں عجب چاند آتارا
تصویرِ رسولؐ عربی دیکھ رہے ہیں
آنکھوں کی ہے گردش کہ نبیؐ دیکھ رہے ہیں

۴۲ مژدہ یہ سنا احمدؐ مختار نے جس دم
بس شکر کے سجدے کو گرے[۱۸] قبلۂ عالم
آئے طرف خانۂ زہراؑ خوش و خرّم
فرمایا مبارک پسر! اے ثانیِ مریمؑ!
چہرہ مجھے دکھلا دو مرے نورِ نظر کا
ٹکڑا ہے یہ فرزند محمدؐ کے جگر کا

۴۳ کی عرض یہ اسماء نے کہ اے خاصۂ داور!
نہلا لوں، تو لے آؤں اسے حجرے سے باہر
ارشاد کیا احمدِؐ مختار نے ہنس کر!
لے آ! کہ نواسہ ہے مرا طاہر و اطہر
اس چاند کو تاجِ سرِ افلاک کیا ہے
یہ وہ ہے خدا نے جسے خود پاک کیا ہے

۴۴ میں اس سے ہوں اور مجھ سے ہے یہ ، تو نہیں ماہر
یہ نورِ الٰہی ہے ، یہ ہے طیّب و طاہر
اسرار جو مخفی ہیں وہ اب ہوئیں گے ظاہر
یہ آیتِ ایماں ہے ، یہ ہے حجّتِ باہر[۱۹]
بڑھ کر مدد سیّدِ لولاک کرے گا
کفّار کے قصّے کو یہی پاک کرے گا

۴۵ جس دم یہ خبر مخبرِ صادقؐ نے سنائی
اسما اسے اک پارچۂ نرم پہ لائی
بو اس گلِ تازہ کی محمدؐ نے جو پائی
ہنسنے لگے ، سرخی رخِ پُر نور پہ آئی
منہ چاند سا دیکھا جو رسولِ عربیؐ نے
لپٹا لیا چھاتی سے نواسے کو نبیؐ نے

۴۶ جاں آ گئی ، یعقوبؑ نے یوسفؑ کو جو پایا
قرآں کی طرح رحلِ دو زانو پہ بٹھایا
منہ ملنے لگے منہ سے ، بہت پیار جو آیا
بوسے لیے اور ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا
دل ہل گیا ، کی جب کہ نظر سینہ و سر پر
چوما جو گلا ، چل گئی تلوار جگر پر

۴۷ جوش آیا تھا رونے کا مگر تھام کے رقّت
اِس کان میں فرمائی اذاں ، اُس میں اِقامت
حیدرؑ سے یہ فرمایا کہ اے شاہِ ولایت!
کیوں تم نے بھی دیکھی مرے فرزند کی صورت ؟
پُر نور ہے گھر ، تم کو ملا ہے قمر ایسا
دنیا میں کسی نے نہیں پایا پسر ایسا

۴۸ کیونکر نہ ہو، تم سا پدر اور فاطمہ[ع] سی ماں
دو شمس و قمر کا ہے یہ اک نیّرِ تاباں
کی عرض یہ حیدر[ع] نے کہ اے قبلۂ ایماں !
حق اس پہ رکھے سایۂ پیغمبرِ[ص] ذی شاں
اعلیٰ ہے جو سب سے وہ مقامِ شہِ دیں ہے
بندہ ہوں میں اور یہ بھی غلامِ شہِ دیں ہے

۴۹ عالم میں ہے یہ سب بَرکت آپ کے دم سے
سرسبزیِ دنیا[ع] ہے اِسی ابرِ کرم سے
تا عرش پہنچ جاتا ہے سر، فیضِ قدم سے
عزّت ہے غلاموں کی شہنشاہِ اُمم سے
کچھ اس میں نہ زہرا[ع] کا ہے باعث، نہ علی[ع] کا
سب ہے یہ بزرگی کہ نواسا ہے نبی[ص] کا

۵۰ فرمانے لگے ہنس کے شہِ یثرب و بطحا
بھائی ! کہو فرزند کا کچھ نام بھی رکّھا ؟
کی عرض یہ حیدر[ع] نے کہ اے سیّدِ والا !
سبقت کروں حضرت پہ، یہ مقدور ہے میرا ؟
فرمایا کہ موقوف ہے یہ ربِ عُلا پر
میں بھی سبقت کر نہیں سکتا ہوں خدا پر

۵۱ بس اتنے میں نازل ہوئے جبریلِ[ع] خوش انجام
کی عرض کہ فرماتا ہے یہ خالقِ عَلّام
پیارا ہے نہایت ہمیں زہرا[ع] کا گل اندام
یا ختمِ رسل[ص] ! ہم نے حسین[ع] اس کا رکھا نام
یہ حُسن میں سردارِ حسینانِ زمن ہے
مشتق تو ہے 'احسان' سے، تصغیرِ 'حسن' ہے

۵۲
'ح' سے ہے اشارہ کہ یہ ہے حامیِ اُمّت
سمجھیں گے اِسی 'سین' کو[۲۱] سب سینِ سعادت
'ی' اس کی بزرگی میں ہے 'یٰسین' کی آیت
ہے 'ن' سے ظاہر کہ یہ ہے نورِ نبوّت
ناجی ہے وہ اس نام کو لے گا جو دہن سے
یہ حُسن میں دس حصّہ زیادہ ہے حسنؑ سے

۵۳
دو نور کے[۲۲] دریا کو جو ہم نے کیا اک جا
تب اس سے ہوا گوہرِ نایاب یہ پیدا
توقیر میں بے مثل، شجاعت میں ہے یکتا
اب اور نہ ہوگا کوئی اس حُسن کا لڑکا[۲۳]
ہم جانتے ہیں جو نہیں ظاہر ہے کسی پر
کام اس سے جو لینا ہے وہ ہے ختم اِسی پر

۵۴
فیّاض نے کونین کی دولت اُسے دی ہے
دی ہے جو علیؑ کو وہ شجاعت اسے دی ہے
صبر اس کو عنایت کیا، ہمّت اسے دی ہے
ان سب کے سوا اپنی محبّت اسے دی ہے
اعلیٰ ہے، معظّم ہے، مکرّم ہے، ولی ہے
ہادی ہے، وفادار ہے، زاہد ہے، سخی ہے

۵۵
جب کر چکے ذکرِ کرمِ مالکِ تقدیر
جبریلؑ نے پاس آن کے دیکھا رخِ شبّیرؑ
کی صلِّ علیٰ کہہ کے، محمدؐ سے یہ تقریر
یا شاہ! یہ مہ رُو تو ہے صاف آپ کی تصویر
جب کی ہے زیارت پئے تسلیم جھکے ہیں
اِس نور کو ہم عرش پہ بھی دیکھ چکے ہیں

۵۶
ہے اِس پہ ازل سے نظرِ رحمتِ معبود
یہ پیشتر آدم[ع] سے بھی تھا عرش پہ موجود
ہے ذاتِ خدا صاحبِ فیض و کرم و جود
تھا خلقِ دو عالم سے یہی مطلب و مقصود
مظلومی و غربت ہے عجب نام پہ اس کے
سب روتے ہیں اور روئیں گے انجام پہ اس کے

۵۷
ہے یہ سببِ تہنیت و تعزیت اِس دم
ہے شادی و غم گلشنِ ایجاد میں توأم
لپٹائے ہیں چھاتی سے جسے قبلۂ عالم
بے جرم و خطا ذبح کریں گے اسے اظلم
گر حشر بھی ہوگا تو یہ آفت نہ ٹلے گی
سجدے میں چھری حلقِ مبارک پہ چلے گی

۵۸
ہوگا یہ محرم میں ستم اے شہِ ذی جاہ!
چھپ جائے گا آنکھوں سے اسی چاند میں یہ ماہ
تاریخِ دہم، جمعہ کے دن، عصر کے وقت، آہ!
نیزے پہ چڑھائیں گے سرِ پاک کو گم راہ
کٹ جائے گا جب سر تو ستم لاش پہ ہوں گے
گھوڑوں کے قدم سینۂ صد پاش پہ ہوں گے

۵۹
چلّائے محمدؐ کہ میں بسمل ہوا بھائی
اے وائے اخی! کیا یہ خبر مجھ کو سنائی
دل ہل گیا، برچھی سی کلیجے میں در آئی
یہ واقعہ سن کر نہ جیے گی مری جائی
ممکن نہیں دنیا میں دوا زخمِ جگر کی
کیونکر کہوں زہرا[ع] سے خبر مرگِ پسر کی

۶۰ جس وقت سنی، فاطمہؑ نے یہ خبر غم
شادی میں ولادت کی بپا ہو گیا ماتم
چلّاتی تھی سر پیٹ کے وہ ثانیٔ مریمؑ
بیٹی پہ چھری چل گئی یا سیّدِ عالم
خنجر کے تلے چاند سی تصویر کی گردن
کٹ جائے گی ہے ہے مرے شبّیرؑ کی گردن

۶۱ ہے ہے، کئی دن تک نہ ملے گا اسے پانی!
ہے ہے، یہ سہے گا تعبِ تشنہ دہانی!
ہو جائیں گے اک جان کے سب دشمنِ جانی!
ہے ہے، مرا محبوب، مرا یوسفِ ثانی!
پیراہنِ صد چاک کفن ہوئے گا اس کا
سر نیزے پہ اور خاک پہ تن ہوئے گا اس کا

۶۲ صبر اپنا دکھانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
یوں خلق سے جانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
جنگل کے بسانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
اساں کو رلانے کو یہ آئے ہیں جہاں میں
ہم چاند سی صورت پہ نہ شیدا ہوئے ہوتے
اے کاش! مرے گھر میں نہ پیدا ہوئے ہوتے

۶۳ دنیا مجھے اندھیر ہے اس غم کی خبر سے
شعلوں کی طرح آہ نکلتی ہے جگر سے
دامن پہ ٹپکتا ہے لہو دیدۂ تر سے
بس آج سفر کر گئی شادی مرے گھر سے
جس وقت تلک جیتی ہوں ماتم میں رہوں گی
'مظلوم حسینؑ' آج سے میں ان کو کہوں گی

۶۴ بیٹی کو یہ معلوم نہ تھا یا شہِ عالم!
بچھے گی زچہ خانے کے اندر صفِ ماتم
اب دن ہے چَھٹی کا مجھے عاشورِ محرّم
تارے بھی نہ دیکھے تھے[۲۴] کہ ٹوٹا فلکِ غم
پوشاک نہ بدلوں گی، نہ سر دھوؤں گی بابا
چِلّے[۲۵] میں بھی چہلم کی طرح روؤں گی بابا

۶۵ حیدر[۴] ہیں کہاں، آ کے دلاسا نہیں دیتے
زہرا[۳] کا برا حال ہے، سمجھا نہیں دیتے
اس زخم کا مرہم مجھے بتلا نہیں دیتے
ہے ہے، مجھے فرزند کا پُرسا نہیں دیتے
حجرے میں الگ بیٹھے ہیں کیوں چھوڑ کے گھر کو
آواز تو سنتی ہوں کہ روتے ہیں پسر کو

۶۶ پھر دیکھ کے فرزند کی صورت یہ پکاری
اے میرے شہید، اے مرے بے کس، ترے واری
ہاں[۲۶]، بعد مرے ذبح کریں گے تجھے ناری
بنتی ہوں ابھی سے میں عزادار تمھاری
دل اور کسی شغل میں مصروف نہ ہوگا
بس آج سے رونا مرا موقوف نہ ہوگا

۶۷ مر جائے گا تُو تشنہ دہن، ہائے حسینا!
ہو جائے گا ٹکڑے یہ بدن، ہائے حسینا!
اک جان پہ یہ رنج و مِحن، ہائے حسینا!
کوئی تجھے دے گا نہ کفن، ہائے حسینا!
گاڑیں گے نہ ظالم تنِ صد پاش کو ہے ہے
رہواروں سے روندیں گے تری لاش کو ہے ہے

۶۸ فرمایا محمدؐ نے کہ اے فاطمہؑ زہرا!
کیا مرضیِ معبود سے بندے کا ہے چارا
خالق نے دیا ہے اسے وہ رتبۂ اعلیٰ[27]
جبریلؑ سوا کوئی نہیں جاننے والا
میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیۂ رب ہے
یہ لال ترا بخششِ اُمّت کا سبب ہے

۶۹ اس بات کا غم ہے اگر اے جانِ پیمبر
بے دفن و کفن رن میں رہے گا ترا دلبر
جب قید سے ہووے گا رہا عابدؑ مضطر
تربت میں وہی دفن کرے گا اسے آ کر
ارواحِ رسولانِ زمن[28] روئے گی اس کو
سر پیٹ کے زینب سی بہن روئے گی اس کو

۷۰ جب چرخ پہ ہووے گا عیاں ماہِ محرّم
ہر گھر میں بپا ہووے گی اک مجلسِ ماتم
آئیں گے مَلک عرش سے واں رونے کو باہم
ماتم یہ وہ ماتم ہے کہ ہوگا نہ کبھی کم
پُر نور سدا اس کا عزا خانہ رہے گا
خورشیدِ جہاں گرد بھی پروانہ رہے گا

۷۱ کیا اوج ہے، کیا رتبہ ہے اس بزمِ عزا کا
غل عرش سے ہے فرش تلک صَلِّ علیٰ کا
مشتاق ہے فردوسِ بریں، یاں کی فضا کا
پانی میں بھی ہے یاں کے مزا آبِ بقا کا
دربارِ معلّٰی ہے ولی ابنِ ولی کا
جاری ہے یہ سب فیض، حسینؑ ابنِ علیؑ کا

۷۲ لو ، یاں سے بس اب مجلسِ ماتم کا بیاں ہے
وہ فصلِ خوشی ختم ہوئی غم کا بیاں ہے
مظلومیِ سلطانِ دو عالم کا بیاں ہے
ہنگامۂ عاشورِ محرّم کا بیاں ہے
ہاں دیکھ لے مشتاق جو ہو فوجِ خدا کا
لو بزم میں کھلتا ہے مرقّع شہدا کا

مطلعِ دوم

۷۳ اے خضرِ بیابانِ سخن راہبری کر
اے نیّرِ تابانِ خرد جلوہ گری کر
اے دردؔ! عطا لذّتِ زخمِ جگری کر
اے خوفِ الٰہی! مجھے عصیاں سے بری کر
بندوں میں لکھا جاؤں امامِ ازلی کے
آزاد ہوں صدقے سے حسینؑ ابنِ علیؑ کے

۷۴ قدسی کو نہیں بار یہ دربار ہے کس کا
فردوس کو ہے رشک یہ گلزار ہے کس کا
سب جنس شفاعت ہے یہ بازار ہے کس کا
خود بکتا ہے یوسفؑ یہ خریدار ہے کس کا
ملتی ہے کہاں مفت متاعِ حسن ایسی
دیکھی نہیں انجم نے کبھی انجمن ایسی

۷۵ مجلس کا زہے نور ، خوشا محفلِ عالی
حیدرؑ کے محبّوں سے کوئی جا نہیں خالی
عاشق ہیں سب اُس کے جو ہے کونین کا والی
اثنا عشری ، پنجتنی ، شیعۂ غالی
ششدر نہ ہو کیوں چرخ عجب جلوہ گری ہے
یہ بزمِ عزا آج ستاروں سے بھری ہے

۷۶ ان میں جو مُسن ہیں وہ پیمبرؐ کے ہیں مہماں
اور جو متوسّط ہیں وہ حیدرؑ کے ہیں مہماں
جو تازہ جواں ہیں ، علی اکبر کے ہیں مہماں
شیعوں کے پسر سب ، علی اصغر کے ہیں مہماں
سب خورد و کلاں عاشقِ شاہِ مدنی ہیں
پانچ انگلیوں کی طرح یہ سب پنجتنی ہیں

۷۷ ارشادِ نبیؐ ہے کہ مددگار ہیں میرے
فرماتے ہیں حیدرؑ کہ یہ غم خوار ہیں میرے
حضرت کا سخن ہے کہ عزادار ہیں میرے
میں ان کا ہوں طالب یہ طلب گار ہیں میرے
یہ آج اگر رو کے ہمیں یاد کریں گے
ہم قبر میں ان لوگوں کی امداد کریں گے

۷۸ غم میں مرے بچّوں کے یہ سب کرتے ہیں فریاد
اللہ سلامت رکھے اِن لوگوں کی اولاد
بستی مرے شیعوں کی رہے خلق میں آباد
یہ حشر کے دن آتشِ دوزخ سے ہوں آزاد
مرتا ہے کوئی گر تو بکا کرتا ہوں میں بھی
اُن کے لیے بخشش کی دعا کرتا ہوں میں بھی

۷۹ ۳۰ مردم کے لیے واجبِ عینی ہے یہ زاری
رونا ہی وسیلہ ہے شفاعت کا ہماری
ہے وقتِ معیّن پہ ادا طاعتِ باری
یہ خیر ہے وہ خیر جو ہر وقت ہے جاری
رو لو کہ یہ وقت اور یہ صحبت نہ ملے گی
جب آنکھ ہوئی بند تو مہلت نہ ملے گی

۸۰ مہلت جو اجل دے تو غنیمت اِسے جانو
آمادہ ہو رونے پہ، سعادت اِسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اِسے جانو
ایذا ہو جو محفل میں تو راحت اِسے جانو
فاقے کیے ہیں، دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمھارے لیے کیا ظلم سہے ہیں

۸۱ تکلیف کچھ ایسی نہیں، سایہ ہے ہوا ہے
پانی ہے خنک، مروحہ کش بادِ صبا ہے
کچھ گرمیِ عاشور کا بھی حال سنا ہے
سر پیٹنے کا وقت ہے، ہنگامِ بُکا ہے
گزری ہے بیاباں میں وہ گرمی شہِ دیں پر
بُھن جاتا تھا دانہ بھی جو گرتا تھا زمیں پر

۸۲ لُو چلتی تھی ایسی کہ جلے جاتے تھے اشجار
تھا عنصرِ خاکی پہ گمانِ کرۂ نار
پانی پہ دد و دام گرے پڑتے تھے ہر بار
سب خلق تو سیراب تھی، پیاسے شہِ ابرار
خاک اُڑ کے جمی جاتی تھی زلفوں پہ قبا پر
اُس دھوپ میں سایہ بھی نہ تھا نورِ خدا پر

۸۳ قطرے جو پسینے کے ٹپک پڑتے تھے ہر بار
ثابت یہی ہوتا تھا کہ ہیں اخترِ سیّار
شاید المِ فاقہ سے ہے زردیِ رخسار
بے آبی سے آودے تھے لبِ لعلِ گہر بار
دنیا میں ترستے رہے وہ آبِ رواں کو
جن ہونٹوں نے چوسا تھا محمدؐ کی زباں کو

مطلعِ سوم[۳۱]

۸۴ دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں
وہ گل ہے یہ گل، بوے محبّت نہیں جس میں
وہ دوست ہے یہ دوست، مروت نہیں جس میں
وہ شہد ہے یہ شہد، حلاوت نہیں جس میں
بے درد و الم شامِ غریباں نہیں گزری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گزری

۸۵ گودی ہے کبھی ماں کی، کبھی قبر کا آغوش
گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرمِ سخن ہے کبھی انساں، کبھی خاموش
گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ بہ سرِ دوش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مُسن کو
شب کو تو چھپر کھٹ میں ہیں، تابوت میں دن کو

۸۶ شادی ہو کہ اندوہ ہو، آرام ہو یا جور
دنیا میں گزر جاتی ہے انساں کی ہر طور
ماتم کی کبھی فصل ہے، عشرت کا کبھی دور
ہے شادی و ماتم کا مرقّع جو کرو غور
کس باغ پہ آسیبِ خزاں آ نہیں جاتا
گل کون سا کھلتا ہے جو مرجھا نہیں جاتا

۸۷ ہے عالمِ فانی کی عجب صبح، عجب شام
گہ غم، کبھی شادی، کبھی ایذا، کبھی آرام
نازوں سے پلا فاطمہؑ زہرا کا گل اندام
وا حسرت و دردا! کہ وہ آغاز یہ انجام!
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
مظلوم نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک

۸۸ ریتی پہ عزیزوں کا مرقّع ہے تو ابتر
شہ کا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
فرزند نہ مسلم کے، نہ ہمشیر کے دلبر
قاسم ہیں، نہ عباس، نہ اکبر ہیں، نہ اصغر
سب نذر کو دربارِ پیمبرؐ میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہِ دیں گھر میں گئے ہیں

۸۹ منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت
پھر لے گئی ہے گھر میں سکینہ کی محبّت
سجّادؑ سے کچھ کہنے ہیں اسرارِ امامت
بانوئے دو عالم سے بھی ہے آخری رخصت
مطلوب یہ ہے، زیبِ بدن رختِ کہن ہو
تا بعدِ شہادت وہی ملبوسِ بدن ہو

۹۰ خیمے میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت
اک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا، پہ جانا تھا قیامت
تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانا تھا قیامت
واں بین، اِدھر صبر و شکیبائی کی باتیں
افسانۂ ماتم تھیں بہن بھائی کی باتیں

۹۱ حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر
اُمّت کے لیے والدہ صاحب نے سہے جبر
وہ کہتی تھی کیونکر نہ میں روؤں صفتِ ابر
تم پہنو کفن اور نہ بنے ہائے مری قبر
لٹتے ہوئے امّاں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھوں
ہے ہے تہ خنجر تمھیں کن آنکھوں سے دیکھوں

۹۲ اِس عمر میں تھوڑے غمِ جاں کاہ اٹھائے؟
اشک آنکھوں سے امّاں کے جنازے پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے
ٹکڑے دلِ شبّر کے لگن میں نظر آئے
حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی!
انساں ہوں، کلیجا مرا پتّھر نہیں بھائی!

۹۳ ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا
دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
اِن آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا
ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا
صدقے گئی، یوں رن کبھی پڑتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اجڑتے نہیں دیکھا

۹۴ ہے ہے تمھیں میں لے کے کہاں چھپ رہوں بھائی
لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی
کس دشتِ پُر آشوب میں قسمت مجھے لائی
یا رب! کہیں مر جائے ید اللہؑ کی جائی
زہراؑ کا پسر وقتِ جدائی مجھے روئے
سب کو تو میں رونی ہوں، یہ بھائی مجھے روئے

۹۵ زینب کی وہ زاری، وہ سکینہ کا بلکنا
وہ ننّھی سی چھاتی میں کلیجے کا دھڑکنا
وہ چاند سا منہ اور وہ بُندے کا چمکنا
حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا
حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

۹۶ وہ کہتی تھی، بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ
فرماتے تھے شہ، آؤ نہ، جانِ پدر، آؤ
ہم کڑھتے ہیں، لو آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ
خوشبو تو ذرا گیسوے مشکیں کی سنگھاؤ
کوثر پہ ہے[۳۲] تم بن نہیں آرام چچا کو
ہم جاتے ہیں، کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو؟

۹۷ بی بی! کہو، کیا حال ہے اب ماں کا تمھاری؟
کس گوشے میں بیٹھی ہیں، کہاں کرتی ہیں زاری؟
جب سے سوے جنّت گئی اکبر کی سواری
دیکھا نہ انھیں گھر میں، ہم آئے کئی باری
تھی سب کی محبّت انھیں بیٹے[۳۳] ہی کے دم تک؟
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک؟

۹۸
کس جا ہیں ؟ طلب ہم کو کریں ، یا وہی آئیں
ممکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم انہیں پائیں
کچھ ہم سے سنیں ، کچھ ہمیں حال اپنا سنائیں
اک دم کے مسافر ہیں ، ہمیں دیکھ تو جائیں
بعد اپنے یہ لوٹا ہوا گھر اور لُٹے گا
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چُھٹے گا

۹۹
غش میں جو سنی بانوے مضطر نے یہ تقریر
ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرتِ شبیر
سر ننگے اٹھی چھوڑ کے گہوارۂ بے شیر
چلائی ، مجھے ہوش نہ تھا ، یا شہِ دل گیر !
جاں تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہے آقا !
یہ خادمہ رخصت کے لیے آتی ہے آقا !

۱۰۰
یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہِ خوش اقبال
قدموں پہ گری دوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال
تھا قبلۂ عالم کا بھی اس وقت عجب حال
روتے تھے غضب ، آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال
فرماتے تھے جاں کاہ جدائی کا الم ہے
اٹھو تمھیں روحِ علی اکبر کی قسم ہے !

۱۰۱
وہ کہتی تھی کیونکر میں اٹھوں ، اے مرے سرتاج
والی ! انھی قدموں کی بدولت ہے مرا راج
سر پر جو نہ ہوگا پسرِ صاحبِ معراج
چادر کے لیے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج
چھوٹے جو قدم ، مرتبہ گھٹ جائے گا میرا
قربان گئی ، تخت الٹ جائے گا میرا

١٠٢

یاں آئی میں، جب خانۂ کسریٰ ہوا برباد
وہ پہلی اسیری کی اذیّت ہے مجھے یاد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری امداد
حضرت کے تصدّق میں ہوئی قید سے آزاد
لونڈی سے بہو ہو گئی زہرا[ع] و علی[ع] کی
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبی[ص] کی

١٠٣

چھبّیس برس تک نہ چُھٹا آپ کا پہلو
اب ہجر ہے تقدیر میں یا سیّدِ خوش خو
ہر شب رہے تکیہ سرِ اقدس کا جو بازو
ہے ہے اسے اب رسّی سے باندھیں گے جفا جُو
سر پر نہ ردا ہوگی تو مر جاؤں گی صاحب[٣٤]!
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب!

١٠٤

حضرت نے کہا: کس کا سدا ساتھ رہا ہے
ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے
دارِ محن اِس دار کو داور نے کہا ہے
ہر چشم سے خونِ جگر اِس غم میں بہا ہے
فرقت میں عجب حال تھا خالق کے ولی کا
ساتھ آٹھ برس تک رہا زہرا[ع] و علی[ع] کا

٥٠١

سو سو برس اک گھر میں محبّت سے رہے جو
اِس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا اُن کو
کچھ مرگ سے چارہ نہیں اے بانوئے خوش خو!
ہے شاق فلک پر کہ رہیں ایک جگہ دو
کس کس پہ زمانے نے جفا کی نہیں صاحب!
اچھوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب!

۱۰۶
لازم ہے خدا سے طلبِ خیر بشر کو
تھاسے گا تباہی میں وہی رانڈ کے گھر کو
آنا ہے تمھیں بھی وہیں، جاتے ہیں جدھر کو
وارث کی جدائی میں پٹکتے نہیں سر کو
کھولے گا وہ رسّی سے بندھے ہاتھ تمھارے
سجّاد سا بیٹا ہے جواں ساتھ تمھارے

۱۰۷
زینب کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار
ایسا کوئی اِس گھر میں نہیں بے کس و ناچار
تنہا ہیں کہ بے جاں ہوئے دو چاند سے دلدار
دنیا سے گیا اکبرِ ناشاد سا غم خوار
بیٹے بھی نہیں، گود کا پالا[35] بھی نہیں ہے
اُن کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

۱۰۸
یہ کہہ کے کچھ[36] ارشاد کیا گوشِ پسر میں
بیمار کے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
غش ہو گئی زینب، یہ اٹھا درد جگر میں
ٹھہرا نہ گیا[37] پھر شہِ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے، تنہا نکل آئے

۱۰۹
کچھ بڑھ کے پھرے جانبِ قبلہ شہِ بے پر
کج کی طرفِ دوشِ یمیں[38] گردنِ انور
تھرّاتے ہوئے ہاتھوں پہ عمّامے کو رکھ کر
کی حق سے مناجات کہ اے خالقِ اکبر!
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے

۱۱۰ یا رب ! یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بے کس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
سب ہیں ترے دریا کے گُہر تیرے حوالے
عالم ہے کہ غربت میں گرفتارِ بلا ہوں
میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

۱۱۱ میرے نہیں، بندے ہیں ترے اے مرے خالق !
بستی ہو کہ جنگل تُو ہی حافظ، تُو ہی رازق
باندھے ہیں کمر ظلم و تعدّی پہ منافق
نہ دوست ہے دنیا، نہ زمانہ ہے موافق
حرمت ہے ترے ہاتھ امامِ ازلی کی
دو بیٹیاں، دو بہویں ہیں اِس گھر میں علی کی

۱۱۲ میں یہ نہیں کہتا کہ اذیّت نہ اٹھائیں
یا اہلِ ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں
ناموس لٹیں، قید ہوں اور شام میں جائیں
مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں
بیڑی میں قدم، طوق میں عابد کا گلا ہو
جس میں ترے محبوب کی اُمّت کا بھلا ہو

۱۱۳ یہ کہہ کے، گریبانِ مبارک کو کیا چاک
اور ڈال لی پیراہنِ پُر نور میں کچھ خاک
میّت ہوئے شبّیر، کفن بن گئی پوشاک
بس فاتحۂ خیر پڑھا با دلِ غم ناک
مڑ کر نہ کسی دوست، نہ غم خوار کو دیکھا
پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

۱۱۴ گردان کے دامن علی اکبر کو پکارے
تھامو مرے گھوڑے کی رکاب ، اے مرے پیارے!
لختِ دلِ شبّر ! کدھر اس وقت سدھارے
بھائی ہیں کہاں ، ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے
آتے نہیں ، مسلم کے جگر بند کہاں ہیں ؟
دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں ؟

۱۱۵ تنہائی میں اک ایک کو حضرت نے پکارا
کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا
گھوڑے پہ چڑھا خود اسد اللہ کا پیارا
اونچا ہوا افلاکِ امامت کا ستارا
شوخی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر
غل تھا کہ چلا قطبِ زماں عرشِ بریں پر

۱۱۶ شبدیز نے چھل بل میں عجب ناز دکھایا
ہر گام پہ طاؤس کا انداز دکھایا
زیور نے عجب حسنِ خدا ساز[۳۹] دکھایا
فتراک نے اوجِ پرِ پرواز دکھایا
تھا خاک پہ اک پاؤں تو اک چرخِ بریں پر
غل تھا کہ پھر اترا ہے بُراق آج زمیں پر

۱۱۷ [بجلی[۴۰] کو نہ تھا اس کی جلو لینے کا یارا
رہوار کو دُلدل کا چلن یاد تھا سارا
اڑنے میں نہ آہو کبھی جیتا ، نہ چکارا
شہباز بھی بازی اِسی جاں باز سے ہارا
طاؤس کا کیا ذکر ، پری سے بھی حسیں تھا
سایہ تھا کہیں ، دھوپ کہیں ، آپ کہیں تھا

۱۱۸ جاں باز نے طے کی عجب انداز سے وہ راہ
لے آئی سلیماں کو پری تا صفِ جنگاہ
وہ رعب ، وہ شوکت ، وہ نہیب شہِ ذی جاہ
دُلدل کو اڑاتے ہوئے آئے اسد اللہ
غل تھا یہ محمدؐ ہیں ، کہ خالق کے ولی ہیں
اقبال پکارا ، کہ حسینؑ ابن علیؑ ہیں !

۱۱۹ نصرت نے صدا دی ، کہ مددگار جہاں ہیں
صوات نے کہا ، تاجِ سرِ کون و مکاں ہیں
گویا ہوئی ہمّت کہ محمدؐ کی یہ جاں ہیں
غربت نے کہا ، فاقہ کش و تشنہ دہاں ہیں
سطوت یہ پکاری ، بہ خدا شیر یہی ہیں
بولی ظفر ، اللہ کی شمشیر یہی ہیں

۱۲۰ تنہا تھے ، پہ اللہ ری جلالت شہِ دیں کی
تھرّائے تھے سب ، دیکھ کے صولت شہِ دیں کی
غل تھا کہ یہ آخر ہے زیارت شہِ دیں کی
گردوں سے ملک تکتے تھے صورت شہِ دیں کی
خود حسن یہ کہتا تھا کہ شمعِ سحری ہوں
شبیر کا کیا کوچ ہے ، میں خود سفری ہوں]

۱۲۱ اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر
حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر
دیکھو ، نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر
میں یوسفِ کنعانِ رسالت کی ہوں تصویر
واللہ تعلّیٰ نہیں ، یہ کلمۂ حق ہے
عالم کے مرقّع میں حسینؑ ایک ورق ہے

۱۲۲ واللہ جہاں میں مرا ہم سر نہیں کوئی
محتاج ہوں پر مجھ سا تونگر نہیں کوئی
ہاں، میرے سوا شافعِ محشر نہیں کوئی
یوں سب ہیں مگر سبطِ پیمبر نہیں کوئی
باطل ہے اگر دعوئ اعجاز کرے گا
کس بات پہ دنیا میں کوئی ناز کرے گا

۱۲۳ ہم وہ ہیں کہ اللہ نے کوثر ہمیں بخشا
سرداریِ فردوس کا افسر[۳۱] ہمیں بخشا
اقبالِ علی[۴]، خلقِ پیمبر[ؐ] ہمیں بخشا
قدرت ہمیں دی، زور ہمیں، زر ہمیں بخشا
ہم نور ہیں، گھر طورِ تجلّا ہے ہمارا
تختِ بنِ داؤد مصلّا ہے ہمارا

۱۲۴ نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج
قوسین مکاں، ختمِ رسل، صاحبِ معراج
ماں ایسی کہ سب جس کی شفاعت کے ہیں محتاج
باپ ایسا، صنم خانوں کو جس نے کیا تاراج
لڑنے کو اگر حیدرِ صفدر نہ نکلتے
بت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

۱۲۵ کس جنگ میں سینے کو سپر کرکے نہ آئے
کس مرحلۂ صعب کو سر کرکے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کرکے نہ آئے
تھی کون سی شب، جس کو سحر کرکے نہ آئے
تھا کون جو ایماں تہِ صمصام نہ لایا
اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

۱۲۶ اصنام بھی کچھ کم تھے ، نہ کفّار تھے تھوڑے
طاقت تھی ، کہ عزّیٰ[۴۲] کو کوئی لات سے توڑے؟
بد کیشوں نے سجدے بھی کیے ، ہاتھ بھی جوڑے
بے توڑے وہ بت حیدرِ صفدر نے نہ چھوڑے
کعبے کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے
نکلے اسد اللہ اذاں دے کے حرم سے

۱۲۷ اس عہد میں مالک اسی تلوار کے ہم ہیں
جرّار پسر ، حیدرِ کرّار کے ہم ہیں
فرزند ، محمدؐ سے جہاں دار کے ہم ہیں
وارث ، شہ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں
کچھ غیرِ کفن ساتھ نہیں لے کے گئے ہیں
تابوتِ سکینہ بھی ہمیں دے کے گئے ہیں

۱۲۸ یہ فرق پہ عمامۂ سردارِ زمن ہے
یہ تیغِ علیؑ ہے یہ کمر بندِ حسن ہے
یہ جوشنِ داؤد ہے جو حافظِ تن ہے
یہ پیرہنِ یوسفِ کنعانِ محن ہے
دکھلائیں سند ، دستِ رسولِؐ عربی کی
یہ مُہرِ سلیماں ہے ، یہ خاتم ہے نبی کی

۱۲۹ دیکھو تو ، یہ ہے کون سے جرّار کی تلوار
کس شیر کے قبضے میں ہے کرّار کی تلوار
دریا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار
بجلی کی تو بجلی ہے یہ تلوار کی تلوار
قہر و غضب اللہ کا ہے ، کاٹ نہیں ہے
کہتے ہیں اسے موت کا گھر ، گھاٹ نہیں ہے

۱۳۰ دم لے کہیں رک کر ، وہ روانی نہیں اس میں
چلنے میں سبک تر ہے ، گرانی نہیں اس میں
جز حرفِ ظفر اور نشانی نہیں اس میں
جل جاؤ گے سب ، آگ ہے ، پانی نہیں اس میں
چھوڑے گی نہ زندہ اسے جو دشمنِ دیں ہے
نابیں[۴۳] نہیں ، غصّے سے اجل چیں بہ جبیں ہے

۱۳۱ سب قطرے ہیں ، گر فیض کے دریا ہیں تو ہم ہیں
ہر نقطۂ قرآں کے شناسا ہیں تو ہم ہیں
حق جس کا ہے جامع وہ ذخیرہ ہیں تو ہم ہیں
افضل ہیں تو ہم ، عالم و دانا ہیں تو ہم ہیں
تعلیمِ ملک عرش پہ تھا وِرد ہمارا
جبریل سا استاد ہے شاگرد ہے ہمارا

۱۳۲ گر فیضِ ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا
بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے میں بہ جز خاک نہ ہوتا
ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شور اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ تھے جب تو یہ اسلام کہاں تھا

۱۳۳ محسن سے بدی ، ہے یہی احساں کا عوض ، واہ !
دشمن کے ہواخواہ ہوے ، دوست کے بدخواہ
گم راہ کے بہکانے سے روکو نہ مری راہ
لو ، اب بھی مسافر کو نکل جانے دو للہ
مل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا ، تم قہرِ خدا سے

۱۳۴ بستی میں کہیں مسکن و ماوا[۳۴] نہ کروں گا
یثرب میں بھی جانے کا ارادا نہ کروں گا
صابر ہوں ، کسی کا کبھی شکوا نہ کروں گا
اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلا نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں
جو پوچھے گا کہہ دوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

۱۳۵ اعدا نے کہا ، قہرِ خدا سے نہیں ڈرتے
ناری تو ہیں ، دوزخ کی جفا سے نہیں ڈرتے
فریادِ رسول ؐ دوسرا سے نہیں ڈرتے
خاتونِ قیامت کی بُکا سے نہیں ڈرتے
ہم لوگ ، جدھر دولتِ دنیا ہے ، اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں ، بندۂ زر ہیں

۱۳۶ حضرت نے کہا ، خیر خبردار صفوں سے !
آیا غضب اللہ کا ، ہشیار صفوں سے !
بجلی سا گزر جاؤں گا ہر بار صفوں سے
کب پنجتنی رکتے ہیں دو چار صفوں سے
غربت[۳۵] کا چلن دیکھ چکے ، حرب کو دیکھو !
لو ، بندۂ زر ہو تو مری ضرب[۳۶] کو دیکھو !

۱۳۷ یاں گوشۂ عزلت ، خمِ شمشیر نے چھوڑا
واں[۳۷] سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت[۳۸] کی تصویر نے چھوڑا
ساحل کو صفِ لشکرِ بے پیر نے چھوڑا
عنقائے ظفر ، فتح کا در کھول کے نکلا
شہبازِ اجل صید کو پر تول کے نکلا

۱۳۸
جلوہ کیا بدلی سے نکل کر مہِ نو نے
دکھلائے ہوا میں دو سر اک شمع کی لو نے
تڑپا دیا بجلی کو فرس کی تگ و دو نے
تاکا سپرِ مہر کو شمشیر کی ضو نے
اعدا تو چھپانے لگے ڈھالوں میں سروں کو
جبریل نے اونچا کیا گھبرا کے پروں کو

۱۳۹
بالا سے جو آئی وہ بلا جانبِ پستی
بس نیست ہوئی دم میں ستم گاروں کی ہستی
چلنے لگی یک دست جو شمشیرِ دو دستی
معلوم ہوا لٹ گئی سب کفر کی بستی
زور ان کے ہر اک ضرب میں اللہ نے توڑے
ٹوٹیں جو صفیں، بت اسداللہ نے توڑے

۱۴۰
بجلی سی گری جو صفِ کفّار سے نکلی
آوازِ 'بزن'، تیغ کی جھنکار سے نکلی
گہہ ڈھال میں ڈوبی، کبھی تلوار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی
تھے بند خطا کاروں پہ در امن و اماں کے
چلّے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

۱۴۱
افلاک پہ چمکی کبھی، سر پر کبھی آئی
کوندی کبھی جوشن پہ، سپر پر کبھی آئی
گہہ پھر گئی سینے پہ، جگر پر کبھی آئی
تڑپی کبھی پہلو پہ، کمر پر کبھی آئی
طے کر کے پھری کون سا قصہ تھا فرس کا
باقی تھا جو کچھ کاٹ وہ حصہ تھا فرس کا

۱۴۲ بے پاؤں جدھر ہاتھ سے چلتی ہوئی آئی
ندّی آدھر اک خوں کی آبلتی ہوئی آئی
دم بھر میں وہ سو رنگ بدلتی ہوئی آئی
پی پی کے لہو، لعل آگلتی ہوئی آئی
ہیرا تھا بدن، رنگ زمرّد سے ہرا تھا
جوہر نہ کہو، پیٹ جواہر سے بھرا تھا

۱۴۳ زیبا تھا دمِ جنگ پری وش اسے کہنا
معشوق بنی سرخ لباس اس نے جو پہنا
اس اوج پہ وہ سر کو جھکائے ہوئے رہنا
جوہر تھے کہ پہنے تھی دلھن پھولوں کا گہنا
سیبِ چمنِ خلد کی بوباس تھی پھل میں
رہتی تھی وہ شبّیر سے دولھا کی بغل میں

۱۴۴ سر پٹکے تو موج اس کی روانی کو نہ پہنچے
قلزم کا بھی دھارا ہو تو پانی کو نہ پہنچے
بجلی کی تڑپ شعلہ فشانی کو نہ پہنچے
خنجر کی زباں تیز زبانی کو نہ پہنچے
دوزخ کے زُبانوں[۴۹] سے بھی آنچ اس کی بری تھی
برچھی تھی، کٹاری تھی، سروہی تھی، چھری تھی

۱۴۵ موجود بھی ہر غول میں[۵۰] اور سب سے جدا بھی
دم خم بھی، لگاوٹ بھی، صفائی بھی، ادا بھی
اک گھاٹ پہ تھی آگ بھی، پانی بھی، ہوا بھی
امرت بھی، ہلاہل بھی، مسیحا بھی، قضا بھی
کیا صاحب جوہر تھی، عجب ظرف تھا اس کا
موقع تھا جہاں جس کا وہیں صرف تھا اس کا

۱۴۶
ہر ڈھال کے پھولوں کو اُڑاتا تھا پھل اس کا
تھا لشکرِ باغی میں ازل سے عمل اس کا
ڈر جاتی تھی منہ دیکھ کے ہر دم اجل اس کا
تھا قلعۂ چار آئینہ گویا محل اس کا
اس در سے گئی ، کھول کے وہ در نکل آئی
گھہ صدر میں بیٹھی ، کبھی باہر نکل آئی

۱۴۷
[۵۱]تیروں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے
جا پہنچی کماں داروں پہ بھالوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں کے رسالوں کی طرف سے
منہ تیغوں کی جانب کیا ڈھالوں کی طرف سے
بس ہو گیا دفتر نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا ، دیکھ لیا جائزہ[۵۲] سب کا

۱۴۸
پہنچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا
ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو ، شرارت کو ، لڑائی کو نہ چھوڑا
تیزی کو ، رُکھائی کو ، صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

۱۴۹
چار آئنے والوں کو نہ تھا جنگ کا یارا
چو رنگ تھے سینے تو کلیجہ تھا دو پارا
کہتے تھے زرہ پوش ، نہیں جنگ کا یارا
بچ جائیں تو جانیں کہ ملی جان دوبارا
جوشن کو سنا تھا کہ حفاظت کا محل ہے
اس کی نہ خبر تھی کہ یہی دامِ اجل ہے

۱۵۰ بدکیش ، لڑائی کا چلن بھول گئے تھے
ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری[۵۳] عہد شکن بھول گئے تھے
بے ہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
چلّاتے تھے ، قبضے میں کماں ہے کہ نہیں ہے

۱۵۱ ڈر ڈر کے قدِ راست سنانوں نے جھکائے
دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم رن میں جوانوں نے جھکائے
سر ، خاک پہ گر گر کے نشانوں نے جھکائے
غل تھا کہ پناہ اب ہمیں یا شاہِ زماں دو
پھیلائے تھے دامن کو پھرپرے کہ اماں دو

۱۵۲ شہ کہتے تھے ، ہے باڑھ پہ دریا ، نہ رکے گا
اس موج پہ آفت کا طمانچا نہ رکے گا
بے فتح و ظفر دلبرِ زہرا نہ رکے گا
تا غرق نہ فرعون ہو ، موسیٰ[۴] نہ رکے گا
ہے بحر[۵۴] غضب ، نام بھی قہرِ صمد اس کا
رکنے کا نہیں شام تلک جزر و مد اس کا

۱۵۳ اس صف سے گئے ، بیچ سے اس غول کے نکلے
جو فوج چڑھی منہ پہ اسے رول کے نکلے
انبوہ سے یوں تیغِ دو سر تول کے نکلے
گویا درِ خیبر کو علی[۴] کھول کے نکلے
اک[۵۵] زلزلہ تھا ، نہ فلک و ہفت طبق کو
ہر بار الٹ دیتے تھے لشکر کے ورق کو

۱۵۴
لڑتے تھے ، مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ
شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطرِ امّت تھی زیادہ
بیٹوں سے غلاموں کی محبّت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

۱۵۵
فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر
کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو ، روکو ہمیں آ کر
دعوت یونہی کرتے ہیں مسافر کو بلا کر ؟
ہم چاہیں تو پانی بھی پییں نہر میں جا کر
پر صبر کے دریا میں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب زہر یہ پانی ہے کہ عباس نہیں ہے

۱۵۶
بھولی نہیں اکبر کی ہمیں تشنہ دہانی
وہ چاند سا رخ ، وہ قد و قامت ، وہ جوانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ ، وہ اعجاز بیانی
دکھلا کے زباں مانگتے تھے نزع میں پانی
کس سے کہیں جو خونِ جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی ، کہیں باپ جیا ہے ؟

۱۵۷
یہ کہہ کے سکینہ کے بہشتی کو پکارے
الفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمہارے
لڑتے ہوئے آ پہنچے ہیں دریا کے کنارے
عباس ! غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملادو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلادو

۱۵۸ لیٹے ہوئے ہو ریت میں کیوں منہ کو چھپائے
اٹھو کہ سکینہ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو ، برادر تمھیں کس طرح جگائے
ہے عصر کا وقت ، اے اسداللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے جو عَلم لے کے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے ؟

۱۵۹ کہہ کر یہ سخن رونے لگا بھائی کو بھائی
تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس فوج نے رن چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی
دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر
سب ٹوٹ پڑے ایک حسین ابنِ علی پر

۱۶۰ کی شہ نے جو سینے پہ نظر پونچھ کے آنسو
سب چھاتی سے تھے پہلوؤں تک تیرِ سہ پہلو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو
سالم نہ کلائی تھی ، نہ شانہ تھا ، نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہِ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سیّد کے لہو سے

۱۶۱ جھک جاتے تھے ہرنے پہ جو غش میں شہِ ابرار
منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبّیرِ دل افگار
اب خاتمۂ جنگ ہے ، اے اسپِ وفادار
اتریں گے بس اب تجھ سے ، چھُٹا ساتھ ہمارا
نہ پاؤں ترے چلتے ہیں ، نہ ہاتھ ہمارا

۱۶۲ زخمی ہے ، نہیں اب تری تکلیف گوارا
گرتے ہیں ، سنبھلنے کا ہمیں بھی نہیں یارا
کیا بات تری ، خوب دیا ساتھ ہمارا
آ پہنچا ہے منزل پہ یداللہ کا پیارا
تو جس میں پلا ہے وہ گھر اک دم میں لٹے گا
بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا

۱۶۳ گھیرے ہیں عدو ، خیمے تلک جا نہیں سکتے
کھوئی ہے جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
مشکل ہے سنبھلنا ، تجھے دوڑا نہیں سکتے
پہلو ترے مجروح ہیں ، ٹھکرا[٥٦] نہیں سکتے
حیواں کو بھی دکھ ہوتا ہے زخموں کے تعب کا
میں درد رسیدہ ہوں ، مجھے درد ہے سب کا

۱۶۴ کس طرح دکھاؤں کہ ترے زخم ہیں کاری
میں نے تو کسی دن تجھے قمچی نہیں ماری
گھوڑے نے سنیں درد کی باتیں جو یہ ساری
دو ندیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری
حیواں کو بھی رقّت ہوئی اس لطف و کرم پر
منہ رکھ دیا مڑ کر شہ والا کے قدم پر

۱۶۵ گردن کو ہلایا کہ مسیحا ! نہ اتریے
دم ہے ابھی مجھ میں ، مرے آقا ! نہ اتریے
تلواریں لیے گرد ہیں اعدا ، نہ اتریے
سب فوج چڑھی آتی ہے مولا ! نہ اتریے
اے وائے ستم ، صدر نشیں خاک نشیں ہو
حسرت ہے کہ مر جاؤں تو خالی مری زیں ہو

۱۶۶ شہ نے کہا ، تا چند مسافر سے محبّت
وہ تو نے کیا ، ہوتا ہے جو حقّ ِ رفاقت
بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون ہے[57] صورت
نہ ہاتھ میں ، نہ پاؤں میں ، نہ قلب میں طاقت
بہتر ہے کہ اتروں ، نہیں تیورا کے گروں گا
پھٹ جائیں گے سب زخم، جو غش کھا کے گروں گا

۱۶۷ ہے عصر کا ہنگام ، مناسب ہے اترنا
اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلۂ صعب ہے دنیا سے گزرنا
سجدے میں کٹے سر ، کہ سعادت ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرفہ تن و سر کا
ذی حق ہیں[58] ہمیں اس کے کہ ورثہ ہے پدر کا

۱۶۸ اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
خاتم سے نگیں گر گیا ، زیں ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاور تھے ، نہ مولا کے موالی[59]
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہِ عالی
کپڑے تنِ پر نور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے

۱۶۹ منہ یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
جا ڈیوڑھی پہ اے صاحبِ معراج کے رہوار!
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستم گار
زینب سے یہ کہنا کہ سکینہ سے خبردار
رہنا وہیں جب تک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو جدھر حکمِ خدا ہو

۱۷۰
یہ کہہ کے جو سرکا اسد اللہ کا جایا
اک تیر جبیں پر بن اشعث[۶۰] نے لگایا
فریاد نے زہرا کی دو عالم کو ہلایا
پیکانِ سہ پہلو عقبِ سر نکل آیا
تڑپے نہ ، زہے صبر امامِ دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا

۱۷۱
حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر
جو سر پہ لگی تیغِ بنِ مالکِ بے پیر
ابرو تک اتر کر جو اٹھی ظلم کی شمشیر
سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبّیر
چلّائے ملک دیکھ کے خوں سبطِ نبی کا
تھا حال یہی مسجدِ کوفہ میں علی[۴] کا

۱۷۲
بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہ بے پر
جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکرِ خدا میں کہ لگا تیر دہن پر
یاقوت بنے ڈوب کے خوں میں لبِ اطہر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدانِ[۶۱] مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہرِ دندانِ مبارک

۱۷۳
نیزے کا بنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار
کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
ناوک ، بنِ کاھل کا کلیجے کے ہوا پار
بازو میں در آیا تبرِ خولیِ خوں‌خوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رک گیا ، نیزہ جو لگا ابنِ انس کا

۱۷۴
تھرّا کے جھکے سجدۂ حق میں شہِ ابرار
شورِ دُہلِ فتح ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا پسرِ سعدِ جفا کار
اے خولی و شیث و بنِ ذی الجوشنِ جرّار!
آخر ہے بس اب کام امامِ ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسین[ع] ابنِ علی[ع] کا

۱۷۵
لکھتا ہے یہ راوی کہ بپا ہو گیا محشر
بارہ ستم ایجاد بڑھے کھینچ کے خنجر
اک سیّدہ نکلی درِ خیمہ سے کھلے سر
برقع تھا، نہ مقنع تھا، نہ موزے تھے، نہ چادر
چلّائے لعیں خوف سے ہاتھ آنکھوں پہ دھر کے
لو، فاطمہ[ع] آتی ہے بچانے کو پسر کے

۱۷۶
ہلتا تھا فلک، ہاتھوں سے جب پیٹتی تھی سر
بجلی کی طرح کوندتے تھے کانوں کے گوہر
فرماتی تھیں، فضّہ جو اڑھا دیتی تھی معجر[۶۲]
فریادی ہوں، فریادی کو زیبا نہیں چادر
سر ننگے یونہی جاؤں گی روضے پہ نبی کے
پردہ تو گیا ساتھ حسین ابنِ علی کے

۱۷۷
آس بھیڑ میں آکر وہ ضعیفہ یہ پکاری
اے سبطِ نبی، ابنِ علی، عاشقِ باری!
گھوڑا تو ہے کوتل[۶۳]، کدھر اتری ہے سواری
بھیا! بہن آئی ہے زیارت کو تمھاری
مر جاؤں گی حضرت کو جو پانے کی نہیں میں
بے آپ کے دیکھے ہوئے جانے کی نہیں میں

۱۷۸ اُس وقت شہِ دیں نے سنی زاریِ خواہر
جس وقت کہ تھا حلقِ مبارک تہِ خنجر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمرِ ستم گر
زینب نکل آئی ہے ، ٹھہر جا ابھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دارِ محن سے
دو باتیں تو کر لینے دو بھائی کو بہن سے

۱۷۹ منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے
دی شہ نے یہ زینب کو صدا اشک بہا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے
دیکھو گی کسے ، ہم تو ہیں پنجے میں قضا کے
اٹھ سکتے نہیں ، جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
گھبراؤ نہ ، امّاں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

۱۸۰ [۶۴ جاؤ صفِ ماتم پہ کرو گریہ و زاری
گھر سے نکل آئے نہ سکینہ مری پیاری
فردوس سے آ پہنچی ہے نانا کی سواری
بس اب نہ سنو گی بہن ! آواز ہماری
رونا ہے تو رو لیجو مرے لاشے پہ آ کے
ہٹ جاؤ ، کہ سر کٹتا ہے سجدے میں خدا کے]

۱۸۱ دوڑی یہ صدا سن کے ید اللہ کی جائی
چلّائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
پر ہائے ! بہن بھائی تلک آنے نہ پائی
یاں ہو گئی سیّد کے تن و سر میں جدائی
قاتل کو ، نہ گردن کو ، نہ شمشیر کو دیکھا
پہنچیں تو سناں پر سرِ شبّیر کو دیکھا

۱۸۲ سر دیکھ کے بھائی کا وہ بے کس یہ پکاری
دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے واری
خنجر سے یہ گردن کی رگیں کٹ گئیں ساری
تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری
آفت میں پھنسی آل رسولِ عربیؐ کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

۱۸۳ ہے ہے ، پسرِ صاحبِ معراج ، حسینا !
پردیس میں بیووں کا لٹا راج ، حسینا !
گویا کہ علیؑ قتل ہوے آج ، حسینا !
ہے ہے ، کفن و گور کے محتاج ، حسینا !
پرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں کوئی
لاشا بھی زمیں پر سے اٹھاتا نہیں کوئی

۱۸۴ قربان بہن ، اے مرے سرور ! مرے سیّد
مذبوحِ قضا ، کشتۂ خنجر ، مرے سیّد
اے فاقہ کش و بے کس و بے پر مرے سیّد
پنجے میں ہے قاتل کے ترا سر ، مرے سیّد
دیتے ہو صدا کچھ ، نہ بلاتے ہو بہن کو
کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو

۱۸۵ بھیّا ! مرا کوئی نہیں ، تم خوب ہو آگاہ
احمدؐ ہیں ، نہ زہراؑ ، نہ حسنؑ ہیں ، نہ یداللہؑ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی اے سیّد ذی جاہ
چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا ، آہ !
چلتے ہوے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
بھینا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی

۱۸۶ اے میرے شہید ! اے مرے ماں جائے برادر
کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر
کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا، ہائے برادر
انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا

۱۸۷ خاموش انیس اب کہ ہے دل سینے میں بے چین
لکّھے نہیں جاتے ہیں جو زینب نے کیے بَین
اب حق سے دعا مانگ کہ اے خالقِ کونین
حاسد ہیں بہت، دل کو عطا کر مرے تُو چین
ناحق ہے عداوت انھیں اِس ہیچ مداں سے
بے تیغ کٹے جاتے ہیں شمشیرِ زباں سے

۲

فرزندِ پیمبر کا مدینے سے سفر ہے

۱۱۴ بند ، بحر ہزج

(مدینے سے اہلِ بیت کی روانگی اور کربلا پہنچنا)

مراجع

* مرثیۂ انیس ، تصدق حسین ، جلد اول ، نول کشور پریس لکھنؤ ، ۱۸۷۶ء و ۱۹۱۵ء -
* مراثیِ انیس ، علی حیدر نظم طباطبائی ، جلد اول ، نظامی پریس ، بدایوں ، طبع ۱۹۲۲ء -
* مرثیۂ انیس ، جلد اول ، مطبع تیج کمار ، لکھنؤ ، ۱۹۵۸ء -
* مراثیِ انیس ، نائب حسین نقوی ، غلام علی اینڈ سنز لاہور ، ۱۹۵۹ء و ۱۹۶۷ء -

---

تبصرہ

زیرِ نظر مرثیہ میر صاحب کا ایک عجیب فنی پہلو پیش کرتا ہے۔ ایک سو چودہ بند یا تین سو بیالیس شعر ہیں۔ مرثیے میں چہرہ، سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، تلوار، گھوڑا، شہادت، بَین کچھ بھی نہیں۔ صرف روداد ہے اور سفر، مدینہ سے مکہ، مکہ سے کربلا۔ اس مرثیے کی روح "حرکت" ہے۔

افراد میں حرکت، اندرونِ خانہ، بیرونِ خانہ، منزل پر اور راہ میں حرکت کو دوام، اس زندگی کے لیے میر انیس نے روایت کا انداز اختیار نہیں کیا۔ شاعر کی زبان سے پورا واقعہ بیان کرنے کے بجائے مکالمے کو ابلاغ و اظہار کا ذریعہ بنایا ہے۔ پورا مرثیہ گفتگو اور بات چیت سے شروع ہو کر باتوں باتوں میں ختم ہوجاتا ہے۔ یہ بات چیت باقاعدہ دو کرداروں سے سوال و جواب نہیں جس سے قاری یا سامع گھبرا جائے، بلکہ سوال و جواب کے لیے مسلسل ماحول اور منظر بنتا جاتا ہے، گفتگو ہوتی رہتی ہے، قصہ بڑھتا رہتا ہے اور سفر جاری رہتا ہے۔ حرکت اور گفتگو سے مجموعی طور پر ایک خوش گوار فضا بنتی ہے جو انتہائی حیرت آفریں ہے۔

مرثیے کا مجموعی اثر از اول تا آخر یکساں ہے۔ عدمِ توازن اور ناہمواری نہ پلاٹ میں ہے، نہ واقعے میں، نہ زبان میں، نہ بیان میں۔ یکساں اظہار و ابلاغ، ایک طرح کا تدریجی ارتقا اور انتہائی مناسب اختتام۔

ڈرامائی ٹیکنیک سے مختلف انداز کا منفرد محاکاتی تمثیلچہ ، جس میں بہت سے افراد سامنے آتے ہیں ، بات کرتے ہیں اور اپنا نقش چھوڑ جاتے ہیں اور یہ نقش و اثر آخر تک باقی رہتا ہے ۔

سفر کی تیاری ، رخصت کا بیان ، عورتوں کا ناقوں پر بٹھانے کا طریقہ ، پردے کا اہتمام ، قافلے کا گھر سے چلنا ، مسافروں کا شہر سے نکلنا اور اہل شہر کے مختلف طبقات کا الوداع کہنا خالص شاہی آداب و رسوم کا آئینہ دار ہے ۔ میں نے واجد علی شاہ کے لکھنؤ سے کلکتے جانے کا جو حال بزرگوں کی زبانی سنا تھا اور بعض تقریبات میں عورتوں کے پردے کا جو اہتمام دیکھا ہے ، مرثیے میں اس مشاہدہ و روایت کو مجسّم محسوس کرتا ہوں ۔ تہذیبی روایت کا یہ خاکہ ہر قاری کے لیے دل کش ہے لیکن تاریخ و ثقافت کا طالب علم خاص طور پر اس سے مستفید ہوگا ۔

مرثیے کی ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ میر صاحب نے فنکارانہ طور پر اس نظم میں نسوانی نفسیات کی ترجمانی کی ہے ۔ یہ مرثیہ اعلیٰ ادب کے ماہرین کو جو تاثر دیتا ہے عام خواتین شاید اس سے بھی زیادہ اثر لے سکتی ہیں ۔ مرثیے کی پوری فضا نسوانی احساسات و واردات سے بھری ہوئی ہے ۔ با ادب بحث ، پُر محبت جواب ، انتہائی ادب و احترام کے ساتھ طنز ۔ باپ بیٹی ، بہن بھائی ، خاندان اور پڑوس کی عورتوں کے تاثرات در حقیقت خواتین کے لیے مردوں سے زیادہ اثر انگیز ہیں ۔

انیس عموماً سادگیٔ زبان کے پابند ہیں ، اس مرثیے میں سادگیٔ زبان ، روانی اور بے ساختگی نے "سہل الممتنع" کے انتہائی کامل مثالیہ کا روپ حاصل کیا ہے ۔

پورا مرثیہ "المیہ" ہے ۔ اس کا کوئی حصہ طرب انگیز اور

کوئی منظر نشاط و مسرت کا لمحہ مہیا نہیں کرتا ۔ اداسی ، حسرت ، غم اور تنہائی و بےکسی ہے کہ دل کو مسلتی ، غم کو ابھارتی اور احساسِ الم کو تیز کرتی ہے ۔

مشہور مراثی کے برعکس اس مرثیے کا رنگ و آہنگ کچھ اور ہے ۔ یہ رنگ و آہنگ انیس کے فن کا نیا روپ اور اس روپ کا نیا نکھار سامنے لاتا ہے ۔

ڈاکٹر اکبر حیدری نے لکھا ہے :

''اس مرثیے میں رزمیہ شاعری کے تمام اصول کارفرما ہیں ۔ اس میں مرثیے کے واقعے کی ابتدا ، درمیانی حصہ ، انجام ، تینوں حصے پائے جاتے ہیں ۔ اس مرثیے میں ان واقعات سے سروکار رکھا گیا ہے جن کی تاریخی حیثیت مسلّم ہے جن کو انھوں نے امام حسین کے[ع] حالِ سفر میں نظم کیا ہے ۔ اس میں واقعے کا آغاز و انجام ایک ہی نظر میں سمجھ میں آ سکتا ہے ۔ اس کا پلاٹ مکمل ہے ۔'' (میر انیس بحیثیت رزمیہ شاعر ، ص ۲۸۶) ۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱ فرزند پیمبرؐ کا مدینے سے سفر ہے
سادات کی بستی کے اُجڑنے کی خبر ہے
در پیش ہے وہ غم کہ جہاں زیر و زبر ہے
گل چاک گریباں ہے ، صبا خاک بہ سر ہے
گل رُو صفت غنچہ ، کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

۲ آراستہ ہیں بہرِ سفر ، سروِ قبا پوش
عمامے سروں پر ہیں ، عبائیں بہ سرِ دوش
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش
حیراں کوئی تصویر کی صُورت ، کوئی خاموش
منہ ملتا ہے روکر کوئی سرور کے قدم پر
گر پڑتا ہے کوئی علی اکبر کے قدم پر

۳ عباس کا منہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی ، آہ !
اب آنکھوں سے چھپ جائے گی تصویرِ یداللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسم کے ہوا خواہ
واللہ دلوں پر ہے عجب صدمۂ جاں کاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس ، یہ خُلقِ حسنی کون کرے گا

۴ روتے ہیں وہ جو عون و محمد کے ہیں ہم سِن
کہتے ہیں کہ مکتب میں نہ جی بہلے گا تم بن
اس داغ سے چین آئے ہمیں، یہ نہیں ممکن
گرمی کا مہینہ ہے، سفر کے یہ نہیں دن
تم حضرتِ شبّیر[۴] کے سایے میں پلے ہو
کیوں دھوپ کی تکلیف اٹھانے کو چلے ہو

۵ ہم جولیوں سے کہتے تھے وہ دونوں برادر
ہاں بھائیو! تم بھی ہمیں یاد آؤ گے اکثر
پالا ہے ہمیں شاہ نے، ہم جائیں نہ کیوں کر
ماسوں رہیں جنگل میں تو اپنا ہے وہی گھر
وہ دن ہو کہ ہم حقِّ غلامی سے ادا ہوں
تم بھی یہ دعا مانگو کہ ہم شہ پہ فدا ہوں

۶ رخصت کے لیے لوگ چلے آتے ہیں باہم
ہر قلب حزیں ہے، تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں گھر کوئی کہ جس میں نہیں ماتم
غل ہے کہ چلا دل برِ مخدومۂ عالم[۲]
خدّام کھڑے پیٹتے ہیں قبرِ نبی ؐ کے
روضے پہ اداسی ہے رسولِ عربی ؐ کے

۷ ہے جب سے کھلا حالِ سفر، بند ہے بازار
یہ جنسِ غم ارزاں ہے کہ روتے ہیں دکان دار
خاک اُڑتی ہے، ویرانئ یثرب کے ہیں آثار
ہر کُوچے میں ہے شُور، کہ ہے ہے شہِ اَبرار
اب یاں کوئی والی نہ رہا، آہ ہمارا
جاتا ہے مدینے سے شہنشاہ ہمارا

٨ تدبیرِ سفر میں ہیں اِدھر سبط پیمبرؐ
گھر میں کبھی آتے ہیں، کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عبّاس دلاور
تقسیمِ سواری کے تردّد[3] میں ہیں اکبر
شہ کو جنھیں لے جانا ہے، وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل، چلے آتے ہیں گھوڑے

٩ حاضر درِ دولت پہ ہیں سب یاور و انصار
کوئی تو کمر باندھتا ہے، اور کوئی ہتھیار
ہودج بھی کَسے جاتے ہیں، محمل بھی ہیں تیّار
چلّاتے ہیں درباں "کوئی آئے نہ خبردار"
ہر محمل و ہودج پہ گھٹاٹوپ[4] پڑے ہیں
پردے کی قناتیں لیے فرّاش کھڑے ہیں

١٠ عوراتِ محلّہ چلی آتی ہیں بصد غم
کہتی ہیں یہ دن رحلتِ زہراؑ سے نہیں کم
پُرسے کی طرح رونے کا غُل ہوتا ہے ہردم
فرش اٹھتا ہے کیا، بچھتی ہے گویا صفِ ماتم
غُل ہوتا ہے ہر سمت، جدا ہوتی ہے زینب
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینب

١١ لے لے کے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر
اِس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبّیر
سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر؟
مُسلم کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر
للہ، ابھی قبرِ پیمبرؐ کو نہ چھوڑیں
گھر فاطمہ زہراؑ کا ہے، اس گھر کو نہ چھوڑیں

۱۲ وہ گھر ہے ، مَلک رہتے ہیں جس گھر کے نگہباں
کیوں اپنے بزرگوں کا وطن کرتے ہیں ویراں ؟
کوفے کی بھی خلقت[6] تو نہیں صاحبِ ایماں
بی بی ! یہ مدینے کی تباہی کا ہے ساماں
اک ایک شقی دشمنِ اولادِ علی[4] ہے
شمشیرِ ستم واں سرِ حیدر[4] پہ چلی ہے

۱۳ اجڑے گا مدینہ ، جو یہ گھر ہوئے گا خالی
بربادیِ یثرب کی بِنا چرخ نے ڈالی
کیا جانیں ، پھر آئیں کہ نہ آئیں شہِ عالی
حضرت کے سوا کون ہے اس شہر کا والی
زہرا[4] ہیں ، نہ حیدر[4] ، نہ پیمبر[5] نہ حسن[4] ہیں
اب اُن کی جگہ آپ ہی یا شاہِ زمن ہیں

۱۴ گرمی کے یہ دن اور پہاڑوں[7] کا سفر ، آہ
ان چھوٹے سے بچّوں کا نگہبان ہے اللہ
رستے کی مشقّت سے کہاں ہیں ابھی آگاہ
ان کو تو نہ لے جائیں سفر میں ، شہِ ذی جاہ
قطرہ بھی دمِ تشنہ دہانی نہیں ملتا
کوسوں تلک اِس راہ میں پانی نہیں ملتا

۱۵ منہ دیکھ کے اصغر کا ، چلا آتا ہے رونا
آرام سے مادر کی کہاں گود میں سونا
جُھولا یہ کہاں ، اور کہاں نرم بچھونا
لکّھا تھا اِسی سِن میں مسافر اِنھیں ہونا
کیا ہوگا جو میداں میں ہوا گرم چلے گی
یہ پھول سے کُمھلائیں گے ، ماں ہاتھ ملے گی

۱۶
آن بی بیوں سے کہتی تھی یہ شاہ کی ہمشیر
بہنوں ! ہمیں یثرب سے لیے جاتی ہے تقدیر
اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر
یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبّیر[۴]
مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی
بھائی سے جدا ہو کے، مگر رہ نہیں سکتی

۱۷
امّاں کی لحد چھوڑ کے میں یاں سے نہ جاتی
فاقے بھی اگر ہوتے تو غم اس کا نہ کھاتی
بھائی کی طرف دیکھ کے شق ہوتی ہے چھاتی
بے جائے مجھے بات کوئی بن نہیں آتی
ظاہر میں تو مابینِ لحد سوتی ہیں امّاں
میں خواب میں جب دیکھتی ہوں، روتی ہیں امّاں

۱۸
ہے روح پہ امّاں کی قلق، کرتی ہیں زاری
سر پیٹتے میں نے انھیں دیکھا کئی باری
روداد بیاں کر گئی ہیں مجھ سے وہ ساری
فرماتی تھیں: بھائی سے خبردار! میں واری
غم خوار ہے تو اور خدا حافظِ جاں ہے
نے باپ ہے سر پر مرے بچے کے، نہ ماں ہے

۱۹
یاد آتی ہے ہر دم مجھے امّاں کی وصیّت
کچھ جان کی تھی فکر نہ ان کو دمِ رحلت
آہستہ یہ فرماتی تھیں با صد غم و حسرت
شبّیر[۴] سدھارے جو سوئے وادیِ غربت
اس دن مری تربت سے بھی[۸] منہ موڑیو زینب
اس بھائی کو تنہا نہ کبھی چھوڑیو زینب

۲۰ امّاں کی وصیّت کو بجا لاؤں نہ کیوں کر
گھر بھائی سے تھا ، بھائی نہ ہوتے تو کہاں گھر
دو بہنیں ہیں ماں جائیاں اور ایک برادر
رسّی سے بندھے ہاتھ کہ بلوے میں کھلے سر
جو ہووے سو ہو بھائی کے ہمراہ ہے زینب
اِس کوچ کے انجام سے آگاہ ہے زینب

۲۱ یہ کہتی تھی زینب کہ پکارے شہِ عادل
تیّار ہیں دروازے پہ سب ہودج و محمِل
طے شام تلک ہوگی کہیں آج کی منزل
رخصت کرو لوگوں کو، بس اب رونے سے حاصل؟
چلتی ہے ہوا سرد ، ابھی وقتِ سحر ہے
بچے کئی ہمراہ ہیں ، گرمی کا سفر ہے

۲۲ رخصت کرو اُن کو کہ جو ہیں ملنے کو آئے
کہہ دو ، کوئی گہوارۂ اصغر کو بھی لائے
نادان سکینہ کہیں آنسو نہ بہائے
جانے کی خبر میری نہ صغرا کہیں پائے
ڈر ہے کہیں گھبرا کے نہ دم اُس کا نکل جائے
باتیں کرو ایسی کہ وہ بیمار بہل جائے

۲۳ رخصت کو ابھی قبرِ پیمبر[۳] پہ ہے جانا
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہوئے مرا آنا
امّاں کی لحد پر ہے ابھی اشک بہانا
اُس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوے ملنا ہے ابھی قبرِ حسن[۴] سے

۲۴ سن کر یہ سخن ، بانوے ناشاد پکاری
میں لٹتی ہوں ، کیسا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہ صغرا مری پیاری
بےبس[۹] کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری
اب کس پہ میں اِس صاحبِ آزار کو چھوڑوں
اِس حال میں کس طرح میں بیمار کو چھوڑوں

۲۵ ماں ہوں میں ، کلیجا نہیں سینے میں سنبھلتا
صاحب ! مرے دل ہے کو کوئی ہاتھوں سے ملتا
میں تو اسے لے چلتی ، پہ بس کچھ نہیں چلتا
رہ جاتیں[۱۰] جو بہنیں بھی ، تو دم اس کا بہلتا
دروازے پہ تیّار سواری تو کھڑی ہے
پر اب تو مجھے جان کی صغرا کی پڑی ہے

۲۶ چلاّتی تھی کبرا کہ بہن آنکھیں تو کھولو
کہتی تھی سکینہ کہ ذرا منہ سے تو بولو!
ہم جاتے ہیں ، تم اٹھ کے بغل گیر تو ہو لو
چھاتی سے لگو باپ کی ، دل کھول کے رو لو
تم جن کی ہو شیدا وہ برادر نہ ملے گا
پھر گھر[۱۱] میں جو ڈھونڈو گی ، تو اکبر نہ ملے گا

۲۷ ہشیار ہو ، کیا صبح سے بے ہوش ہو خواہر
اصغر[۴] کو کرو پیار کلیجے سے لگا کر
چھاتی سے لگو اٹھ کے ، کھڑی روتی ہیں مادر
ہم روتے ہیں ، دیکھو تو ذرا آنکھ اٹھا کر
افسوس ! اسی طور سے غفلت میں رہوگی ؟
کیا آخری ، بابا کی ، زیارت نہ کروگی ؟

۲۸ سن کر یہ سخن ، شاہ کے آنسو نکل آئے
بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا ، سخن لب پہ یہ لائے
کیا ضعف و نقاہت ہے ، خدا اس کو بچائے
جس صاحبِ آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ ، میں کیوں کر اسے لے جاؤں سفر میں

۲۹ کہہ کر یہ سخن ، بیٹھ گئے سیّدِ خوش خو
اور سورۂ الحمد[۱۲] پڑھا تھام کے بازو
بیمار نے پائی گلِ زہرا[۱۴] کی جو خوش بو
آنکھوں کو تو کھولا ، پہ ٹپکنے لگے آنسو
ماں سے کہا مجھ میں جو حواس آئے ہیں اماّں
کیا میرے مسیحا مرے پاس آئے ہیں اماں ؟

۳۰ ماں نے کہا[۱۳] ہاں ہاں ، وہی آئے ہیں مری جاں
جو کہنا ہو ، کہہ لو کہ یہاں اور ہے ساماں
دیکھو تو اِدھر ، روتے[۱۴] ہیں ، بی بی ! شہِ ذی شاں
صغرا نے کہا ، ان کی محبّت کے میں قرباں
وہ کون سا ساماں ہے جو یوں روتے ہیں بابا
کھل کر کہو مجھ سے کہ جدا ہوتے ہیں بابا

۳۱ یہ گھر کا سب اسباب گیا کس لیے باہر ؟
نے فرش ، نہ ہے مسند فرزندِ پیمبرؐ
دالان سے کیا ہو گیا گہوارۂ اصغر ؟
اجڑا ہوا لوگو ، نظر آتا ہے مجھے گھر
کچھ منہ سے تو بولو ، مرا دم گھٹتا ہے اماّں
کیا سبطِ پیمبرؐ سے وطن چھٹتا ہے اماّں ؟

۳۲ شبیر کا منہ تکنے لگی بانوے مغموم
صغرا کے لیے رونے لگیں زینب و کلثوم
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سیّد مظلوم
پردہ رہا اب کیا، تمھیں خود ہو گیا معلوم
تم چھٹی ہو، اس واسطے سب روتے ہیں صغرا
ہم آج سے آوارہ وطن ہوتے ہیں صغرا

۳۳ اب شہر میں اک دم ہے ٹھہرنا مجھے دشوار
میں پا بہ رکاب، اور ہو تم صاحبِ آزار
پھر آتا ہے وہ گھر میں، سفر میں جو ہو بیمار
تکلیف تمھیں دوں، یہ مناسب نہیں زنہار
غربت میں بشر کے لیے سو طرح کا ڈر ہے
میرا تو سفر، رنج و مصیبت کا سفر ہے

۳۴ لُوں چلتی ہے، خاک اڑتی ہے، گرمی کے ہیں ایّام
جنگل میں نہ راحت کہیں، نہ راہ میں آرام
بستی میں کہیں صبح تو جنگل میں کہیں شام
دریا کہیں حائل، کہیں پانی کا نہیں نام
صحّت میں گوارا ہے جو تکلیف گزر جائے
اِس طرح کا بیمار نہ مرتا ہو تو مر جائے

۳۵ صغرا نے کہا کھانے سے خود ہے مجھے انکار
پانی جو کہیں راہ میں مانگوں تو گنہ‌گار
کچھ بھوک کا شکوہ نہیں کرنے کی یہ بیمار
تبرید[۱۵] فقط آپ کا ہے شربت دیدار
گرمی میں بھی، راحت سے گزر جائے گی بابا!
آئے گا پسینہ، تپ اتر جائے گی بابا!

٣٦
کیا تاب ، اگر منہ سے کہوں ، درد ہے سر میں
اُف تک نہ کروں بھڑ ، کے اگر آگ جگر میں
بھولے سے بھی شب کو نہ کراہوں گی سفر میں
قربان گئی ، چھوڑ نہ جاؤ مجھے گھر میں
ہو جانا خفا ، راہ میں گر روئے گی صغرا
یاں نیند کب آتی ہے ، جو واں سوئے گی صغرا

٣٧
وہ بات نہ ہوگی کہ جو بےچین ہوں مادر
ہر صبح میں پی لوں گی دوا آپ بنا کر
دن بھر مری گودی میں رہیں گے علی اصغر
لونڈی ہوں سکینہ کی ، نہ سمجھو مجھے دختر
میں یہ نہیں کہتی کہ عماری میں بٹھا دو
بابا ! مجھے فضّہ[16] کی سواری میں بٹھا دو

٣٨
شہ بولے ، کہ واقف ہے مرے حال سے اللہ
میں کہہ نہیں سکتا مجھے درپیش ہے جو راہ
کھل جائے گا یہ راز بھی گو تم نہیں آگاہ
ایسا بھی کوئی ہے ، جسے بیٹی کی نہ ہو چاہ
ناچار ، یہ فرقت کا الم سہتا ہوں صغرا
ہے مصلحتِ حق یہی ، جو کہتا ہوں صغر

٣٩
اے نورِ بصر ! آنکھوں پہ لے کر تجھے چلتا
تُو مجھ سے بہلتی ، مرا دل تجھ سے بہلتا
تپ ہے تجھے اور غم سے جگر ہے مرا جلتا
یہ ضعف ، کہ دم تک نہیں سینے میں سنبھلتا
جز ہجر ، علاج اور کوئی ہو نہیں سکتا
دانستہ تمھیں ہاتھ سے میں کھو نہیں سکتا

۴۰ منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ ، موے ہم
ماں کہتی تھی ، مختار ہیں بی بی ، شہِ عالم
میرے تو کلیجے پہ چھری چلتی ہے اِس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارا نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

۴۱ صغرا نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار
سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے یہ بیمار
اللہ ، نہ وہ آنکھ کسی کی ہے ، نہ وہ پیار
اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب کے ہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ، ایک بھی شفقت نہیں کرتا
سچ ہے کوئی مُردے سے محبّت نہیں کرتا

۴۲ ہمشیر کے عاشق ہیں ، سلامت رہیں اکبر
اتنا نہ کہا ، مر گئی یا جیتی ہے خواہر
میں گھر میں تڑپتی ہوں ، وہ ہیں صبح سے باہر
وہ کیا کریں ، برگشتہ ہے اپنا ہی مقدّر
پوچھا نہ کسی نے کہ وہ بیمار کدھر ہے ؟
نے بھائیوں کو دھیان ، نہ بہنوں کو خبر ہے

۴۳ کیا ان کو پڑی تھی جو وہ غم کھانے کو آتے
میں کون ، جو صورت مجھے دکھلانے کو آتے
ہوتی جو غرض ، چھاتی سے لپٹانے کو آتے
زلفیں جو الجھتیں تو سلجھوانے کو آتے
کل تک تو مرے حالِ پریشاں پہ نظر تھی
تقدیر کے اِس پیچ کی مجھ کو نہ خبر تھی

۴۴ مانوس سکینہ سے ہیں عبّاسِ دلاور
میں کون ہوں جو میری خبر پوچھتے آ کر
سرسبز رہے خلق میں نو بادۂ شبّر[۴]
شادی میں بلائیں، مجھے یہ بھی نہیں باور
بے دولھا بنے منہ کو چھپاتے ہیں ابھی سے
میں جیتی ہوں اور آنکھ چراتے ہیں ابھی سے

۴۵ کس سے کہوں اس درد کو میں بے کس و رنجور
بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ "بیٹی میں ہوں مجبور"
ہمراہیٔ[۱۷] بیمار کسی کو نہیں منظور
دنیا سے سفر، رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی[۱۸] کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

۴۶ سب بی بیاں رونے لگیں سن سن کے یہ تقریر
چھاتی سے لگا کر اسے کہنے[۱۹] لگے شبّیر[۴]
لو صبر کرو، کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر
منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بے کس و دل گیر
نزدیک تھا، دل چیر کے پہلو، نکل آئے
"اچھا" تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

۴۷ بانو کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ
اکبر کو بلاؤ، علی اصغر کو بھی لاؤ
آئے علی اکبر تو کہا شاہ نے، آؤ
روٹھی ہے بہن تم سے، گلے اس کو لگاؤ
چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے اِنھیں کب آؤ گے، اقرار تو کر لو

(۲۰)

۴۸ پاس آن کے اکبر نے یہ کی پیار کی تقریر
کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا، مری تقصیر؟
چلّانے لگی، چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دل گیر
محبوب برادر، ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اتارے مجھے کوئی
بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی

۴۹ رخساروں پہ سبزے کے نکلنے کے میں صدقے
تلوار لیے شان سے چلنے کے میں صدقے
افسوس سے ان ہاتھوں کے ملنے پہ میں صدقے
کیوں روتے ہو، اشک آنکھوں سے ڈھلنے کے میں صدقے
جلد آن کے بہینا کی خبر لیجیو بھائی!
بے میرے کہیں بیاہ نہ کر لیجیو بھائی!

۵۰ لکھنا مجھے، نسبت کا اگر ہو کہیں ساماں
حق دار ہوں میں نیگ[۲۰] کی میرا بھی رہے دھیاں
اور مر گئی پیچھے تو رہے دل میں سب ارماں
لے آنا دلھن کو مری تربت پہ میں قرباں
خوشنود مری روح کو کر دیجیو بھائی!
حق نیگ کا تم قبر پہ دھر[۲۱] دیجیو بھائی!

۵۱ پیارے مرے بھیّا، مرے سرو علی اکبر
چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو، علی اکبر
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو، علی اکبر
ڈھونڈیں گی یہ آنکھیں تمھیں ہر سو، علی اکبر
دل سینے میں کیوں کر تہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا، تو اجالا نہ رہے گا

۵۲ کیا گزرے گی ، جب گھر سے چلے جاؤ گے بھائی !
کیسے مجھے ہر بات میں یاد آؤ گے بھائی !
تشریف خدا جانیے کب لاؤ گے بھائی !
کی دیر ، تو جیتا نہ ہمیں پاؤ گے بھائی !
کیا دم کا بھروسا کہ چراغِ سحری ہیں
تم آج مسافر ہو تو ہم کل سفری ہیں

۵۳ ہاں سچ ہے ، کہ بیمار کا بہتر نہیں جانا
صحت سے جو ہیں ، ان میں کہاں میرا ٹھکانا
بھیا ، جو اب آنا تو مری قبر پہ آنا
ہم گور کی منزل کی طرف ہوں گے روانا
کیا لطف ، کسی کو نہیں گر چاہ ہماری
وہ راہ تمھاری ہے ، تو یہ راہ ہماری

۵۴ مرنا تو مقدم ہے ، غم اس کا نہیں زنہار
دھڑکا ہے کہ جب ہوں گے عیاں موت کے آثار
قبلے کی طرف کون کرے گا رُخِ بیمار
"یٰسٓ"[۲۲] بھی پڑھنے کو نہ ہوگا کوئی غم خوار
سانس اکھڑے گی جس وقت ، تو فریاد کروں گی
میں ہچکیاں[۲۳] لے لے کے تمھیں یاد کروں گی

۵۵ ماں بولی ، یہ کیا کہتی ہے صغرا ! ترے قربان
گھبرا کے نہ اب تن سے نکل جائے مری جان
بے کس مری بچّی ، ترا اللہ نگہبان
صحّت ہو تجھے ، میری دعا ہے یہی ہر آن
کیا بھائی جدا بہنوں سے ہوتے نہیں بیٹا ؟
کنبے کے لیے جان کو کھوتے نہیں بیٹا ؟

۵۶ میں صدقے گئی ، بس ، نہ کرو گریہ و زاری
اصغر مرا روتا ہے ، صدا سن کے تمھاری
وہ کانپتے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری
آ آ ، مرے ننّھے سے مسافر ، ترے واری
چُھٹتی ہے یہ بیمار بہن ، جان گئے تم ؟
اصغر ! مری آواز کو پہچان گئے تم ؟

۵۷ تم جاتے ہو اور ساتھ بہن جا نہیں سکتی،
تپ ہے ، تمھیں چھاتی سے میں لپٹا نہیں سکتی
جو دل میں ہے ، لب پر وہ سخن لا نہیں سکتی
رکھ لوں تمھیں ، امّاں کو بھی سمجھا نہیں سکتی
بے کس ہوں ، مرا کوئی مددگار نہیں ہے
تم ہو ، سو تمھیں طاقتِ گفتار نہیں ہے

۵۸ معصوم نے جس دم یہ سنی ، درد کی گفتار
صغرا کی طرف ہاتھوں کو لٹکا دیا اک بار
لے لے کے بلائیں یہ لگی کہنے وہ بیمار
جھک جھک کے دکھاتے ہو مجھے آخری دیدار
دنیا سے کوئی دن میں گزر جائے گی صغرا
تم بھی یہ سمجھتے ہو ، کہ مر جائے گی صغرا

۵۹ عبّاس نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا
”چلنے کے لیے قافلہ تیّار ہے ، آقا“ !
لپٹا کے گلے فاطمہ صغرا کو دوبارا
اٹھّے شہِ دیں ، گھر تہہ و بالا ہوا سارا
جس چشم کو دیکھا ، سو وہ پُرنم نظر آئی
اک مجلسِ ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

۶۰ بیت الشّرف خاص سے نکلے شہِ ابرار
روتے ہوئے ڈیوڑھی پہ گئے عترتِ اطہار
فرّاشوں کو عبّاس پکارے یہ بہ تکرار
پردے کی قناتوں سے خبردار! خبردار!
باہر حرم آتے ہیں رسولؐ دو سرا کے
شقّہ[۲۴] کوئی جھک جائے نہ جھونکے سے ہوا کے

۶۱ لڑکا بھی جو کوٹھے پہ چڑھا ہو، وہ اُتر جائے
آتا ہو اِدھر جو، وہ اُسی جا پہ ٹھہر جائے
ناقے پہ بھی کوئی نہ برابر سے گزر جائے!
دیتے رہو آواز جہاں تک کہ نظر جائے
مریم سے سوا، حق نے شرف ان کو دیے ہیں
افلاک پہ آنکھوں کو ملک بند کیے ہیں

۶۲ [۲۵]عبّاسِ علی سے، علی اکبر نے کہا تب
ہیں قافلہ سالارِ حرم، حضرتِ زینب
پہلے وہ ہوں اسوار تو محمل پہ چڑھیں سب
حضرت نے کہا، ہاں یہی میرا بھی ہے مطلب
گھر میں مرے، زہرا[ع] کی جگہ بنتِ علی[ع] ہے
میں جانتا ہوں، ماں مرے ہمراہ چلی ہے

۶۳ آ پہنچی[۲۶] جو ناقے کے قریں دخترِ حیدر[ع]
خود ہاتھ پکڑنے کو بڑھے، سبطِ پیمبرؐ
فضّہ تو سنبھالے ہوئے تھی گوشۂ چادر
تھے پردۂ محمل کو اٹھائے علی اکبر
فرزند کمر بستہ چپ و راس کھڑے تھے
نعلین اٹھا لینے کو عبّاس کھڑے تھے

۶۴ اک دن تو مہیّا تھا یہ سامانِ عماری
اک روز تھا وہ ، گرد تھے نیزے لیے ناری
محمل تھا ، نہ ہودج ، نہ کجاوہ ، نہ عماری
بے پردہ تھی ، وہ حیدر کرّار[۴] کی پیاری
ننھے کئی بچوں کے گلے ساتھ بندھے تھے
تھے بال کھلے چہروں پہ ، اور ہاتھ بندھے تھے

۶۵ زینت دہِ محمل جو ہوئی دخترِ زہرا[۴]
ناقوں پہ چڑھے سب حرمِ سیّدِ والا
آنے لگے رہوار ، کھلا گرد کا پردا
عبّاس سے بولے یہ شہِ یثرب و بطحا
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے ، روحِ نبی[ص] پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِ[ص] عربی پر

۶۶ ہے قبر پہ نانا کی ، مقدّم مجھے جانا[۲۷]
کیا جانیے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
امّاں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا
اُس مرقدِ انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لیے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبرِ حسن[۴] سے

۶۷ پیدل ، شہِ دیں روضۂ احمد[ص] پہ سدھارے
تربت پہ صدا آئی کہ آ آ مرے پیارے
تعویذ سے شبّیر لپٹ کر یہ پکارے
ملتا نہیں آرام نواسے کو تمھارے
خط کیا ہیں ، اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا !
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا !

۶۸ خادم کو کہیں امن کی اب جا نہیں ملتی
راحت کوئی ساعت، مرے مولا نہیں ملتی
دکھ کون سا اور کون سی ایذا نہیں ملتی
ہیں آپ جہاں، راہ وہ اصلا نہیں ملتی
پابندِ مصیبت ہوں، گرفتارِ بلا ہوں
خود پاؤں سے اپنے طرفِ قبر چلا ہوں

۶۹ میں اک تنِ تنہا ہوں، ستم گار ہزاروں
اک جان ہے اور درپئے آزار ہزاروں
اک پھول سے رکھتے ہیں خلش خار ہزاروں
اک سر ہے فقط، اور خریدار ہزاروں
واں جمع کئی شہر کے خوں‌ریز ہوئے ہیں
خنجر مری گردن کے لیے تیز ہوئے ہیں

۷۰ فرمائیے، اب جائے کدھر آپ کا شبیّر[۲۷]
یاں قید کی ہے فکر، اُدھر قتل کی تدبیر
تیغیں ہیں کہیں میرے لیے، اور کہیں زنجیر
خوں ریزی کو کعبے تلک آ پہنچے ہیں بے پیر
بچ جاؤں جو پاس اپنے بلا لیجیے نانا!
تربت[۲۸] میں نواسے کو چھپا لیجیے نانا!

۷۱ یہ کہہ کے مِلا قبر سے شہ نے جو رخِ پاک
ہلنے لگا صدمے سے مزارِ شہِ لولاک
جنبش جو ہوئی قبر کو، تھرّا گئے افلاک
کانپی جو زمیں، صحنِ مقدّس میں اڑی خاک
اس شور میں آئی یہ صدا روضۂ جد سے
تم آگے چلو، ہم بھی نکلتے ہیں لحد سے

۷۲ باتوں نے تری دل کو مرے کر دیا مجروح
تو شہر میں جاتا ہے تڑپتی ہے مری روح
بے تیغ کیا خنجرِ غم نے ترے مذبوح
ہے کشتیِ اُمّت پہ تباہی کہ چلا نوح
افلاک امامت کا کبھی بدر نہ سمجھے
بے قدر ہیں ظالم کہ تری قدر نہ سمجھے

۷۳ مارا گیا جس روز سے ، شبّر[۲۹] مرا پیارا
اُس روز سے ٹکڑے ہے کلیجا مرا سارا
اب قتل میں ہوتا ہوں ، ترے ساتھ دوبارا
اُمّت نے کیا پاسِ ادب خوب ہمارا
زہرا[ع] کی جو بستی کو اجاڑیں تو عجب کیا
اعدا مجھے تربت سے اکھاڑیں تو عجب کیا

۷۴ اس ذکر پہ رویا کیے شہ ، سر کو جھکائے
واں سے جو اٹھے ، فاطمہ[ع] کی قبر پہ آئے
پائینِ لحد گر کے ، بہت اشک بہائے
آواز یہ آئی کہ میں صدقے ، مرے جائے
ہے شور ترے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اُسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

۷۵ تربت میں جو کی میں نے بہت گریہ و زاری
گھبرا کے علی[ع] آئے نجف سے کئی باری
کہتے تھے کہ اے احمدِ[ص] مختار کی پیاری
تم پاس ہو ، تربت ہے بہت دور ہماری
گھر لٹتا ہے ، کیونکر ہمیں چین آئے گا زہرا[ع]
کیا ہم سے نہ رخصت کو حسین آئے گا زہرا[ع]

۷۶ میں نے جو کہا ، قبر سے کیوں نکلے ہو باہر
نے سر پہ عمامہ ہے ، نہ ہے دوش پہ چادر
فرمایا کہ ماتم میں ہوں اے بنتِ پیمبرؐ
مرنے کو پسر جاتا ہے ، برباد ہوا گھر
ترسیں گے وہ پانی کو جو نازوں کے پلے ہیں
تلواریں ہیں اب اور مرے بچّوں کے گلے ہیں

۷۷ پھرتا ہے مری آنکھوں میں شبّیر کا مقتل
وہ نہرِ فرات اور وہ کئی کوس کا جنگل
وہ بجلیاں تلواروں کی ، اور شام کا بادل
دریا سے وہ پیاسوں کے ہٹا دینے کی ہلچل
شبّیر کے سر پر سے یہ آفت نہ ٹلے گی
۳۰دسویں کو محرّم کی ، چُھری مجھ پہ چلے گی

۷۸ سن کر یہ بیاں باپ کا ، مادر کی زبانی
رو رو کے پکارا اسد اللہ کا جانی
ہاں والدہ ، سچ ہے نہ ملے گا مجھے پانی
پیاسے ہیں مرے خون کے ، یہ ظلم کے بانی
بچپن میں کیا تھا مرا ماتم ، شہِ دیں نے
ناناؐ کو خبر دی تھی مری ، روحِ امیں نے

۷۹ پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے ، تربتِ شبّر
اس قبر سے لپٹے بہ محبّت ، شہِ صفدر
چِلّائے کہ شبّیر کی رخصت ہے ، برادر
حضرت کو تو پہلو ہوا اماں کا میسّر
قبریں بھی جدا ہیں تہہِ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لے جائے کہاں خاک ہماری

۸۰ یہ کہہ کے چلے ، قبرِ حسنؑ سے شہِ مظلوم
رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یارانِ وطن گِرد تھے ، افسردہ و مغموم
چِلّاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہؤا گھر آج رسولِ عربیؐ کا
تابوت اِسی دھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا

۸۱ جب اُٹھ گئی تھیں خلق سے مخدومۂ عالم
سر پیٹتے تھے لوگ اسی طرح سے باہم
برپا تھا جنازے پہ علیؑ کے یونہی ماتم
تھا رحلتِ شبّرؑ میں محبّوں کا یہی غم
بس آج سے بے والی و وارث ہے مدینہ
اب پنجتنِ پاک سے خالی ہے مدینہ

۸۲ چِلّاتی تھیں رانڈیں ، کہ چلی شہ کی سواری
لیے گا خبر اب کون مصیبت میں ہماری
آنکھوں سے یتیموں کے دُرِ اشک تھے جاری
مضطر تھے اپاہج ، ضُعفا کرتے تھے زاری
کہتے تھے گدا ، ہم کو غنی کون کرے گا؟
محتاجوں کی فاقہ شکنی ، کون کرے گا؟

۸۳ تھا ناکے تلک شہر کے اک شورِ قیامت
سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا ، جسے کرتے تھے رخصت
پائیں گے کہاں ہم ، یہ غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

۸۴ قسمیں انھیں دے دے کے کہا شہ نے کہ جاؤ
تکلیف تمھیں ہوتی ہے ، اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں ، آنسو نہ بہاؤ
پھرنے کے نہیں ، ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ
اُس بے کس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو ! مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

۸۵ روتے ہوئے وہ لوگ پھرے ، شاہ سدھارے
جو صاحبِ قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے
عابد[۳۴] ، طرفِ خانۂ اللہ سدھارے
اُترے نہ مسافر ، کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

۸۶ روشن ہوئی کعبہ کی زمیں نورِ خدا سے
مکّے نے شرف اور بھی پایا شرفا[۳۵] سے
جھک جھک کے ملے سبطِ پیمبر غربا سے
آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے
خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علی[ع] کے
سب باپ کی خُو بو ہے ، نواسے میں نبی[ص] کے

۸۷ کعبے میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام
کوفے سے چلے آتے تھے نامے ، سحر و شام
اعدا نے گزرنے نہ دیے حج کے بھی ایّام
کھولا پسرِ فاطمہ[ع] نے باندھ کے احرام
عازم طرفِ راہِ الٰہی ہوئے حضرت
تھی ہشتمِ ذی حجّہ کہ راہی ہوئے حضرت

۸۸ جاتے تھے دل افسردہ و غمگیں شہ ابرار
ہر گام پہ ہوتے تھے عیاں موت کے آثار
قبریں[۳۶] نظر آ جاتی تھیں صحرا میں جو دو چار
فرماتے تھے شہ : ''فاعتبروا یا اولی الابصار''
جز خاک نہ ہوئے گا نشاں بھی بدنوں کا
انجام یہ ہے ، ہم سے غریب الوطنوں کا

۸۹ احباب کہیں ، گھر ہے کہیں ، آپ کہیں ہیں
آگے تو زمیں پر تھے ، پر اب زیرِ زمیں ہیں
خالی ہیں مکاں ، آپ تہِ خاک مکیں ہیں
جو دور[۳۷] نہ رہتے تھے ، وہ اب پاس نہیں ہیں
حسرت یہ رہی ہوگی کہ پہنچے نہ وطن میں
کیا منہ کو لپیٹے ہوئے سوتے ہیں کفن میں

۹۰ باتیں تھیں یہی یاس کی ، اور درد[۳۸] کی تقریر
منزل پہ بھی آرام سے سوتے نہ تھے شبیر[ع]
شب کو کہیں اترے تو سحر کو ہوئے رہ گیر
جلدی تھی کہ ہو جائے شہادت میں نہ تاخیر
مقتل کا یہ تھا شوق شہِ جن و بشر کو
جس طرح سے ڈھونڈھے کوئی معشوق کے گھر کو

۹۱ ملتا تھا کوئی مردِ مسافر جو سرِ راہ
یوں پوچھتے تھے اس سے بہ حسرت شہِ ذی جاہ
ایسا[۳۹] کوئی صحرا بھی ہے اے بندۂ اللہ ؟
اک نہر سوا ، جس میں ہو چشمہ نہ کوئی چاہ ؟
کیا ملتا ہے اس دشت میں اور کیا نہیں ملتا ؟
ہم ڈھونڈھتے[۴۰] پھرتے ہیں ، وہ صحرا نہیں ملتا

۹۲ وہ عرض یہ کرتا تھا کہ سبطِ شہِ لولاک[۴] !
ہے سخت پُر اندوہ وہ صحرا تہہِ افلاک
ہنستا ہوا واں جائے تو ہو جاتا ہے غمناک
سنتا ہوں وہاں دن کو اڑاتا ہے کوئی خاک
دن رات کو آتی ہے صدا سینہ زنی کی
درویش کی ممکن ہے سکونت، نہ غنی کی

۹۳ چلّاتی ہے عورت کوئی، ہے ہے مرے فرزند
اِس دشت میں ہو جائے گا تو خاک کا پیوند
تلواروں سے ٹکڑے یہیں ہوں گے ترے دل بند
پانی یہیں ہو جائے گا بچّوں پہ ترے بند
پیارے تو اسی خاک پہ گھوڑے سے گرے گا
ہے ہے، یہیں خنجر تری گردن پہ چلے گا

۹۴ اک شیر ترائی میں یہ چلّاتا ہے دن رات
کٹ جائیں گے یاں ہاتھ مرے لال کے، هیهات
کیا حال کہوں نہر کا، اے شاہِ خوش اوقات!
پانی تو نہیں[۵] شور، پہ مشہور ہے یہ بات
طائر بھی دمِ تشنہ دہانی، نہیں پیتے
وحشی کبھی واں آن کے پانی نہیں پیتے

۹۵ اُس جا نہ اترتا ہے، نہ دم لیتا ہے رہ گیر
ہے شور کہ اس آب میں ہے آگ کی تاثیر
پیاسوں کے لیے اُس کی ہر اک موج ہے شمشیر
اس طرح ہوا چلتی ہے جس طرح چلیں تیر
بجھتی نہیں واں پیاس کسی تشنہ گلو کی
بُو آتی ہے اُس نہر کے پانی میں لہو کی

۹۶ اُس شخص سے یہ کہہ کے چلے قبلۂ عالم
اللہ نے چاہا تو بسائیں گے اُسے ہم
عاشق پہ بلا بعد بلا آتی ہے ہردم
غم اور بڑھا، وصل کا عرصہ جو رہا کم
آفت یہ نئی فوجِ شہنشاہ میں آئی
مسلمؑ کی شہادت کی خبر راہ میں آئی

۹۷ غربت میں نہ ماتم کی سنائے خبر اللہ
طاری ہوا حضرت پہ عجب صدمۂ جاں کاہ
گوندھے ہوئے سر کھول کے پیٹے حرمِ شاہ
فرماتے تھے شہ، سب کو ہے درپیش یہی راہ
ہوگا وہی، اللہ کو جو مدِّ نظر ہے
آج ان کا ہوا کوچ، کل اپنا بھی سفر ہے

۹۸ وارث کے لیے زوجۂ مسلم کا تھا یہ حال
محمل سے گری پڑتی تھی بکھرائے ہوئے بال
روتے تھے بہن کے لیے عبّاسِ خوش اقبال
وہ کہتی تھی، ساتھ آئے تھے چھوٹے مرے دو لال
پوچھو تو، کدھر وہ مرے پیارے گئے دونو
فرماتے تھے شبّیرؑ، کہ مارے گئے دونو

۹۹ محمل تھے سب اس بی بی کی ہودج کے برابر
تھا شور کہ بیوہ ہوئی شبّیرؑ کی خواہر
گھبرا گئی تھی مسلمِؑ مظلوم کی دختر
ہر بار یہی پوچھتی تھی ماں سے لپٹ کر
کیوں پیٹتی ہو، کون جدا ہوگیا امّاں؟
غربت میں مرے باپ پہ کیا ہوگیا امّاں؟

۱۰۰ اُس دن سے تو اک ابرِ ستم فوج پہ چھایا
کھانا کئی دن قافلے والوں نے نہ کھایا
رستے میں ابھی تھا ، اسداللہ کا جایا
جو چاند محرّم کا فلک پر نظر آیا
سب نے مہِ نو اشکرِ شبّیر[۴] میں دیکھا
منہ شاہ[۴۳] نے آئینۂ شمشیر میں دیکھا

۱۰۱ خویش و رُفقا چاند کی تسلیم کو آئے
مجرے کو جھکے اور سخن لب پہ یہ لائے
یہ چاند مبارک ہو ، یداللہ کے جائے
کفّار پہ تو فتح اِسی چاند میں پائے
رتبہ مہ و خورشید سے بالا رہے تیرا
تا حشر زمانے میں اُجالا رہے تیرا

۱۰۲ حضرت[۴۴] نے دعا پڑھ کے یہ کی حق سے مناجات
کر رحم گنہ گاروں پہ ، اے قاضیِ حاجات !
سر دینے کا مشتاق ہوں ، عالِم ہے تری ذات
خنجر مری آنکھوں میں پھرا کرتا ہے دن رات
باقی ہیں جو راتیں وہ عبادت میں بسر ہوں
یہ زیست کے دس دن تری طاعت میں بسر ہوں

۱۰۳ پہنچا دے مجھے جلدی سے اے خالقِ افلاک !
اُس خاک پہ جس خاک سے ملتی ہے مری خاک
طالب ہے ترے قُرب کا سبطِ شہِ لولاک ؐ
نے ملک کی خواہش ہے ، نہ درکار ہے اِملاک
بیتاب ہے دل ، صبر کا چارا نہیں مجھ کو
اب فصل[۴۵] بجز وصل گوارا نہیں مجھ کو

۱۰۴
اتنے میں یہ فضہ ، علی اکبر کو پکاری
لو دیکھ چکیں[۴۶] چاند ، یداللہ کی پیاری
عادت ہے کہ وہ دیکھتی ہیں شکل تمھاری
آنکھوں کو کیے بند یہ فرماتی ہیں ، واری !
آئے تو رخِ اکبر[ع] ذی قدر کو دیکھوں
شکلِ مہِ نو دیکھ چکی ، بدر کو دیکھوں

۱۰۵
شہ داخلِ خیمہ ہوئے ، فرزند کے ہمراہ
منہ دیکھ کے یوں کہنے لگی بنت یداللہ
یہ چاند ہے کس طرح کا اے فاطمہ[ع] کے ماہ ؟
فرمانے لگے رو کے بہن سے شہ ذی جاہ
سر تن سے مرا اِس مہِ پُر غم میں کٹے گا
زینب[ع] ! یہ مہینہ تمھیں ماتم میں کٹے گا

۱۰۶
یہ آلِ نبی[ص] کی ہے مصیبت کا مہینا
یہ ظلم کا عشرہ ہے ، یہ آفت کا مہینا
پہنچا ہے غریبوں کی شہادت کا مہینا
آخر ہے بس اب عمر کی مدّت کا مہینا
یہ بارِ امامت مری گردن سے اتر جائے
ہو خاتمہ بالخیر ، جو سر تن سے اتر جائے

۱۰۷
گردوں پہ مہِ نو جو نمایاں ہے یہ ، ہمشیر !
چڑھتی ہے مرے سر کے لیے چرخ پہ شمشیر
اس چاند میں کٹ جائے گا سب لشکرِ شبیّر[ع]
نیزہ کوئی کھائے گا کلیجے پہ ، کوئی تیر
برچھی کسی جاں باز کے پہلو میں[۴۷] لگے گی
شمشیر کسی شیر کے بازو میں لگے گی

۱۰۸
خیمے کو جلا دیں گے، لٹے گا زر و زیور
اِس ماہ میں ہوں گے نہ پدر اور نہ مادر
ماؤں سے پسر چھُوٹیں گے، بہنوں سے برادر
بیوہ کئی سیدانیاں ہوویں گی مقرّر
گھُرکیں گے ستمگار جو رووے گی سکینہ[۴]
اس ماہ میں بے باپ کے ہووے گی سکینہ[۴]

۱۰۹
دولھا کوئی ٹاپوں کے تلے ہووے گا پامال
پیٹے گی کوئی تازہ دلھن کھولے ہوئے بال
تیروں سے کسی ماں کا جگر ہوئے گا غربال[۴۸]
نکلے گی کوئی کہتی ہوئی، ہائے مرا لال!
معصوموں کے سونے کی جگہ پائیں گی خالی
بچّوں سے بھری گودیاں ہو جائیں گی خالی

۱۱۰
اس عشرۂ اول میں نہ ہوئیں گے بہن ہم
تاریخِ سفر ہے "دہم ماہِ محرّم"
عشرہ، یہ وہ عشرہ ہے کہ اے زینبِ پُر غم
جس لال کی عاشق ہو، وہ ہو جائے گا بے دم
دیکھو گی نہ پھر منہ، علی اکبر[۴] سے پسر کا
اب شام میں ہوئے گا تمھیں چاند[۴۹] صفر کا

۱۱۱
رونے کے لیے حق نے بنائے ہیں یہ دس دن
ان روزوں خوشی ہو، یہ کسی کو نہیں ممکن
لیویں گے مرا تعزیہ ہر شہر کے ساکن
اکبر کو جواں روئیں گے، معصوموں کو کم سن
بھولیں ہمیں، ایسے نہیں غم خوار ہمارے
ہوئیں گے سیہ پوش عزادار ہمارے

۱۱۲

غش ہو گئی سن کر یہ بیاں زینبِ ؑ پُر غم
خیمے میں اِسی رات سے برپا ہوا ماتم
بیدار رہیں صبح تلک بی بیاں باہم
خیموں کو اکھڑوا کے چلے قبلۂ عالم
آخر وہی صحرا ، وہی جنگل نظر آیا
تھی دوسری تاریخ کہ مقتل نظر آیا

۱۱۳

اترے اُسی میدانِ بلاخیز میں سرور
اِستادہ ہوئے خیمۂ ناموسِ پیمبر ؐ
صحرا کی طرف دیکھ کے ، خوش ہو گئے اکبر ؑ
دریا پہ ٹہلنے لگے عباسِ ؑ دلاور
شہ بولے ، ہوا نہر کی بھائی ! تمھیں بھائی
ہاں شیر ہو ، دریا کی ترائی تمھیں بھائی

۱۱۴

خامے کو بس اب روک **انیسِ** جگر افگار
خالق سے دعا مانگ کہ اے ایزدِ غفّار
زندہ رہیں دنیا میں ، شہِ دیں کے عزادار
غیر از غمِ شہ آن کو نہ غم ہو کوئی زنہار
آنکھوں سے مزارِ شہِ دلگیر کو دیکھیں
اِس سال میں بس روضۂ شبّیر ؑ کو دیکھیں

۳

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا

۲۴۵ بند ، بحرِ مضارع

(جنگ و شہادتِ حضرتِ عباس)

مراجع

* مراثیِ انیس ، جلد اول ، مطبوعہ نظامی پریس ، بدایوں ، ۱۹۲۲ع ، صفحہ ۳۰ -
* مراثیِ انیس ، جلد دوم ، مطبوعہ تیج کمار پریس ، لکھنؤ ، ۱۹۵۸ع ، صفحہ ۱۳۱ -
* مراثیِ انیس ، جلد چہارم ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ، ۱۹۵۹ع ، ۱۹۶۲ع ، صفحہ ۳۹ -

تبصرہ

"جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا" میر انیس کا طویل مرثیہ ہے۔ میر صاحب نے ایک دو ہی مرثیوں میں دو سو بند لکھے ہیں۔ اِس مرثیے میں ۲۴۵ بند ہیں اور سب ذوق آفریں، رزم و بزم کا رنگا رنگ مرقّع اور متنوّع جذبات کا دلکش آئینہ ہیں۔ منظر نگاری اور تصویر سازی نے مرثیے کو عجب نکھار بخش دیا ہے۔ نقد و انتخاب کے سخت اصولوں کی پابندی کے بعد بھی اس کے انتخاب ہر مرحلے میں پڑھے پڑھائے جاتے رہے ہیں۔

میر صاحب نے اس قدر طویل نظم میں اول و آخر کے ربط اور مرثیے میں ایسی اکائی کو ملحوظ رکھا ہے کہ بے ساختہ ان کے قلم کا لوہا ماننا پڑتا ہے۔ چہرے سے شہادت تک تاثر میں ہمواری چلی جاتی ہے۔ شروع میں زمینِ کربلا کی تعریف ہے۔ اس کے حسن و کمال میں امام حسینؑ کی آمد سے چار چاند لگ گئے ہیں۔ مدینے کا قافلہ کربلا پہنچا، مسافروں نے منزل پائی، سفر ختم ہوا۔ سینکڑوں میل بے آب و گیاہ صحراؤں کے بعد جب شطِ فرات کے قریب ٹھہرے تو بچوں، جوانوں، بوڑھوں، عورتوں اور مختلف جذبات کے افراد کے نفسیات کو سامنے رکھ کر ان کی حالت قلم بند کی ہے۔

انیس نے واقعۂ کربلا سے مکمل واقفیت کے بعد اپنے ذہن میں عقلی اور تجریدی تصویر بنائی ہے۔ اس طویل تصویری دفتر کو تخیل اور قلم کی مدد سے عام زبان اور خاص ٹکنیک سے کاغذ پر لکھ

کر قاری کے سامنے پیش کیا ہے - اس تحریر میں ان کا عقیدہ ، ان کا خلوص ، ان کا جذبہ اور ان کا ماورائی مشاہدہ قوتِ شعر گوئی کو حیات بخشتا ہے - میر انیس کا موضوع اتنا جاندار ہے کہ ہر شخص سے توجہ ، عقیدت اور حق و صداقت کا اعتراف کرا لیتا ہے اور میر صاحب اپنی خدا داد صلاحیتوں سے سامع کو مسخر کر لیتے ہیں -

تعبیروں کی ندرت اور خیال کی لطافت ، زبان کی شیرینی اور مصرعوں کی سحر آفرینی کے انتخاب و مثال کی ضرورت نہیں ہے ، صرف توجہ مبذول کرانے کے لیے چند شعر نقل ہیں :

نہرِ فرات زمینِ کربلا پر امام کی آمد سن کر بے قرار ہوتی ہے :

آمد سُنی جو سبط رسالت مآب کی

ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی

امام علیہ السلام نہرِ فرات کے کنارے اترتے ہیں اور اپنا تاثر ظاہر فرماتے ہیں - ادھر نوجوان علی اکبر اور علم دار عباس جذبات ، منصب ، عمر اور ماضی و مستقبل کی روشنی میں ایک ایک جملہ کہتے ہیں :

اترا یہ کہہ کے کشتیِ امّت کا ناخدا

جتنے سوار تھے ، وہ ہوئے سب پیادہ پا

حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا

دیکھو تو کیا ترائی ہے ، کیا نہر ، کیا فضا

اکبر شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر

عبّاس جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

ایک لمحہ بھر کے بعد :

زلفیں ہوا میں اڑتی تھیں ہاتھوں میں ہاتھ تھے

لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

صحرا سے آئے پھر سُوے دریا شہِ اُمم
الیاس[ؑ] شاد ہو کے پکارے ''زہے حَشم''
اُبھریں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم
بولے حباب ، آنکھوں پہ شاہا ترے قدم
پانی میں روشنی ہوئی حسنِ حضور سے
لے لیں بلائیں پنجۂ مرجاں نے دور سے

اطمینان کا پھیلنا ، خیموں کے لیے جگہ تجویز ہونا ، حضرت عباس و امام و حضرت زینب سے بات چیت ، ادب و آداب ، دستور اور قاعدوں کی نگہداشت ، قدم قدم پر جزئیات نگاری ، دل کی آنکھ سے دکھائی دینے والے واقعات کو یوں لکھا ہے جیسے ہمارے سامنے سب کچھ ہو رہا ہے اور امام[ؑ] انتظام کی نگرانی فرما رہے ہیں :

پرتو فگن تھا نور رسالت مآب کا
سر پر لگا تھا چترِ زری آفتاب کا

خیمے لگے ، بچے اترے اور خواتین خیموں میں آئیں - یزید کی فوج پہنچی اور خیموں کے اٹھانے پر اصرار کیا - شیرانِ بنی ہاشم اور دوستانِ امام کو یہ بات ناگوار گزری - اس مسئلے پر بحث ہوئی تو ابنِ رکاب نامی کردار سامنے آیا اور اس نے گفتگو شروع کی :

انیس نے صوت و صدا ، رنگ و آہنگ ، چہروں اور دلوں ، زبانوں اور خیالوں کو لفظوں میں منتقل کیا اور بند کے بند واردات و مناظر پر لکھ دیے ، جن میں ایک آواز آپ بھی سنیے :

کوفے سے کل جوان اِدھر آئے ہیں دس ہزار
رستے میں شام کے ابھی فوجیں ہیں بے شمار
خالی ہیں منزلیں ، نہ بیاباں نہ کوہسار
شہروں سے ، پرگنوں سے ، چلے آتے ہیں سوار

لاکھوں میں کوئی قبل ، کوئی بعد آئے گا
گیتی ہلے گی جب پسرِ سعد آئے گا

"گیتی ہلنے" کے لیے تمہید اور اس زلزلے کے لیے خبر دیکھ چکے،
اب ایک گرج اور حال ملاحظہ کریں :

ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہیں اِدھر
ہے آج شب کو داخلۂ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی میں گونجا وہ شیرِ نر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

غصے میں رکھ کے دوش پہ شمشیرِ برق دم
نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے رکیں گے ہم ؟
گر فوجِ قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم
گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جس جا جمے قدم
بپھریں جو شیر سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

واقعات کا تسلسل جاری ہے ، رزمیہ کا جوش آفریں لہجہ ،
صورت حالات کے بگڑتے بگڑتے بات یہاں تک پہنچی :

بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیرِ نر
گرتا تھا کوئی ڈر کے اِدھر اور کوئی اُدھر
تیغیں جو کھنچ گئیں تو ہوا اور شور و شر
گھبرائے اہلِ بیتِ شہنشاہِ بحر و بر
آغوش میں پھوپھی کے سکینہ دہل گئی
غل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

محمل سے منہ نکال کے فضّہ نے یہ کہا
بلوہ کنارِ نہر ہے اے بنتِ مرتضا[ع]
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا
قبضے پہ ہاتھ رکھے ہیں عبّاسِ[ع] با وفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے یہ غصّہ ہے شیر کو

حضرتِ عباس کی پوری شخصیت سامنے آ چکی۔ میدان گرم ہونے کو ہے کہ اچانک اسی آن بان، شخصیت و کردار کے ساتھ امام حسین[ع] پر نظر پڑتی ہے:

یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہرِ امام
عبّاس ادھر غضب میں بڑھے سوے فوجِ شام
کرسی سے جلد اُٹھ کے پکارے شہِ انام
بھیّا! ہمارے سر کی قسم! روک لو حسام
یکساں ہے برّ و بحر ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب!
یاد آ گیا مجھے اسد اللہ[ع] کا عتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب
جعفر[ع] ہو دبدبے میں، شجاعت میں بوتراب
یہ کیا ہیں! تم تو سدِّ سکندر کو توڑ دو
لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

امام کی زبانی عباسِ علم دار کی تعریف سے بھائی بھائی کے درجے اور کردار روشن سے روشن تر ہوتے گئے اور مرثیے کے رزمیہ لہجے میں کرب و الم کروٹیں لینے لگا۔

مرثیے کا تیسرا حصہ بند ۱۰۰ سے شروع ہوا ۔ قافلہ کنارۂ نہر سے ہٹا :

ریتی پہ آ کے گاڑ دیا شیر نے علم
برپا ہوئے خیامِ شہِ آسماں حشم
سر جا ملا جو شمسۂ کیواں جناب کا
سونا اتر گیا ورقِ آفتاب کا

خیمے لگے ، فضا ٹھہری اور خوشی و غم کے ملے جلے لہجوں نے کانوں میں گونج پیدا کی ۔ اتنے میں رات آ گئی ، فوج شام پہنچ گئی :

کیسا شمار ، حصر نہ تھا ، انتہا نہ تھی
دیکھا جو صبح کو کہیں بستر کی جا نہ تھی

دن گزر گئے ، شبِ عاشور آ گئی ۔ رات ڈھلی ، صبح ہوئی ۔ یہ مرثیے کا چوتھا موڑ ہے ۔ اسی بنا پر میر صاحب نے اسے دوسرا مطلع لکھ کر ممتاز کر دیا ہے ۔ اگر ۱۱۳ بند چھوڑ دیے جائیں تو مرثیہ از سرِ نو شروع ہو سکتا ہے ۔ حیرت ہے کہ میر صاحب کی قوت اظہار میں ضعف نہیں آیا ۔ مرثیہ اپنی اسی اٹھان کے ساتھ چلا جا رہا ہے ۔ صبح ہوئی ، سپاہ عدو میں قرنا پُھنکی ، حُسینیوں میں اذان ہوئی ، نماز پڑھی گئی ۔ خواتین نے بچوں کو جہاد کے لیے ابھارا ۔ امام نے دوستوں سے باتیں کیں ۔ صفیں استوار ہوئیں ۔ امام رخصت کے لیے خیمے میں تشریف لے گئے ، خیمے میں کہرام مچا :

روتے تھے یوں تو لپٹے ہوئے سب حسینؑ سے
لیکن کلیجے پھٹتے تھے زینبؑ کے بین سے

اب الوداع کہہ کر امام باہر آئے :

جھک کر سلام غازیوں نے با ادب کیا
گھوڑا سوارِ دوشِ نبیؐ نے طلب کیا

گھوڑے کی تعریف ۔ امام چلے ، جلو میں غاریانِ دین کا پہرا تھا ۔ اہلِ شر نے تیر چلائے ۔ حُسینیوں نے سینے سپر کر دیے ۔ عباس علم دار و حبیب ابن مظاہر کی شخصیتیں پھر ابھریں اور پلک جھپکتے میں :

ستّر دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں
''ھل من مبارزٍ'' کی جو اعدا میں تھی پکار
بھائی کو دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار

رزم کے لیے ماحول تیار تھا کہ انیس نے پھر غم انگیز پہلو اختیار کیا ۔ بچوں کی پیاس اور جنابِ سکینہ کی حالت لکھ کر مرثیت سنبھال لی ۔ حضرتِ عباس خیمے سے رخصت ہو کر آئے اور سوار ہو کر میدان کا رخ کیا اور انیس نے گھوڑے کی تعریف میں قیامت کر دی :

وہ تھوتھنی ، وہ آبلی ہوئی انکھڑیاں ، وہ یال
گویا کھلے ہوں حور کے گیسو ، پری کے بال
وہ جلد ، وہ دماغ ، وہ سینہ ، وہ سُم ، وہ چال
دم میں کبھی ہما ، کبھی ضیغم ، کبھی غزال
وہ قصرِ آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا
دو پر اگر خدا اسے دیتا ، براق تھا

سوار کی ہیبت ، دشمنوں کا حال ، حضرت عباس کا رجز پڑھنا ، پھر تلوار و جنگ ، فوج کی بھگدڑ ، نہر پر قبضہ و اعلانِ فتح کے بعد :

یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہر میں سمند
طاؤس دُم اٹھا کے بنا اسپِ سربلند

چمکا جو عکسِ روئے علم دار ارجمند
پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دو چند
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکا چوند ہو گئی

پانی بھر کے، خود پیاسے دریا سے نکل آئے، میدان میں شور مچ گیا:

ہاں راہ روک لو، یہ ہوئی چار سُو پکار
برچھے اٹھا اٹھا کے بڑھے سینکڑوں سوار
ہلتا تھا چرخ غلغلۂ دارو گیر سے
حلقہ کسی کماں کا نہ خالی تھا تیر سے

حضرت عباس کی شجاعت کی تصویر کے بعد وفاداری و پاسردی کا دوسرا عکس اسی اہتمام سے پیش کر کے شہادت لکھی، بَین لکھے، امام کا حال لکھا اور بلاشبہ انیس نے فردوسی اور شکسپیر جیسے فن کاروں کو مات کر دیا۔ سکینہ کی فریاد، مختلف خواتین کے تاثّرات، پھر انیس کا لوگوں سے گریہ طلب ہونا اور رلانا، عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے۔

مرثیہ جس شکوہ اور "واہ واہ" کے زور میں شروع کیا تھا اسی شان اور "آہ آہ" میں انجام پا گیا۔ اب ناقد اِسے "کلاسیکی ڈراموں" کی بنیاد پر پڑھے یا مخصوص "رزمیہ المیہ" تخلیق مان کر نئے پیمانے سے جانچے، اُسے اختیار ہے۔ یہ بہرحال صحیح ہے کہ انیس کا یہ مرثیہ مشرقی ادب میں بے مثال اور مغربی ادب میں ناپید چیز ہے۔ ہمارے ادب کے اعلیٰ اصولوں کے مطابق اردو زبان میں اتنا گمبھیر، اتنا پُر شکوہ اور اتنا اثر انگیز کوئی ادب پارہ موجود نہیں ہے۔

مرتضیٰ حسین، فاضل

بسمِ اللهِ الرّحمٰنِ الرّحیم

۱

جب[۱] کربلا میں داخلۂ شاہ دیں ہوا
دشت بلا نمونۂ خلدِ بریں ہوا
سر جھک گیا فلک کا، یہ اوجِ زمیں ہوا
خورشید محوِ حسنِ حسینؑ حسیں ہوا
پایا فروغ نیّرِ دیں کے ظہور سے
جنگل کو چاند لگ گئے چہرے کے نور سے

۲

زہراؑ کے اختروں سے زمیں آسماں ہوئی
غازی جہاں چلے، وہ زمیں کہکشاں ہوئی
سب ارض پاک غیرتِ باغِ جناں ہوئی
ایسا مکیں ملا کہ رفیع المکاں[۲] ہوئی
دامن جو پاک صاف تھا دشتِ مصاف کا
احرام باندھا کعبے نے اس کے طواف کا

۳

ہاتف نے دی صدا کہ زہے شانِ کربلا
مختارِ کائنات ہے، مہمانِ کربلا
پھولوں سے آج بھر گیا دامانِ کربلا
بس اب نواں بہشت ہے، بستانِ کربلا
خورشیدِ دیں کے فیض سے کیا کیا شرف ملے
روشن ہے جس سے عرش وہ دُرِّ نجف ملے

۴ یہ دشت ہولناک کہاں ، یہ چمن کہاں
جنگل کہاں ، بتول[۱] کے گل پیرہن کہاں
کنبہ کہاں نبیؐ کا ، یہ دارِ محن[۲] کہاں
قبریں کہاں شکستہ دلوں کی ، وطن کہاں
آئے ہیں ڈھونڈتے ہوے اس ارضِ پاک کو
سچ ہے کہ خاک کھینچتی ہے اپنی خاک کو

۵ غل تھا چمن چمن کہ بہار آئی اب قریب
باغی جو چین دیں تو یہ ہے موسمِ عجیب
بولی یہ آشیاں سے جدا ہو کے عندلیب
آیا گلِ ریاضِ محمدؐ ، خوشا نصیب!
فخر اس زمیں کا جس پہ شہِ اِنس و جن پھرے
دیکھو خدا کی شان کہ جنگل کے دن پھرے

۶ خوشبو سے آن گلوں کی ہؤا دشت باغ باغ
غنچے کھلے ، ہرے ہوئے بلبل کے دل کے داغ
پہنچا سرِ فلک پہ ہر اک کوہ کا دماغ
دریا نے بھی حبابوں کے روشن کیے چراغ[۴]
خورشید بن گئے طبقے ارضِ پاک کے
تاروں کو گرد کر دیا ذرّوں نے خاک کے

۷ جنگل میں بن گیا شجرِ طور ہر درخت
بالیدگی سے ہو گئے ٹکڑے گلوں کے رخت[۵]
آئی صدا فلک سے کہ جاگے زمیں کے بخت
اب اس زمیں پہ سوئے گا مختارِ تاج و تخت
رفعت کا اس کی فرش سے غل عرش تک گیا
لو ، آج خاک کا بھی ستارہ چمک گیا

۸ کہتی تھی آسماں سے زمینِ فلک حشم
کیوں آج مرتبے میں زیادہ ہے تو کہ ہم ؟
مجھ پر ہیں وہ جو مہرِ نبوّت[۶] پہ تھے قدم
ذرّے سے بھی یہاں ترے شمس و قمر ہیں کم
اب تو یہ خاکسار بھی کیواں[۷] اساس ہے
زیور جو عرش کا تھا وہ سب میرے پاس ہے

۹ پھیلی جو نکہتِ چمنِ شاہ بحر و بر
صحرا میں لہلہا گیا سبزہ بھی سربسر
جلدی ہوا نے جا کے یہ دریا کو دی خبر
آیا تری کچھار میں مختارِ خشک و تر
جب تک وہ بحرِ فیض برائے وضو بڑھے
بڑھ کر قدم تو لے ، کہ[۸] تری آبرو بڑھے

۱۰ ساحل پہ ہوں گے جلوہ نما اب امامِ دہر
دریا دلی کا ہوگا تری شور ، شہر شہر
یہ سن کے بے قرار ہوئی علقمہ کی نہر
سر کو قدم کیے ہوئے دوڑی ہر ایک لہر
آمد سنی جو سبط رسالت مآب[ؐ] کی
ساحل سے آنکھ لڑ گئی اک اک حباب کی

۱۱ بولے فرس کو روک کے شاہ فلک وقار
منزل پہ ہم پہنچ گئے ، احسانِ کردگار
آگے نہ اب بڑھائے کوئی یاں سے راہوار
یہ وہ زمیں[۹] تھی ، جس کے لیے دل تھا بے قرار
قربان اس مکانِ سعادت نشان کے
پایا درِ مراد بڑی خاک چھان کے

۱۲ آترو مسافرو ! کہ سفر ہو چکا تمام
کوچ اب نہ ہوگا حشر تلک ، ہے یہیں مقام
مقتل یہی زمیں ہے ، یہی مشہدِ[۱۰] امام
اونٹوں سے بار آتار کے برپا کرو خیام
بستر لگاؤ شوق سے ، اِس ارضِ پاک پر
چھڑکا ہؤا ہے آبِ بقا یاں کی خاک پر

۱۳ مثلِ زمینِ خلد ، مُصفّا ہے یہ زمیں
ساتوں فلک سے اوج میں بالا ہے یہ زمیں
روے زمیں پہ عرشِ معلّیٰ ہے یہ زمیں
فردوس کا کھنچا ہوا نقشا ہے یہ زمیں
اس کے مکیں نہ ہوں گے پراگندہ نشر[۱۱] میں
بے سر اِسی زمیں سے ہم اٹّھیں گے حشر میں

۱۴ مرغوبِ طبع ہے یہ زمینِ فلک جناب
سوئے گا اس کی خاک پہ فرزندِ بوتراب
ہے اس طرح یہ ساری زمینوں میں انتخاب
جس طرح ذی شرف ہے ستاروں میں آفتاب
مرنا لکھا ہوا ہے یہیں سرنوشت میں
جائے گا ہاتھوں ہاتھ یہ طبقہ بہشت میں

۱۵ سجدے کریں گے جس پہ ملک ، وہ زمیں یہ ہے
جس پر کُھدا ہے نقشِ شفا ، وہ نگیں یہ ہے
بطحا یہ ہے ، مدینۂ اربابِ دیں یہ ہے
کعبہ یہ ہے ، نجف یہ ہے ، خلدِ بریں یہ ہے
تھی اس زمیں کی قدر رسولانِ پاک کو
آنکھوں سے سب لگا گئے ہیں یاں کی خاک کو

۱۶ ذرّوں[۱۲] سے اس کے اشرفیٔ مِہر زرد ہے
مٹّی طلا ہے ، نسخۂ اکسیر گرد ہے
کر دے سقر کی آگ کو پانی وہ سرد ہے
کحلِ بصر ہے ، داروے اندوہ و درد ہے
زندے الم سے بچتے ہیں ، مُردے فشار[۱۳] سے
آنکھوں میں نور آتا ہے اِس کے غُبار سے

۱۷ خاک اُس کے دل میں ، ہو جسے اس خاک سے غبار
مجرم بھی اس کے فیض سے اُٹھے گا رستگار
پڑ جائے جس کے جسم پہ خاک اِس کی ایک بار
سائے سے اس کے آتشِ دوزخ کرے فرار
یوں دور ہوں گناہ سب اُس نیک بخت سے
پتّے خزاں میں گرتے ہیں جیسے درخت سے

۱۸ کام آئے گی لحد میں یہ ہنگامِ درد و یاس
اس خاک سے بنے گا کفن ، نور کا لباس
تسبیح اس کی قبر میں ہوئے گی جس کے پاس
سو سو طرح سے پائے گا راحت وہ حق شناس
فرمائیں گے ملک ، ارم اس کا مقام ہے
سونے دو چین سے ، یہ مُطیعِ امام ہے

۱۹ دیں گے جو اس کی خاک سے لکّھا ہوا کفن
میّت پہ پھر نہ ہوگا کوئی صدمہ و محن
ڈھانپے گا اس کو چادرِ رحمت سے ذوالمنن
خوشبو سے ہوگا کنجِ لحد خُلد کا چمن
پھولوں میں خاکِ پاک کفن کو بسائے گی
صرّوں[۱۴] سے نکہتِ گلِ فردوس آئے گی

۲۰
توشہ مسافروں کا یہی ، اور یہی ہے زاد
یہ خاک[۵] آبِ خضر سے رتبے میں ہے زیاد
طوفاں میں اس کو ڈالے گا جو مردِ خوش نہاد
لے آئے گی ہوائے موافق دُرِ مراد
دیکھے گا پاس میں کرمِ کارساز کو
تھامے گا دستِ موج سے دریا جہاز کو

۲۱
اترا یہ کہہ کے کشتیِ اُمّت کا ناخدا
جتنے سوار تھے ، وہ ہوے سب پیادہ پا
حضرت نے مسکرا کے یہ ہر ایک سے کہا
دیکھو تو ! کیا ترائی ہے ، کیا نہر ، کیا فضا
اکبر[۴] شگفتہ ہو گئے صحرا کو دیکھ کر
عبّاس[۴] جھومنے لگے دریا کو دیکھ کر

۲۲
بولے یہ اشک بھر کے شہنشاہِ سربلند
کیوں ، یہ مقام ہے تمھیں شاید بہت پسند ؟
کی مسکرا کے عرض ، کہ یا شاہِ ارجمند !
بس یاں تو خود بخود ہوئی جاتی ہے آنکھ بند
شیر اب یہیں رہیں گے ، عنایت جو رب کی ہے
میں کیا کہوں حضور ! ترائی غضب کی ہے

۲۳
گرمی میں ایسی سرد ہوا ، یا شہِ انام !
ہے لیٹنے کی جا ، یہ زمینِ فلک مقام
مشہور غاضریہ[۶] ہے شاید اسی کا نام
جی چاہتا ہے یاں سے سرکیے نہ ایک گام
ایسی جگہ بس اب نہ ملے گی کسی جگہ
کیا لطف ہے جو قبر بھی ہوئے اِسی جگہ

۲۴
روتے ہوئے وہاں سے بڑھے آپ چند گام
گویا زمیں کی سیر کو آترا مہِ تمام
انجم کی طرح گرد تھے حیدر[3] کے لالہ فام
شکلیں وہ نور کی ، وہ تجمّل ، وہ احتشام
زلفیں ہوا سے اڑتی تھیں ، ہاتھوں میں ہاتھ تھے
لڑکے بھی بند کھولے ہوئے ساتھ ساتھ تھے

۲۵
تکنے[1] لگے پہاڑوں کو مسلم کے دونوں لال
پھولوں سے کھیلنے لگے زینب کے نونہال
سبزے سے واں کے ابنِ حسن[4] خوش ہوئے کمال
کی عرض ، اس زمیں کا ہر اک گل ہے بے مثال
اے خسروِ زمیں ، یہ جگہ ہے جلوس کی
خوشبو ہے یاں کی خاک میں ، عطرِ عروس کی

۲۶
صحرا سے آئے پھر سوے دریا شہِ اُمم
الیاس[7] شاد ہو کے پکارے "زہے حشَم" !
اُبھریں درود پڑھتی ہوئی مچھلیاں بہم
بولے حباب "آنکھوں پہ شاہا ترے قدم" !
پانی میں روشنی ہوئی حُسنِ حضور سے
لے لیں بلائیں پنجۂ مرجاں[8] نے دور سے

۲۷
ٹھہرے کنارِ نہر جوانانِ ماہ رُو
دھویا کسی نے رخت ، کسی نے کیا وضو
گھوڑے جو آئے ، پیاس بجھانے کنارِ جُو
بھر لائے اشک آنکھوں میں شبّیرِ نیک خو
کھینچی اک آہِ سرد ترائی کو دیکھ کر
ہاتھوں سے دل پکڑ لیا بھائی کو دیکھ کر

۲۸ بولے یہ ہاتھ جوڑ کے عبّاسِ نامور[۱۹]
خیمہ کہاں بپا کریں ، یا شاہِ بحر و بر ؟
ایذا ہے محملوں میں بہت اہلِ بیت پر
بچے ہیں نازکی میں گلوں سے زیادہ تر
کب سے عماریوں[۲۰] کے ہیں پردے چُھٹے ہوئے
گرمی کے مارے دم ہیں سبھوں کے رُکے[۲۱] ہوئے

۲۹ کچھ سوچ کر امامِ دو عالم نے یہ کہا
زینب جہاں کہیں ، وہاں خیمہ کرو بپا
پیچھے ہٹے یہ سنتے ہی عبّاسِ باوفا
جا کر قریبِ محملِ زینب یہ دی صدا
حاضر ہے جاں نثار امامِ غیور کا
برپا کہاں ہو خیمۂ اقدس حضورؑ کا ؟

۳۰ بولی یہ سن کے دخترِ خاتونِ روزگار[۲۲]
اس امر میں بھلا مجھے کیا دخل ، میں نثار
خشکی ہو یا ترائی ، چمن ہو کہ سبزہ زار
ہر جا مسافروں کا نگہباں ہے کردگار
مختارِ کائنات کے تم نورِ عین ہو
اترو وہاں ، جہاں مرے بھائی کو چین ہو

۳۱ عاقل ہو تم تو نامِ خدا ، اے علیؑ کے لال !
مجھ سے زیادہ بھائی کی راحت کا ہے خیال
دریافت کر لو پہلے کسی سے ، یہاں کا حال
واری ! کسی طرح کا نہ آقا کو ہو ملال
گوشہ ملے ہمیں ، نہ فضا ہو ، نہ سیر ہو
اب تو یہی پڑی ہے کہ جانوں کی خیر ہو

۳۲ آرام کو ترس گئے ، جب سے چھٹا ہے گھر
کن آفتوں میں چار مہینے ہوئے بسر
یہ آندھیاں ، یہ گرمی کے ایّام ، یہ سفر
دن بھر چلے ہیں دھوپ میں ، جاگے ہیں رات بھر
گرمی سے کھیت خشک تھے ، جنگل اُجاڑ تھا
ایک ایک کوس راہِ جبل[۲۳] میں ، پہاڑ تھا

۳۳ آج اِس زمین پر ہمیں لایا ہے آسماں
اب دیکھیے ، دکھاتی ہے تقدیر کیا یہاں
آقا کی خیریت کی دعا مانگو ، بھائی جاں
یا رب ! مسافروں کو مبارک ہو یہ مکاں
دشمن بہت ہیں بادشہِ خوش خصال کے
بھائی ! بہن نثار ، ذرا دیکھ بھال کے

۳۴ بھائی سے اس زمیں کی سنی ہے بہت صفت
ہے وہ امام واقفِ اسرارِ شش جہت
جو جو سُخن ہیں ان سے بھی لازم ہے مصلحت[۲۴]
صدقے گئی ، حبیب سے بھی کرلو مشورت
ساحل پہ دشمنوں میں کسی کا عمل نہ ہو
بھیّا ! مجھے یہ ڈر ہے کہ رد و بدل[۲۵] نہ ہو

۳۵ دستِ ادب کو جوڑ کے اُس شیر نے کہا
تشویش کچھ نہ کیجیے ، اے بنتِ مرتضیٰ[ع] !
ہرچند مصلحت مری کیا ، اور عقل کیا
لیکن کوئی ترائی سے بہتر نہیں ہے جا
جو مہرِ[۲۶] فاطمہ[ع] میں ہے ، یہ وہ فرات ہے
گرمی میں قرب نہر کا ، آبِ حیات ہے

۳۶ جس سر زمیں پہ دلبرِ زہرا[ع] عمل کرے[۲۷]
زُہرہ[۲۸] کسی کا کیا ہے جو رد و بدل کرے
مانع وہ ہو جو دینِ نبی[ص] میں خلل کرے
کافر ہے جو حسین[ع] سے رد و بدل کرے
دخل اس میں روم کا ہے، نہ سلطانِ شام کا
دنیا کی سب زمیں پہ ہے قبضہ امام کا

۳۷ حضرت کے حکم کا مترصّد[۲۹] ہے جاں نثار
ارشاد یہ ہوا کہ دیا تم کو اختیار
آیا حضورِ سبطِ پیمبر وہ ذی وقار
کی عرض، خیمہ نہر پہ کرتا ہے خاکسار
اُتریں یہیں، یہ مرضیِ آلِ رسول[ص] ہے
بولا وہ بحرِ فیض، کہ اچھا، قبول ہے

۳۸ یہ سن کے خادموں کو پکارا وہ مہ جبیں
فرّاش آ کے جلد مصفّا کریں زمیں
حاضر ہوں آب پاش، محل دیر کا نہیں
یاں ہوگا خیمۂ حرمِ بادشاہِ دیں
جلد اُن کو بھیجو، لوگ ہیں جو کاروبار کے
لے آؤ اُشتروں سے قناتیں اُتار کے

۳۹ بولے زہیرِ قین کہ حاضر ہیں سب غلام
بڑھ کر حبیب بھی ہوئے مصروفِ اہتمام
کرسی منگا کے بیٹھ گئے اک طرف امام
رتبے میں ہو گئی وہ زمیں عرش احتشام
پرتو فگن تھا نور رسالت مآب[ص] کا
سر[۳۰] پر لگا تھا چترِ زری آفتاب کا

۴۰ تھا فکر میں خموش دوعالم کا تاج دار
کھلوا رہے تھے خیموں کو عبّاس ذی وقار
ناگہ اٹھا شمال کی جانب سے اک غبار
رایت[۳] سیاہ و سرخ نظر آئے تین چار
مڑ کر کہا حبیب نے، کچھ رنگ اور ہے
بولا کوئی، یہ شام کے لشکر کا طور ہے

۴۱ یک جا ہوئے یہ سن کے جوانانِ صف شکن
نکلا ہر اک ولی[۳۲] کی زباں سے یہی سخن
آئے ہیں ملکِ غیر میں ہم چھوڑ کر وطن
تُو سب کی خیر کیجیو، اے رب ذُوالمنن!
اعدائے دیں کے شر سے حفاظت میں ہم رہیں
ناحق کوئی لڑے بھی تو ثابت قدم رہیں

۴۲ کہنے لگے پکار کے عبّاسِ حق شناس
ہاں، ناصرانِ قبلۂ کونین! باحواس
دل میں نہ خوف ہو، نہ زباں پر کلامِ یاس
جیتے ہو تو حسین[۴] سے ہو قدرداں کے پاس
گر مر گئے تو روضۂ رضواں کی سیر ہے
دونوں طرف مآل تمھارا بخیر ہے

۴۳ کیا ڈر قشونِ[۳۳] روم ہے، یا ہے جنودِ شام
ہم اپنے کام میں ہیں، ہمیں کیا کسی سے کام
جو مرد ہیں، ہراس کے کرتے نہیں کلام
ہونے دو، گر ہیں سرخ علم یا سیاہ فام
سرسبز ہیں وہی جو علی[۴] کے نشان ہیں
خود جھک کے وہ ملیں گے کہ ہم میہماں ہیں

۴۴ یہ ذکر تھا کہ بن میں سیاہی سی چھا گئی
ڈنکے کی دشتِ ظلم سے کوسوں صدا گئی
گھوڑوں کے دوڑنے سے زمیں تھرتھرا گئی
جنگی سپاہ گھاٹ کے نزدیک آ گئی
اک ایک پیل[۳۴] زور، تہمتن شکوہ تھا
ابنِ رکابِ سبز قدم سرگروہ تھا

۴۵ بولے ملازموں سے یہ عباسِ باوفا
دریافت تو کرو کہ ارادہ ہے ان کا کیا
آتے ہی سرکشی، یہ طریقہ ہے کون سا
کہہ دو کہ اہلِ بیت کے خیموں کی ہے یہ جا
لازم رسول زادیوں کا احترام ہے
اتریں الگ کہیں، یہ ادب کا مقام ہے

۴۶ کرسی نشیں ہے لختِ دلِ سیّدالبشرؐ
آئینِ خسروی سے یہ واقف نہیں، مگر[۳۵]
آتی ہے اُڑ کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے گرد اِدھر
کیا ہے، جو روکتے نہیں باگیں یہ خیرہ سر
بھولے ہوئے ہیں اس پہ کہ ہم خاکسار ہیں
شاید ہوا کے گھوڑوں پہ ظالم سوار ہیں

۴۷ اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام
حکمِ امیر ہے، یہیں اُتریں سپاہِ شام
چھوڑیں گے ہم اُسے کہ جو راحت کا ہے مقام؟
دریا سے ہٹ کے آپ بپا کیجیے خیام!
لشکر کشی ہے بادشہِ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر

۴۸
کوفے سے کُل جواں اِدھر آئے ہیں دس ہزار
رستے میں شام کی ابھی فوجیں ہیں بے شمار
خالی ہیں منزلیں، نہ بیاباں، نہ کوہسار
شہروں سے، پرگنوں سے، چلے آتے ہیں سوار
لاکھوں ہیں، کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی ہلے گی جب پسرِ سعد آئے گا

۴۹
فوجوں کا جائزہ تھا وہاں، ہم چلے تھے جب
گِردے میں بیس کوس کے لشکر پڑا تھا سب
دستوں کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب
اس عرض[۳۶] پر نہ ہو جو سمائی تو کیا عجب
کیجیے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

۵۰
ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہیں اِدھر
ہے آج شب کو داخلۂ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ، ترائی میں گونجا وہ شیرِ نر
تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضے پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

۵۱
غصّے میں رکھ کے دوش پہ شمشیرِ برق دم
نعرہ کیا اسد نے کہ 'تم سے ہٹیں گے ہم'؟!
گر فوجِ قاہرہ[۳۷] کی ہے آمد تو کیا ہے غم
گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جس جا جمے قدم
بپھریں جو، شیر سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

۵۲ دنیا ہو اک طرف تو نہ آئے خیال میں
لاکھوں پہ اپنی تیغ چلی ہے جِدال میں
گیتی ہو بے نشاں اگر آئیں جلال میں
ہے سب طرح کا زور محمدؐ کی آل میں
دریا ہے کیا ، یہ شیر ہٹیں جس کو چھوڑ کے
جب پُل بنا دیا درِ خیبر کو توڑ کے

۵۳ تم کون ہو ؟ حسینؑ ہے مختارِ خشک و تر
اُن کے سوا ہے کون شہنشاہِ بحر و بر
دیکھو ! فساد ہوگا ، بڑھو گے اگر اِدھر
شیروں کا یاں عمل ہے ، تمھیں کیا نہیں خبر ؟
سبقت کسی پہ ہم نہیں کرتے لڑائی میں
بس کہہ دیا کہ پاؤں نہ رکھنا ترائی میں

۵۴ دریا تو ابتدا سے ہمارا ہے ، تم ہو کون ؟
اس کا مُحق[۳۸] رسولؐ کا پیارا ہے ، تم ہو کون ؟
اللہ نے زمیں کو سنوارا ہے ، تم ہو کون ؟
ساحل پہ کچھ کسی کا اجارا ہے ؟ تم ہو کون ؟
ہیہات ! غصبِ حق سے پھرے آج تک نہیں
منزل مسافروں کی یہ ہے ، کچھ فدک نہیں

۵۵ کیا ابنِ سعدِ شوم کی فوج ، اور کیا حشم
سر لوٹتے پھریں گے ، بڑھایا اگر قدم
اترے ہیں آکے فخرِ سلیماں کے ساتھ ہم
کیا اُن کے مورچے[۳۹] کہ جو ہوں چوٹیوں سے کم
کچھ ڈر نہیں ، چھ لاکھ اگر بد خصال ہیں
ہم بھی کَنندۂ درِ خیبر کے لال ہیں

۵۶ کیا سر پہ موت آئی ہے ؟ بس سامنے سے جاؤ
فوجوں کا ذکر کرکے کسی اور کو ڈراؤ
دعویٰ ہے کچھ سپاہ گری کا اگر ، تو آؤ
بیٹا رحیم کا ہوں ، مجھے غیظ میں نہ لاؤ
تلوار اِدھر کھنچی کہ اُدھر کھیت پڑ گیا
پھر کچھ نہ بن پڑے گا اگر میں بگڑ گیا

۵۷ ہم شیر ہیں ، قسم اسدِ کردگار کی
رکھتے ہیں ناخنوں میں بُرِش ذوالفقار کی
سو کی نہ اصل یاں ، نہ حقیقت ہزار کی
ٹوکے ، یہ کیا مجال کسی نابکار کی
گرجیں ابھی تو رعد ہیں ، برسیں تو ابر ہیں
اک َمیں نہیں ، بہت ابھی ایسے ہزبر ہیں

۵۸ چھوڑیں[۴۰] نہ یہ زمیں جو گرے سر پہ آسمان
بڑھ کر ہٹا نہیں کبھی اس فوج کا نشان
جب تک کہ دم میں دم ہے نہ جائے گی آن بان
ریتی پہ ہم بپا کریں خیمے ؟ خدا کی شان !
مر جائیں وہ جو ساتھ کئی شیرخوار ہیں ؟
فی الواقعی ہم ایسے ہی تقصیروار ہیں ؟

۵۹ ہم پہلے آئے ہیں ، کہ تم آئے ہو تا بہ نہر ؟
کیوں غاصبو ! یہ نہر نہیں فاطمہؑ کا مہر ؟
چھوڑ آئے ہیں تمھارے بلانے پہ اپنا شہر
کوئی مسافروں پہ یہ کرتا ہے جبر و قہر ؟
اُترے ابھی نہیں کہ لڑائی ٹھہر گئی
وعدے وہ کیا ہوئے ؟ وہ محبّت کدھر گئی ؟

۶۰ شر اس قدر زمیں پہ ؟ تمھارے سروں پہ خاک
مٹی ہوئے ، لکھے تھے عریضوں[۴۱] میں جو تپاک
ہے بوترابیوں کی جگہ ، یہ زمینِ پاک
ہوئیں گی تربتیں بھی یہیں ، گر ہوئے ہلاک
تم لو گے کس طرح ، یہ جگہ ہم کو بھائی ہے
مشہور ہے کہ شیروں کا مسکن ترائی ہے

۶۱ سوچو تمھی دلوں میں کہ حق دار کون ہے ؟
عالم میں برّ و بحر کا مختار کون ہے ؟
ہادی ہے کون ، سیّدِ ابرار کون ہے ؟
ہے بے قصور کون ، گنہ گار کون ہے ؟
لازم ہے تم کو پاس کلامِ مجید کا
کلمہ نبی ص کا پڑھتے ہو تم ، یا یزید کا ؟

۶۲ یہ کس کے گھر سے دین کی دولت ملی تمھیں ؟
صدقہ ہے کس ولی کا جو عزّت ملی تمھیں ؟
خوانِ کرم سے کس کے یہ نعمت ملی تمھیں ؟
ہادی ہوئے جو ہم ، تو ہدایت ملی تمھیں
پھلتا نہیں نہالِ حسد ، پھولتا نہیں
محسن کو اِس طرح سے کوئی بھولتا نہیں

۶۳ ہم تو تمھیں سمجھتے ہیں سیّد کا خیرخواہ
کیا خوب میہماں کی دعوت ہے ، واہ واہ !
اُلفت ، نہ دل دہی ، نہ تعارف ، نہ رسم و راہ
معصوم سے وہ کون سا ایسا ہوا گناہ ؟
چشمے پہ جنگ ، فاطمہ کے نورِ عین سے ؟
نا منصفو ! پھراتے ہو آنکھیں حسین سے ؟

۶۴ ہر چند خاکسار ہیں فرزند بو تراب[۴]
پر سرکشی کی ہم سے کسی کو نہیں ہے تاب
کہنی تک آستیں کو جو الٹیں دمِ عتاب
گردوں میں تھرتھرا کے چھپے قرصِ آفتاب
آ جائے انقلاب کی آفت جہان پر
ہو آسماں زمیں پہ، زمیں آسمان پر

۶۵ ارض و سما کو ہم تہ و بالا کریں ابھی
جو سرکشی کرے، اسے پسپا کریں ابھی
اس سرزمیں کو خون کا دریا کریں ابھی
ساحل تک آئے جو، اسے ٹھنڈا کریں ابھی
بولے کوئی، تو تن سے سر اس کا جدا کریں
خیمہ بپا نہ ہو تو قیامت بپا کریں

۶۶ ظالم بگڑ بگڑ کے بڑھے ایک بار سب
بلوہ جو ہو گیا سمٹ آئے سوار سب
نیزے علم کیے ہوئے تھے نیزہ دار سب
باندھے تھے ایک غول ضلالت شعار سب
لیکن ملا نہ سکتے تھے آنکھ اس دلیر سے
اک شور تھا کہ ''چھین لو دریا کو شیر سے''

۶۷ بگڑے ابو ثمامہ و سعدِ فلک سریر
تولی زہیرِ قین نے شمشیرِ بے نظیر
جوڑا کماں میں ابنِ مظاہر نے ایک تیر
بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر
عابس کو غیظ لشکرِ بد خو پہ آ گیا
غصے سے بل ہلال[۴۲] کی ابرو پہ آ گیا

۶۸ بولے اٹھا کے نیزے کو ضرغامۂ دلیر
بس ، اب سزا میں ان کی مناسب نہیں ہے دیر
بولے شبیب ، ادھر سے جو نکلے گا ایک شیر
بھاگیں گے سب یہ گھوڑوں کی باگوں کو پھیر پھیر
آقا کا ہے یہ پاس کہ ہم دور دور ہیں
کثرت پہ اپنی بھولے ہیں ، کیا بے شعور ہیں

۶۹ اُلٹی جناب قاسمِ ذی شاں نے آستیں
قبضے پہ ہاتھ رکھ کے بڑھے اکبرِ حسیں
بولے پکڑ کے نیمچے زینب کے مہ جبیں
شیروں سے کیا ترائی کو لیں گے ، یہ اہلِ کیں
کہیے تو نیزہ بازوں کو ہم دیکھ بھال لیں
تیوری کوئی چڑھائے تو آنکھیں نکال لیں

۷۰ آگے تھے سب کے حضرت عبّاسِ ذی حشم
بڑھ بڑھ کے روکتے تھے دلیروں کو دم بہ دم
تیغیں جو تولتے تھے ادھر بانیِ ستم
کہتے تھے ، سر نہ ہوگا ، بڑھایا اگر قدم
لرزہ تھا رعبِ حق سے ہر اک نابکار کو
روکے تھا ایک شیرِ جری دس ہزار کو

۷۱ بڑھتا تھا جھومتا ہوا جس دم وہ شیرِ نر
گرتا تھا کوئی ڈر کے اِدھر اور کوئی اُدھر
تیغیں جو کھنچ گئیں تو ہوا اور شور و شر
گھبرائے اہلِ بیتِ شہنشاہِ بحر و بر
آغوش میں پُھپھی کے سکینہ دہل گئی
غُل پڑ گیا کہ گھاٹ پہ تلوار چل گئی

۷۲ چلّائی رو کے زینبِ ناشاد و نامراد
ہے ہے خبر تو لو کہ یہ کس سے ہوا فساد
غربت زدوں سے کیا سببِ کینہ و عناد
دیکھے کوئی کدھر ہیں شہنشاہِ خوش نہاد
ہمشیر کو نثارِ امامِ اُمم کرو
لوگو! دعائیں اکبرِ مہ رُو پہ دم کرو

۷۳ محمل سے منہ نکال کے فضّہ نے یہ کہا
بلوہ کنارِ نہر ہے ، اے بنتِ مرتضاؑ!
نیزے بڑھا بڑھا کے ہٹاتے ہیں اشقیا
قبضے پہ ہاتھ رکھّے ہیں عبّاسِ با وفا
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہے دلیر کو
سب دشت گونجتا ہے ، یہ غصّہ ہے شیر کو

۷۴ زینب پکاریں پیٹ کے زانو بہ صد ملال
ہے ہے غضب ہوا اگر آیا انھیں جلال
کہہ دے کوئی کہ اے اسدِ کبریا کے لال
غربت پہ ابنِ فاطمہؑ کی تم کرو خیال
قربان ہو گئی ، نہ لڑائی کا نام لو
میں ہاتھ جوڑتی ہوں کہ غصّے کو تھام لو

۷۵ لڑنے کو تیغ میاں سے کھینچوگے تم اگر
محمل سے گر پڑوں گی زمیں پر میں ننگے سر
عبّاس! تم تو ساقیٔ کوثر کے ہو پسر
یہ نہر کیا ہے جس کے لیے رنج اس قدر
مر جاؤں گی سفر میں جو بچھڑوں گی بھائی سے
جنگل مجھے پسند ہے ، گزری ترائی سے

۷۶ دریا کو روکتے ہیں اگر بانیِ ستم
جلتی زمیں پہ بچوں کو لے کر رہیں گے ہم
غربت زدوں پہ چاہیے اللہ کا کرم
پھر آؤ ، بس سکینہ کے سر کی تمھیں قسم
ثابت ہوا کسی کو ہماری ولا[۴۳] نہیں
پانی بھی اب نہ دیں تو ہمیں کچھ گلا نہیں

۷۷ یہ بات کہہ کے رونے لگی خواہرِ امام
عبّاس اُدھر غضب میں بڑھے سوے فوجِ شام
کرسی سے جلد اُٹھ کے پکارے شہِ انام
بھیّا ! ہمارے سر کی قسم ، روک لو حُسام[۴۴]
یکساں ہے برّ و بحر ہماری نگاہ میں
غیظ و غضب کو دخل نہ دو حق کی راہ میں

۷۸ ہر چند اس میں کوئی تمھارا نہیں قصور
نا حق فساد کرتے ہیں تم سے یہ بے شعور
خیر ، امتحاں کا دن بھی کچھ ایسا نہیں ہے دور
جانے دو ، جاہلوں سے یہ تکرار کیا ضرور
ادنیٰ سے بحث ننگ ہے عالی مقام کا
بس ، خامشی جواب ہے اُن کے کلام کا

۷۹ لے سکتے ہیں ترائی کو تم سے ، یہ نابکار ؟
کس پر یہ خشم[۴۵] ، اے شہِ مرداں کے یادگار
جرأت میں تم ہو ایک ، نہ یہ اہلِ کیں ہزار
بخشا ہے ہر طرح کا تمھیں حق نے اختیار
بے آبِ تیغ دم میں یہ ناری ہلاک ہوں
گر مُنہ سے اُف کروں تو ابھی جل کے[۴۶] خاک ہوں

۸۰ ہے گرچہ ان کی بے ادبی قابلِ سزا
پر ، تم پسر رحیم کے ہو ، بخش دو خطا
جنگل ہو یا ترائی ہو ، ہے ہر جگہ خدا
مظلوم کو ، غریب کو ، غصّے سے کام کیا
کرتا ہے عاجزی وہی جو حق شناس ہے
ہم کو نبیؐ کی روحِ مُطہّر کا پاس ہے

۸۱ صدقے ترے جلال کے ، اے میرے آفتاب !
یاد آ گیا مجھے اسد اللہ کا عتاب
تم سے مقابلے کی جہاں میں کسے ہے تاب
جعفر ہو دبدبے میں ، شجاعت میں بوتراب
یہ کیا ہیں تم تو سدِّ سکندر کو توڑ دو
لو ہم کو چاہتے ہو تو دریا کو چھوڑ دو

۸۲ بھیّا[۴۷] ، پدر کے صبر پہ اس دم کرو خیال
ہم نے تو اپنی آنکھوں سے دیکھا سب اُن کا حال
بلوہ تھا بعدِ رحلتِ محبوبِؐ ذوالجلال
یاں تک کہ باندھ لے گئے رسّی سے بدخصال
کیا صبر و حلم عقدہ کشائے جہاں میں تھا !
گردن جھکی ہوئی تھی ، گلا ریسماں میں تھا

۸۳ توڑا ہو ایک ہاتھ سے خیبر کا جس نے در
پُھوکیں گھر اس کا اور کرے یوں وہ درگزر
تھرّائیں جس کی ضرب سے روح الامیں کے پر
رکھ دے وہ تیغ کھول کے اور ڈال دے سپر !
کمزور دست و بازوئے خیبر کشا نہ تھا
سب قدرتیں وہی تھیں ، پر حکمِ خدا نہ تھا

۸۴ ارشاد کر گئے تھے جو کچھ سیّد الانام
باندھے رہا اسی پہ کمر وہ فلک مقام
مطلب نہ تھا سپر سے نہ تیغ و تبر سے کام
مظلوم ہو گئے تھے ، اطاعت ہے اس کا نام
اپنا امام ہم کو بھی جانو اسی طرح
تم بھی ہمارے کہنے کو مانو اسی طرح

۸۵ لازم ہے ان پہ رحم ، یہ اُمّت ہے ، میں نثار
کرتے تھے مصطفیٰؐ انھیں بیٹوں کی طرح پیار
ان کے لیے حسنؑ نے کیا جبر اختیار
دشمن پہ بھی رہا کرمِ شیرِ کردگار
ہو نوجواں ، مزاج میں غصّہ ہے آپ کے
بیٹا وہ ہے قدم بہ قدم ہو جو باپ کے

۸۶ آؤ ، تمھیں قسم ہے جنابِ امیرؑ کی
بگڑو نہ سرکشی پہ سپاہِ شریر کی
ہمراہ بیٹیاں ہیں شہِ قلعہ گیر کی
سب سے جدا ہی چاہیے منزل فقیر کی
کیا دشت کم ہے ، صابر و شاکر کے واسطے ؟
یہ اہتمام ایک مسافر کے واسطے ؟

۸۷ تھوڑے سے بستروں کی ہے درکار ہم کو جا
جنگل ہوا تو کیا جو ترائی ہوئی تو کیا
ہے عمر بے ثبات ، زمانہ ہے بے وفا
آرام کا محل نہیں ، یہ عاریت[۴۸] سرا
اب وہ کہاں ہیں ، شہر جنھوں نے بسائے ہیں ؟
سب اس زمیں پہ خاک میں ملنے کو آئے ہیں

۸۸
آقا نے دی جو اپنے سرِ پاک کی قسم
بس تھرتھرا کے رہ گیا وہ صاحبِ کرم
پر تھی شکن جبیں پہ، نہ ہوتا تھا غیظ کم
چپ ہو گئے قریب جب آئے شہِ اُمم
گردن جھکا دی تا نہ ادب میں خلل پڑے
قطرے لہو کے آنکھوں سے لیکن نکل پڑے

۸۹
تیغ و سپر کو پھینک کے بولا وہ نام ور
کہہ دیجیے ان سے کاٹ کے لے جائیں میرا سر
حکمِ خدا ہے حکمِ شہنشاہِ بحر و بر
اب کچھ کہوں زباں سے کیا تاب، کیا جگر
میں ہوں غلام آپ کے ادنیٰ غلام کا
آقا! مجھے خیال تھا بابا کے نام کا

۹۰
اُترے گی آ کے نہر پہ اب شام کی سپاہ
پانی بھی ہم پہ بند کریں گے یہ رو سیاہ
اس دشت میں نہ اور ہے چشمہ کوئی، نہ چاہ
سب قافلہ حضور کا ہو جائے گا تباہ
اس فکر میں غلام کا دل آب آب ہے
پر عینِ مصلحت ہے، جو حکمِ جناب ہے

۹۱
گردن میں ہاتھ ڈال کے حضرت نے یہ کہا
کیوں کانپتے ہو غیظ سے بھائی! یہ کیا، یہ کیا
لو، اب اٹھا لو تیغ و سپر، تم پہ میں فدا
دریا کو تم تو لے چکے، اے میرے مہ لقا
وہ شیر ہو کہ دھاک ہے ساری خدائی میں
دیکھو، کوئی تمھارے سوا ہے ترائی میں؟

۹۲ اس قوم سے نہ رد و بدل چاہیے تمھیں
غصہ، نہ برہمی، نہ جدل چاہیے تمھیں
قربِ خدائے عز و جل چاہیے تمھیں
جو ہم کہیں اسی پہ عمل چاہیے تمھیں
بھائی! جگہ مزار کی پہچانتا ہوں میں
جو ہوگا اس زمیں پہ، اسے جانتا ہوں میں

۹۳ ہے منکشف اِمام پہ احوالِ بحر و بر
حق نے کیا ہے واقفِ اسرارِ خشک و تر
صدمہ ہے دل پہ، کیا میں کہوں تم سے یہ خبر
قبضہ تمھارا تا بہ قیامت ہے نہر پر
دولت[۳۹] لٹے گی یاں اسدِ کردگار کی
بھیّا یہی جگہ ہے تمھارے مزار کی

۹۴ ہوتا ہے کیا، ہزار کہیں ساکنانِ شام
بخشا ہے تم کو خالقِ اکبر نے یہ مقام
کہتے ہیں اس زمیں پہ ملک آ کے صبح شام
یاں ہوگی قبرِ حضرت عبّاسِ نیک نام
دیں دار گرد قبر کے بستی بسائیں گے
شہروں سے لوگ یاں کی زیارت کو آئیں گے

۹۵ سچ ہے کہ ہاتھ آپ کے آئی ہے یہ جگہ
پیارے ہمارے بھائی کو بھائی ہے یہ جگہ
ٹھنڈی ہوا میں سونے کو پائی ہے یہ جگہ
کیا سبزہ، کیا نفیس ترائی ہے یہ جگہ!
لنگر ہو تم نجات کی کشتی کے واسطے
لازم ہے قربِ نہر بہشتی کے واسطے

۹۶
آؤ ، اب اپنی قبر کی جا ہم تمھیں دکھائیں
مقتل میں نخل بھی نہیں ، سایہ کہاں سے لائیں
قسمت میں یہ لکھا ہے کہ مقتل کی دھوپ کھائیں
چالیس روز تک نہ کفن اور نہ غسل پائیں
میداں ہو اور لاشِ حسینؑ غریب ہو
بھائی قریب ہو ، نہ ترائی قریب ہو

۹۷
عبّاس آب دیدہ ہوئے سن کے یہ کلام
بھائی کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر چلے امام
فرمایا واں پہنچ کے ، جو تھا قتل کا مقام
دیکھو ! حسینؑ قتل یہیں ہوگا تشنہ کام
بھائی ! مقامِ خیمۂ آلِ عبا ہے وہ
باہر ہے جو نشیب سے ، تربت کی جا ہے وہ

۹۸
رونے لگے پکار کے عبّاس نام دار
شہ نے کہا کہ ضبط کرو ، تم پہ میں نثار
سن پائے گی جو زینبِ بے کس یہ حالِ زار
مر جائے گی تڑپ کے ابھی وہ جگر فگار
مجھ کو بہت خیال ہے زہراؑ کی جائی کا
مرنا کوئی بہن نہ سنے اپنے بھائی کا

۹۹
قدموں پہ سر جھکا کے یہ بولا وہ نیک نام
ارشاد یہ تو کیجیے اے قبلۂ انام
پہلے مرے گا آپ سے یہ با وفا غلام ؟
رو کر کہا کہ ہاں یہی ہوئے گا لاکلام
مجبوری ہے کہ بھائی کو ہاتھوں سے کھوئیں گے
روؤ گے تم نہ ہم کو ، ہمیں تم کو روئیں گے

۱۰۰
مژدہ یہ سن کے شاد ہوا وہ اسیرِ غم
سجدہ کیا کہ بھائی سے پہلے مریں گے ہم
ریتی پہ آکے گاڑ دیا شیر نے علم
برپا ہوئے خیامِ شہِ آسماں حشم
ذرے نجوم بن گئے سارے زمین پر
اترے خدا کے عرش کے تارے زمین پر

۱۰۱
کھینچا فلک پہ خیمۂ زنگارگوں نے سر
روشن ہوئے کلس کی تجلّی سے دشت و در
تارِ شعاع تھے کہ طنابیں تھیں جلوہ گر
پردا حرم کا تھا کہ قناتیں اِدھر اُدھر
جنگل کا اوج ہو گیا خیمے کی شان سے
پلّہ زمیں کا اُٹھ کے مِلا آسمان سے

۱۰۲
تھا اس کے ارتفاع میں کرسی کا سب جو طور
سُکّانِ عرش دیکھتے تھے فرش کو بہ غور
شمسے کا اوج اوج تھا، خیمے کا دور دور
گویا کہ آسماں کے تلے آسماں تھا اور
سر جا ملا جو شمسۂ کیواں جناب کا
سونا اتر گیا ورقِ آفتاب کا

۱۰۳
خیمے میں جا چکے جو حرم با صد احترام
ڈیوڑھی پہ آ کھڑے ہوئے عبّاس نیک نام
کمریں اِدھر کھلیں، اُدھر اتری سپاہ شام
بھائی کو لے کے خیمے میں داخل ہوئے امام
اُمڈا تھا دل جو سبطِ نبیؐ کی جدائی سے
زینب لپٹ کے رونے لگیں چھوٹے بھائی سے

۱۰۴ آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
صدقہ آتارو کچھ مرے بھائی پہ اے بہن!
تھے دس ہزار مستعدِ جنگ تیغ زن
جیتا میں؟ زخمی ہوتے جو عبّاسِ صف شکن
آزردہ ہیں کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا
دیکھو، ابھی تلک نہیں ابرو سے بل گیا

۱۰۵ لے کر بلائیں، کہنے لگی وہ جگر فگار
کیا جی میں آ گئی تھی یہ، بھیّا! بہن نثار
محمل میں میں تو سر کو پٹکتی تھی بار بار
صدقے کروں وہ نہر لڑیں، جس پہ نابکار
پیارا رہے انھیں جنھیں پانی عزیز ہے
بھیّا! ہمیں تمھاری جوانی عزیز ہے

۱۰۶ منہ رکھ کے منہ پہ، بالی سکینہ نے یہ کہا
عاشق کو میرے پھیر کے لایا مرا خدا
روتی تھی میں، سنی بھی نہ تم نے مری صدا
بس اب کہیں نہ جائیو، اچھے مرے چچا
اس بے کسی میں دلبرِ زہرا[۴] کا کون تھا
آتے نہ تم تو پھر مرے بابا کا کون تھا

۱۰۷ کہنے لگی یہ زوجۂ عبّاسِ خوش بیان
غصّے میں اِن کو کچھ نہیں رہتا کسی کا دھیان
ہر بات میں ہے شیرِ الٰہی کی آن بان
یہ جان کو بھلا کبھی سمجھے ہیں اپنی جان؟
آتا ہے غیظ جب تو نہ کھاتے نہ پیتے ہیں
یہ تو فقط حسین[۴] کے صدقے میں جیتے ہیں

۱۰۸ ( ) فرمایا شہ نے بھائی سے ، اب کھولیے کمر
زینب نے لے لی ہاتھ سے شمشیر اور سپر
بیٹھے نہ تھے ابھی کہ یہ اکبر نے دی خبر
فوج اور آئی شام سے ، یا شاہِ بحر و بر!
مجمع غضب سپاہ کا دریا کے پاس ہے
شہ نے کہا کہ ہووے ، تمھیں کیا ہراس ہے

۱۰۹ آخر ہوا وہ دن تو ہوئی رات کو یہ دھوم
آ پہنچا لے کے فوجِ گراں ابنِ سعدِ شوم
اک لاکھ سے سوا ہیں جوانانِ شام و روم
آفت کی ہے بھیڑ ، قیامت کا ہے ہجوم
کیسا شمار ، حصر نہ تھا ، انتہا نہ تھی
دیکھا جو صبح کو کہیں بستر کی جا نہ تھی

۱۱۰ ( ) آمد اسی طرح رہی لشکر کی روز و شب
نرغے میں آ گیا پسرِ سیّد العرب
گرمی میں ساتویں سے ہوئی شدّتِ تعب
پانی مسافروں پہ ہوا بند ، ہے غضب
مرجھا گیا چمن شہِ گردوں جناب کا
شور آٹھویں سے ہونے لگا 'آب آب' کا

۱۱۱ ( ) غش تھے ہم کو پیاس سے اطفالِ شاہِ دیں
جز آبِ اشک پانی کا قطرہ کہیں نہیں
تھا دودھ خشک ، پیٹتی تھی بانوے حزیں
دم توڑتا تھا جھولے میں اصغر سا نازنیں
خندق میں گرد خیمے کے آتش بھڑکتی تھی
باقر تڑپ رہا تھا ، سکینہ بلکتی تھی

١١٢ روئے میں وہ پہاڑ سا دن جب ہوا تمام
آئی سیہ بلا کی طرح شامِ تیرہ فام
شب تھی مسافروں کے لیے موت کا پیام
غل تھا کہ ایک رات کے مہماں ہیں امام
مل لو جنابِ فاطمہ[ع] کے نور عین سے
خالی سحر کو ہوگا زمانہ حسین[ع] سے

١١٣ لکھوں سیاہیِ شبِ عاشور کا جو حال
دفتر سیاہ ہوں شبِ دیجور کی مثال
چھایا ہوا تھا ابرِ غم و حسرت و ملال
کھولے تھے اہلِ بیتِ محمد[ص] سروں کے بال
پیاسوں سے پوچھو، رات وہ کیوں کر بسر ہوئی
بس مختصر یہ ہے کہ غضب کی سحر ہوئی

مطلعِ دوم

١١٤ گردوں پہ جب بیاضِ سحر کا ورق کھلا
یعنی کتابِ ذکرِ خدا کا سبق کھلا
بزمِ جہاں میں دفترِ نظم و نسق کھلا
ظلمت نہاں ہوئی درِ باغِ شفق کھلا
پہنچا فلک پہ ماہ کو حکم انقلاب کا
موجِ ہوا سے پھول کھلا آفتاب کا

۱۱۵ ہونے لگے چراغِ نجوم آسماں پہ گل
قرنا پُھنکی، سپاہِ عدو میں بجا دُہل
برپا حسینیوں میں ہوا یاں اذاں کا غل
پڑھنے لگے نماز شہنشاہِ جز و کل
قدسی ہوئے نثار جماعت کی شان پر
نعرے نمازیوں کے گئے آسماں پر

۱۱۶ سجدے میں یاں جھکے تھے ابھی عابدوں کے سر
فوجِ ستم میں ہو گئیں صف بندیاں آدھر
دو چار تیر آ کے گرے جب قریبِ در
حضرت پہ آ کے روک لی عبّاس نے سپر
کی عرض، سرکشی پہ یہ سب فوجِ شام ہے
فرمایا آپ نے، یہ اجل کا پیام ہے

۱۱۷ پھر بیٹھے جانماز پہ شاہِ فلک وقار
شانہ کیا محاسنِ اقدس میں چند بار
سر پر رکھا عمامۂ محبوبِ کردگار
پہنی قبائے خسروِ عالم بہ افتخار
پیدا ہوئے تھے خلق میں رحمت کے واسطے
باندھی کمر شفاعتِ امّت کے واسطے

۱۱۸ رخصت کو اہلِ بیتِ نبیؐ میں گئے امام
قدموں پہ لوٹنے لگیں سیدانیاں تمام
وہ شور 'الفراق' کا، وہ یاس کے کلام
بچے بھی سر پٹکتے تھے لے لے کے شہ کا نام
روتے تھے یوں تو لپٹے ہوئے سب حسینؑ سے
لیکن کلیجے پھٹتے تھے زینب کے بَین سے

۱۱۹ روتے تھے ماں کے پہلو میں زینب کے نونہال
پر غم میں بھائی کے اُسے مطلق نہ تھا خیال
گرنے میں تھامتے تھے جو ماں کو وہ خوش خصال
کہتی تھی مرنے جاتا ہے خیرالنسا کا لال
قربان جاؤں ، منہ نہ پھرانا لڑائی سے
ہشیار رہیو ، بہرِ خدا میرے بھائی سے

۱۲۰ قاسم سے کوئی کہتی تھی ، اے میرے نوجوان
چھپ جائے گی اب آنکھوں سے ہے ہے حسن کی شان
اک سو تھا مادرِ علی اکبر کا یہ بیان
اٹھارھویں برس میں بچھڑتے ہو میری جان
رخصت کو ماں سے آئے ہو زلفیں سنوار کے
چڑھنا جہاد پر مجھے صدقے اُتار کے

۱۲۱ دیکھا گیا نہ شاہ سے سیدانیوں کا حال
بس 'الوداع' کہہ کے چلا فاطمہؑ کا لال
باہر جو آئے روتے ہوئے شاہِ خوش خصال
دیکھا کہ فوج سب ہے مسلّح پئے جدال
جھک کر سلام غازیوں نے با ادب کیا
گھوڑا سوارِ دوش نبیؐ نے طلب کیا

۱۲۲ آیا عجب شکوہ سے شبدیزِ تیزگام
طاؤس و کبک دیکھتے تھے جلوۂ خرام
دامن قبا کا رکھ کے کمر میں بڑھے امام
عبّاس نے رکاب کو تھاما بہ احترام
چُھوٹی قدم سے میں ، یہ ہوا غم زمین کو
جبریل جھاڑنے لگے شہپر سے زین کو

۱۲۳
حاصل ہوا جو فیضِ قدم بوسیِ جناب
اللہ ری ضیا، مہ نو بن گئی رکاب
روشن تھے بدر سے سُمِ اسپِ صبا شتاب
ثابت تھا صدرِ زیں سے، کہ ہے برج آفتاب
انساں تو کیا ہیں، دیدۂ انجم بھی بند ہیں
تارِ شعاع موے ایالِ سمند ہیں

۱۲۴
کس اوج سے خدیوِ زمین و زماں چلا
رہوار کیا زمیں پہ چلا، آسماں چلا
لے کر نشاں علیِؑ ولی کا نشاں چلا
دامن بھرے ہوئے علمِ زرفشاں چلا
اختر نثارِ بخششِ سبطِ رسولؐ تھے
ذرے نہ تھے زمیں پہ، سونے کے پھول تھے

۱۲۵
سادات کے وہ چہروں کی ضو، وہ علم کی شان
تکتا تھا اُس زمین کے چہرے کو آسمان
وہ برچھیاں سنبھالے ہوئے ہاشمی جوان
رن میں نہ مرتے مرتے گئی جن کی آن بان
وار اُن کے معرکے میں ہزاروں پہ چل گئے
قبضے چُھٹے نہ ہاتھوں سے اور دم نکل گئے

۱۲۶
پہنچے جو اس شکوہ سے وہ غازیانِ دیں
گاڑا سپاہِ کفر کے آگے نشانِ دیں
اللہ رے جلوۂ قمرِ آسمانِ دیں
روشن تھا جس کے نور سے سب خاندانِ دیں
افروختہ تھا چہرۂ اقدس جناب کا
شوکت تھی عرش کی تو جلال آفتاب کا

۱۲۷ چلّوں میں جوڑنے لگے واں تیر اہلِ شر
سینے حسینیوں نے اِدھر کر دیے سپر
لشکر سے چند گام بڑھے شاہِ بحر و بر
حجّت تمام کی، پہ نہ سمجھے وہ بد گُہر
مطلق نہ تھی تمیز خطا و صواب میں
تیر آئے سرکشوں کی طرف سے جواب میں

۱۲۸ عبّاس نے کہا کہ ہوا پر ہیں یہ شریر
مولا! کہاں کلامِ نصیحت، کہاں وہ تیر
خاموش ہیں ادب سے جوانانِ بے نظیر
موقع بس اب ہے جنگ کا، اے آسماں سریر!
کیا قدرتِ خدا ہے کہ روباہ[۵۲] شیر ہوں
جب ان سے چھین لے کوئی دریا تو زیر ہوں

۱۲۹ بولے حبیب، رحم کی بھی انتہا ہے اب
دیجے رضا جہاد کی، یا شاہِ تشنہ لب!
گزرے ہیں سات روز کہ ہے روح پر تعب
بچّوں کو بھوک پیاس میں یہ تیسری ہے شب
کٹ جائیں پیاسے حلق، ادا سر سے دَین ہو
اب سلسبیل پر کہیں پہنچیں تو چین ہو

۱۳۰ فرمایا! واں کثیر ہے لشکر، یہاں قلیل
اچّھا، لڑو! کہ خالقِ کونین ہے کفیل[۵۳]
نزدیک اب ہے کوثر و تسنیم و سلسبیل
دے گا مجاہدوں کو خدا رتبۂ جلیل
یاں اشتیاقِ خنجرِ قاتل ہمیں بھی ہے
درپیش عصر تک یہی منزل ہمیں بھی ہے

۱۳۱ یہ سن کے شاد شاد ہوئے وہ خوش اعتقاد
رخصت انھیں ملی کہ ملا گوہرِ مراد
تیغیں پکڑ پکڑ کے جو نکلے پئے جہاد
میداں سے اٹھ گئے قدمِ لشکرِ عناد
کس آبرو سے فدیۂ راہِ خدا ہوئے
سر دے کے، سب امام کے حق سے ادا ہوئے

۱۳۲ نصف النّہار[۵۴] تک تھا یہی شورِ کارزار
مرنے کو یہ چلا، وہ تڑپ کر ہوا نثار
رخصت اِسے کیا، تو اسے روئے زار زار
جاتے تھے آپ لاشے اٹھانے کو بار بار
ایک ایک نے سعادتِ عقبیٰ حصول کی
دم نکلے سب کے گود میں سبطِ رسول[ص] کی

۱۳۳ لٹنے لگی علی[ع] کی بضاعت[۵۵] دمِ زوال
کام آئے رن میں جعفر و مسلم کے نونہال
زینب کے نونہال بھی جب کر چکے جدال
حضرت کو داغ دے کے سدھارا حسن[ع] کا لال
ستّر دلیر قتل ہوئے حق کی راہ میں
دو تشنہ کام رہ گئے ساری سپاہ میں

۱۳۴ اس وقت تھا عجب شہِ دیں پر ہجومِ یاس
ڈھلنا وہ دوپہر کا، وہ آندھی، وہ لُوں، وہ پیاس
لاشے پڑے ہوئے تھے عزیزوں کے آس پاس
رو کر فلک کو دیکھتے تھے شاہِ حق شناس
اٹھتا تھا دردِ دل تو قدم لڑکھڑاتے تھے
فرما کے "یا علیِّ ولی" بیٹھ جاتے تھے

''ھل من مبارزِ''۵۶ کی جو اعدا میں تھی پکار
بھائی کو دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
ڈیوڑھی پہ تھا یہ شور کہ یا شاہِ نام دار!
دوڑو، چلی۵۷ جہاں سے سکینہ جگر فگار
ہے ہے یہ کیسی آگ لگی ہے زمانے کو
قطرہ نہیں ہے پانی کا منہ میں چُوانے کو

گردن جھکائے چپ تھے شہنشاہِ بحر و بر
لب برگِ گل سے خشک تھے، رخ آنسوؤں سے تر
صدمے سے ہاتھ ملتے تھے عبّاسِ نامور
پانی تھا غم سے اکبرِ ذی جاہ کا جگر
تلخ ان کو زیست تھی، انھیں سر بارِ دوش تھا
دونوں دلاوروں کو شجاعت کا جوش تھا

بڑھ کر چچا سے کہتے تھے اکبر یہ دم بہ دم
رخصت کو عرض کرنے ہیں اب شاہِ دیں سے ہم
فرماتے تھے اشارے سے۵۸ عبّاسِ ذی حشم
کہیو نہ کچھ، تمھیں سرِ شبّیرؑ کی قسم
پہلے فدا وہ ہوگا جو خدمت گزار ہے
مر لے یہ جاں نثار، تو پھر اختیار ہے

یہ کہہ کے رکھ دیا قدمِ شاہ۵۹ دیں پہ سر
حضرت سمجھ گئے کہ اب ان کا بھی ہے سفر
صدمے سے قلب ہل گیا، تھرّا گیا جگر
طاقت نے تن سے کوچ کیا، جھک گئی کمر
کیا سنبھلے جس پہ ظلم کا یوں آسماں گرے
دل تھام کر زمیں پہ امامِ زماں گرے

۱۳۹ بھائی کے سر کو چھاتی سے لپٹا کے یہ کہا
بتلاؤ کیا ارادہ ہے؟ اے میرے مہ لقا!
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ باوفا
پیاسی سکینہ مرتی ہے یا شاہِ کربلا!
گزرے ہیں تین دن یونہی اُس خوش صفات پر
گر اِذن[۶۰] ہو تو پانی کو جاؤں فرات پر

۱۴۰ بولے بہا کے اشک امامِ فلک جناب
یہ موت کا پیام ہے، بچّوں کا اضطراب
صابر ہر اک بلا میں ہے فرزندِ بوتراب
اچّھا یہ ہے صلاح تو کیجے تلاشِ آب
مشتاق آپ دیر سے جنگ و جدل کے ہیں
پانی کہاں کا، سب یہ اجل کے بہانے ہیں

۱۴۱ کیا اختیار، خیر دغا دیجیے ہمیں
جینے کی کوئی شکل بتا دیجیے ہمیں
ملیے گا اب کہاں، یہ بتا دیجیے ہمیں
رو لیں لپٹ کے، اتنی رضا دیجیے ہمیں
بھائی کی زیست، قوّتِ بازو کے ساتھ ہے
پوچھو ہمارے دل سے کہ برسوں کا ساتھ ہے

۱۴۲ یہ کہہ کے اس طرح ہوئے شبّیر[۴] نوحہ گر
روئے جواں پسر کے لیے جس طرح پدر
رخصت کی اہلِ بیت کو بھی ہو گئی خبر
گھبرا کے آئی بالی سکینہ قریبِ در
چلّائی عمّو جان اِدھر آ کے جائیے
دیدار آخری مجھے دکھلا کے جائیے

١٤٣
یاں چڑھ چکے تھے گھوڑے پہ عبّاسِ حق شناس
آئے صدا بھتیجی کی سنتے ہی در کے پاس
بولی یہ مشک دے کے سکینہ بہ درد و یاس
قربان عمّو جان ، بجھا دو ہماری پیاس
پُھنکتا ہے دل عطش سے ، کلیجا کباب ہے
سقّائی کیجیے کہ یہ کار ثواب ہے

١٤٤
عبّاس نے کہا کہ مرا فخر ہے یہ کام
بی بی ! تمھارے باپ کا ادنیٰ ہے یہ غلام
دی تم نے آبرو مجھے ، اے دخترِ امام !
اب ہو گیا جہاں میں بہشتی ہمارا نام
کوثر میں سمجھوں دوش پہ گر مشکِ آب ہو
تم بھی دعا کرو کہ چچا کامیاب ہو

١٤٥
کہہ کر یہ بات ، باگ اُٹھائی سمند کی
صورت بدل گئی فرسِ سربلند کی
چھل بل ہرن کی ، تیز پری تھی پرند کی
سرعت بلائیں لیتی تھی ہر جوڑ بند کی
بجلی چمک کے چھپ گئی ، پارا تڑپ گیا
جنگل میں یوں اُڑا کہ چکارا تڑپ گیا

١٤٦
مرکب قدم زمیں پہ نہ رکھتا تھا ناز سے
بجلی کو خوف کیا ہے نشیب و فراز سے
چالاکیاں دکھاتا تھا کس امتیاز سے
اُڑتا تھا ، پر صدا نہ نکلتی تھی ساز سے
راکب وہ ہیں جو فرقِ دو عالم کے تاج ہیں
گھوڑا بھی جانتا ہے کہ نازک مزاج ہیں

۱۴۷
وہ تھوتھنی ، وہ اُبلی ہوئی انکھڑیاں ، وہ یال
گویا کھلے تھے حور کے گیسو ، پری کے بال
وہ جلد ، وہ دماغ ، وہ سینہ ، وہ سُم ، وہ چال
دم میں کبھی ہُما ، کبھی ضیغم ، کبھی غزال
وہ قصرِ آسماں پہ بھی جانے میں طاق تھا
دو پر اگر خدا اسے دیتا ، براق تھا

۱۴۸
گھوڑے کی یہ شکوہ ، وہ شوکت سوار کی
تصویر تھی ہوا پہ شہِ ذوالفقار کی
وہ نور ، وہ چمک ، علمِ زر نگار کی
خوشبو مہک رہی تھی نسیمِ بہار کی
پنجہ نہ تھا ، نشانِ ثریا مآب کا
تھا فرقِ[61] جبرئیل پہ تاج آفتاب کا

۱۴۹
بڑھ کر صدا یہ دیتا تھا اقبال دم بہ دم
افزوں ترا جلال ! دو بالا ترا حشم !
نصرت پکارتی تھی جلو میں ، قدم[62] قدم
جب تک ہے آفتابِ درخشاں ، رہے علم
مطلب منافقوں کے جو ہیں ملتوی رہیں
یا رب ! ترے حسین[4] کے بازو قوی رہیں

۱۵۰
اللہ رے جلالت و شوکت حضور کی !
دہشت سے اٹھ نہ سکتی تھی گردن غرور کی
ہر جا فرس شکوہ دکھاتا تھا طور کی
بجلی قدم قدم پہ چمکتی تھی نور کی
ذروں کی ضو سے مہرِ جہاں تاب زرد تھا
مٹی میں یہ دمک تھی کہ کندن بھی گرد تھا

۱۵۱ پہنچا جو اِس جلال سے وہ آفتابِ دیں
دیکھا سپاہ کو، صفتِ شیرِ خشم گیں
گاڑا جو دبدبے سے عَلم، ہل گئی زمیں
ہٹ ہٹ کے مورچوں سے پکارے یہ اہلِ کیں
غازی ہے، صف شکن ہے، جری ہے، دلیر ہے
ہٹتا نہ تھا ترائی سے جو، وہ یہ شیر ہے

۱۵۲ گر دے کے اپنے سر کی قسم لے نہ جاتے شاہ
دریا سے اس جری کو ہٹا سکتی تھی سپاہ؟
گویا کھڑے تھے تیغ بہ کف ضیغمِ اِلٰہ
کیا قہر کی نگاہ تھی، اللہ کی پناہ
پلکوں کی تیزیوں سے کلیجے فگار تھے
جنبش بھووں کی تھی کہ سروہی کے وار تھے

۱۵۳ خود اب تو دی ہے شہ نے اُسے رخصتِ جدال
دریا کو ایک حملے میں لے گا یہ خوش خصال
اس کا جلال حیدرِ[۴] صفدر کا ہے جلال
سرکش جو لاکھ ہوں تو کرے دم میں پائمال
اُس معرکے میں بس نہ چلا اِس کا بھائی سے
دیکھو! یہ شیر اب نہ ہٹے گا ترائی سے

۱۵۴ یہ سن کے تہلکہ صفِ اعدا میں پڑ گیا
ٹوٹا یہ مورچہ، وہ رسالا بگڑ گیا
ہر غول میں عَلم سے عَلم جھک کے لڑ گیا
جو رہ گیا نشاں، وہ خجالت سے گڑ گیا
ہل چل میں چٹکیوں سے جو چِلّے نکل گئے
اِس صف کے تیر سہم کے اُس صف پہ چل گئے

۱۵۵
تیغیں کھنچی لیے ہوئے بھاگے جو اہلِ شر
کٹ کر کسی کا ہاتھ گرا اور کسی کا سر
تلوار یاں پڑی تھی کسی کی، تو واں سپر
برچھی تھی اِس شقی کی تو اُس نحس[۶۳] کا جگر
یہ جنگ تھی کہ حشر، کوئی جانتا نہ تھا
بیٹے کو باپ خوف سے پہچانتا نہ تھا

۱۵۶
گھبرا کے ابنِ سعد نے لشکر کو دی صدا
چھوڑ آئے مورچوں کو شجاعو! یہ کیا کیا
اتنا ہراس نامورو! ننگ کی ہے جا
وہ کون تھے، علیؑ سے لڑے جو دمِ وغا
سب مل کے روکتے نہیں اس تشنہ کام کو؟
کھوتے ہو معرکے میں بزرگوں کے نام کو؟

۱۵۷
قاتل تمھارے جدّ و پدر کا تھا جو دلیر
ہاں غازیو، اُسی کا جگر بند ہے یہ شیر
کرتے ہیں رستموں کو زبردستیوں سے زیر
دشمن کو پا کے، واہ یہ کم جرأتی! یہ دیر!
بڑھ بڑھ کے یوں لڑو کہ تہمتن بھی گرد ہو
لو کشتگانِ بدر کا بدلہ، جو مرد ہو

۱۵۸
یہ سن کے سب کو جوش حمیّت کا آ گیا
ابلیس آ کے راہِ ضلالت بتا گیا
پھر ابرِ فوجِ شام لبِ نہر چھا گیا
شور دُہل سے رعد کا دل تھرتھرا گیا
جو جو تھے منتشر، وہ پرے پھر بہم ہوئے
پھر سب نشان کھل گئے، نیزے عَلم ہوئے

۱۵۹ پڑھ کر رجز علیؑ ولی کا پسر بڑھا
گویا شکار کھیلنے کو شیرِ نر بڑھا
دریائے قہرِ خالقِ جنّ و بشر بڑھا
بحرِ نبردِ مالکِ فتح و ظفر بڑھا
تڑپا جو رخش، برق نگاہوں سے گر گئی
آمد خدا کے شیر کی نظروں[۶۴] میں پھر گئی

۱۶۰ کانپے طبق زمیں کے، ہلا چرخِ لاجورد
مانندِ کہربا ہوا ستّی کا رنگ زرد
اٹھ کر زمیں سے بیٹھ گئی زلزلے میں گرد
تیغوں کی آنچ دیکھ کے بھاگی ہوائے سرد
گرمی سے رن کی، ہوش اڑے وحش و طیر کے
شیر اس طرف اتر گئے دریا کو پیر کے

۱۶۱ نکلی اِدھر غلاف سے وہ برقِ شعلہ ریز
چلنے میں ذوالفقار تھی جس کی زبانِ تیز
چمکے شرر، بھڑکنے لگی آتشِ ستیز
گھیرا اجل نے، بند ہوئے کوچۂ گریز
آیا خدا کا قہر ہر اک رو سیاہ پر
بجلی محیط ہو گئی ساری سپاہ پر

۱۶۲ چمکی، گری، تڑپ کے کلیجے ہلا گئی
جو تھے ہوا پہ خاک میں ان کو ملا گئی
بھڑکی دلوں میں آگ وہ پانی پلا گئی
جوہر دکھا کے فوج کو ہیرا کھلا گئی
دعوی تھا خونِ قاسم یوسف جمال کا
یوں تیغ نے عوض لیا شبّر[۴] کے لال کا

۱۶۳ کھا کھا گئی صفوں کو برابر لڑائی میں
ٹھہری نہ بے لہو پیے دم بھر لڑائی میں
ثابت رہے تھے جن کے قدم ہر لڑائی میں
پہلے انھی کے کاٹ گئی سر لڑائی میں
دو ٹکڑے ہو کے گرتا تھا جو راہوار سے
یہ اٹھ کے داد مانگتی تھی ذوالفقار سے

۱۶۴ جس غُول پر گری، نہ رُکی، نے تھمی کہیں
اک دم بھی کی نہ اس کی بُرِش نے کمی کہیں
چمکی کہیں کسی پہ، کسی جا دمی[۶۵] کہیں
فوجوں میں ابتری تھی کہیں، برہمی کہیں
کاٹے ہوئے نشاں تھے زمیں پر پڑے ہوئے
ہر جا تھے ضربِ تیغ کے جھنڈے گڑے ہوئے

۱۶۵ جل جل کے آبِ تیغ سے کفّار مر گئے
پس پس کے بھاگتے میں جفاکار مر گئے
نامی تھے جتنے، سب وہ نمودار مر گئے
دو[۶۶] ہاتھ جب اِدھر سے چلے چار مر گئے
غل تھا کہ زلزلے میں زمیں آج رن کی ہے
کہتا تھا شیر، ہاں یہ مدد پنجتن کی ہے

۱۶۶ جب وار چل گیا سپرِ آہنیں کٹی
دستانہ کٹ کے، ہاتھ کٹا، آستیں کٹی
مِغفر کٹا، دو نیم ہوا سر، جبیں کٹی
سینے کو لے کے زیں سے جو اتری، زمیں کٹی
چَورنگ تھا فرس تو دوپارا سوار تھا
اللہ رے منہ کہ تیغ نے جانا خیار تھا

۱۶۷ آئی جدھر لہو میں سراسر بھری ہوئی
خالی صفوں میں اور سوا ابتری ہوئی
بے جاں تھا ، جس پہ سایہ فگن وہ پری ہوئی
پھرتی تھی ساتھ ساتھ اجل ، پر ڈری ہوئی
آنچ اس کی قہر تھی ، کوئی کیونکر الگ نہ جائے
چھپتی تھی برق بھی کہ ہوا اس کی لگ نہ جائے

۱۶۸ بے سر تھا ، جس کے فرق پہ وہ جاں گزا لگی
اک آگ تھی کہ چنبرِ گردوں میں جا لگی
چار آئنے پہ ضربتِ قہرِ خدا لگی
کڑیاں کھُلیں زرہ کی ، جب اُس کی ہوا لگی
برپا تھا شور چار طرف "بھاگ بھاگ" کا
پانی ، اثر دکھاتا تھا لوہے کو ، آگ کا

۱۶۹ پلٹی اُدھر سے جب ، تو اِدھر کا پرا نہ تھا
کاٹے تھے سر ، پہ فرق بُرِش[۶۷] میں ذرا نہ تھا
چھٹکا ہوا تھا سم ، بدن اس کا ہرا نہ تھا
خوں سب کا پی گئی تھی ، مگر دم بھرا نہ تھا
سیلِ فنا تھا جنگ میں کاٹ اس کی دھار کا
دم خم تھا گھاٹ باڑھ میں ، سب ذوالفقار کا

۱۷۰ گورا وہ ہاتھ ، اور وہ تلوار کی چمک
تھی صاف تیغ حیدرِ[۴] کرّار کی چمک
موجوں پہ عکس ڈالتی تھی ، دھار کی چمک
اُس پار تک پہنچتی تھی اِس پار کی چمک
اک شور تھا ، کہ آگ لگی کائنات میں
خشکی میں زلزلہ تھا ، تلاطم فرات میں

۱۷۱ بڑھ بڑھ کے چل رہی تھی جو تلوار چار سُو
کُشتوں کے بڑھتے جاتے تھے انبار چار سُو
تھا رن میں گرم موت کا بازار چار سُو
پھرتا تھا جھوم جھوم کے رہوار چار سُو
تیغ آئی جس پہ اس کا بھی وار اُس پہ چل گیا
وہ سر گرا گئی ، تو یہ لاشہ کچل گیا

۱۷۲ ثابت ہو جس پہ زِرہ ، کوئی ایسی کہاں نہ تھی
تیر افگنوں کی خوف سے خاطر نشاں نہ تھی
گر ، میان تھا تو تیغ دمِ امتحاں نہ تھی
یہ طُرفہ بات تھی کہ دہن تھا ، زباں نہ تھی
جرّار سر جھکائے تھے تلوار کی طرح
سرکش خموش تھے لبِ سوفار کی طرح

۱۷۳ جب ضرب کی ، زمیں کے طبق ہل کے رہ گئے
سر اُڑ گئے ، گلوں سے گلے مل کے رہ گئے
زخموں کے پھول چار طرف کِھل کے رہ گئے
بسمل تڑپ کے سامنے بسمَل کے رہ گئے
برہم مزاجِ لختِ دلِ بوتراب تھا
لاشے اُلٹ گئے ، یہ نیا انقلاب تھا

۱۷۴ ممکن نہ تھا کہ ایک کو سو میں اماں ملے
مارا انھیں چُھپے ہوئے ظالم جہاں ملے
جو نامور بڑے تھے، نہ ان کے نشاں ملے
ریتی پہ گر ملے بھی تو لاشے تپاں ملے
کیوں معرکے میں تیغ دو دم سرخ رو نہ ہو
ایسی جگہ نہ تھی کوئی جس جا لہو نہ ہو

۱۷۵ زُہرہ کسی کا آب تھا ڈر سے ، کسی کا دل
بھائی ٹھہر نہ سکتا تھا ، بھائی کے متّصل
آفت تھی ، قہر تھی ، بُرشِ تیغِ جاں گُسل
کرتی تھی شکل کو وہ ہیولٰی سے منفعل
ٹکڑے تھا منہ ، سزا تھی یہ اعمالِ زشت کی
ہیئت بدل گئی تھی ہر اک بدسرشت کی

۱۷٦ ڈوبے لہو میں ، گھاٹ ستم‌گار روک کے
دم بھر نہ رک سکا کوئی اک وار روک کے
جب بھاگتا سپر کو سیہ کار روک کے
عبّاس مسکراتے تھے تلوار روک کے
ٹھہرا جہاں ، وہیں لیا گھوڑے کو پھیر کے
کوئی شکار بچتا ہے پنجے سے شیر کے ؟

۱۷۷ وہ تیغ شعلہ زا کی چمک ، وہ فرس کی جست
رستے کھلے ہوئے ، نہ صفیں وہ ، نہ بندوبست
بجلی گری ، ذرا جو پھرا دست حق پرست
غارت وہ مورچہ ، اِدھر آفت ، اُدھر شکست
افسر سے فوج ، فوج سے افسر چُھٹے ہوئے
سب چھاؤنی اُجاڑ ، محلّے لٹے ہوئے

۱۷۸ ہر اک عَلم کی چوبِ ضلالت نشاں کٹی
منہ تیغ کا کٹا ، تو سناں کی زباں کٹی
ترکش کٹے ، قلم ہوئے نیزے ، سناں کٹی
ٹکڑے ہوئی زرہ ، کمرِ پہلواں کٹی
روحوں کے ساتھ تن تھے ، نہ روحیں تنوں کے ساتھ
تارِ نفس بھی کٹ گئے تھے ، گردنوں کے ساتھ

۱۷۹ ناری صفوں میں جل گئے ، جب شعلہ ور ہوئی
چمکی اِدھر یہ تیغ ، تجلّی اُدھر ہوئی
شب کو چمن کھلا ، جو سپر خوں سے تر ہوئی
سر دھڑ سے گر پڑا ، تو جسد کو خبر ہوئی
چلّائی موت ، صدقے تری کج ادائی کے
بولی نکل کے روح ، نثار اِس صفائی کے

۱۸۰ جب سَن سے فوجِ کفر پہ وہ جنگ جُو چلی
گویا سمومِ قہرِ خدا چار سُو چلی
بسمل پھڑک کے رہ گئے ، یوں تند خو چلی
ٹکڑے اڑائے ، ذبح کیا ، سرخرو چلی
غل تھا بُرِش ہے قہر کی ، جوہر بلا کے ہیں
دم بھر میں فیصلہ ، یہ کرشمے قضا کے ہیں

۱۸۱ جس کے گلے سے مل کے چلی ، مر کے رہ گیا
بسمل بھی تیز تیغ کا دم بھر کے رہ گیا
آگے بڑھا کوئی تو کوئی ڈر کے رہ گیا
سکتے میں کوئی منہ پہ نظر کر کے رہ گیا
دو پُتلیاں بھی بھرِ تماشا کُھلی رہیں
سر کٹ کے گر پڑا مگر آنکھیں کھلی رہیں

۱۸۲ کُہنی سے دونوں ہاتھ جدا ، تن سے سر جدا
ہر نخلِ قد کی شاخ جدا ، اور ثمر جدا
اِس ہاتھ سے جو تیغ ، سو اُس سے سپر جدا
بھائی سے بھائی ، اور پسر سے پدر جدا
وہ تہلکے بھی ہولِ قیامت سے کم نہ تھے
کیا تفرقہ پڑا تھا کہ اعضا بہم نہ تھے

۱۸۳ اسوار کو گرا کے سنبھلنے نہ دیتی تھی
لاکھوں میں ہاتھ ایک کا چلنے نہ دیتی تھی
برچھیت[۶۸] کو پرے سے نکلنے نہ دیتی تھی
رستم بھی ہو تو ٹھاٹھ بدلنے نہ دیتی تھی
جو اس کا کام تھا سو وہ پھرتی کے ساتھ تھا
جس کا قدم بڑھا، نہ سپر تھی، نہ ہاتھ تھا

۱۸۴ اٹھی، چلی، سپاہ میں آئی، جدا ہوئی
پنجہ جو بچ گیا، تو کلائی جدا ہوئی
صف کی جدا، پرے کی صفائی جدا ہوئی
پیری جگر میں، خوں میں نہائی، جدا ہوئی
دم توڑے یا مرے کوئی، پروا ذرا نہ تھی
نکلی جو خوں میں پیر کے، پھر آشنا نہ تھی

۱۸۵ چھپتی تھی برق اس کی چمک دیکھ دیکھ کے
رہ جاتی تھی سما کو سمک دیکھ دیکھ کے
تھرّاتا تھا زمیں کو فلک دیکھ دیکھ کے
خورشید کانپتا تھا جھلک دیکھ دیکھ کے
جوہر میں پیچ و تاب تھا، زلفوں کے جال کا
بجلی کی زرق برق تھی، چم خم ہلال کا

۱۸۶ تنتی تھی، سر تنوں سے جدا دیکھ دیکھ کے
کرتی تھی نازِ حشر بپا، دیکھ دیکھ کے
بے خود تھی آپ اپنی ادا دیکھ دیکھ کے
چشمک قضا کی تھی کہ ذرا دیکھ دیکھ کے
کہتی تھی تیغ گو کہ سروہی کا ہاتھ ہوں
تو میرے دم کے ساتھ ہے، میں تیرے ساتھ ہوں

۱۸۷
سب سے جدا تھی تیغ کے چلنے کی قطع ، واہ !
اِس صف کے ہاتھ پاؤں قلم ، وہ پرا تباہ
خط جابجا تھے خاک پہ مابینِ رزم گاہ
کٹ کٹ کے تیغیں کہتی تھیں 'اللہ کی پناہ'
کترا کے ، لو پھر آئی لہو چاٹتی ہوئی
چلتی ہے یہ تو راہ کو بھی کاٹتی ہوئی

۱۸۸
گھیرا جو یک بیک غضبِ کردگار نے
گھوڑے بھگائے فوجِ ضلالت شعار نے
کھینچا سر آسماں پر زمیں کے غبار نے
سر پر اُڑائی خاک سیہ روزگار نے
دن چھپ گیا ، یہ گرد پڑی روئے مہر پر
مٹّی کا پُل[۶۸] بندھا تھا محیطِ سپہر پر

۱۸۹
اللہ رے زلزلے کہ لرزتے تھے دشت و در
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے ڈر ڈر کے جانور
جنّات کانپ کے کہتے تھے الحذر
دنیا میں خاک اُڑتی ہے ، اب جائیں ہم کدھر
اندھیر ہے ، اٹھی برکت اب جہان سے
لو مل گیا زمیں کا طبق آسمان سے

۱۹۰
دریا کی فوج گھاٹ سے جب ہٹ گئی تمام
ساحل تک آئے حضرتِ عبّاسِ نیک نام
نعرہ کیا ، ترائی تو شیروں کا ہے مقام
وہ زور شور کیا ہوا ؟ اے ساکنانِ شام !
تم سب کی کیا بساط ہے ، دامن کی گرد ہو
ہاں اب ہمیں ہٹاؤ تو جانیں کہ مرد ہو !

۱۹۱
وہ حکم اور تھا کہ نہ تھی بولنے کی تاب
ریتی پہ کیا سپاہ کی قسمت ہوئی خراب
لاکھوں میں اب تو دے کوئی اس تیغ کا جواب
یوں خاک میں ملاتے ہیں فرزندِ بوتراب
افسوس ، ابنِ سعدِ ستمگار ٹل گیا
پر خیر ، کچھ بخار تو دل کا نکل گیا

۱۹۲
یہ بات کہہ کے ڈال دیا نہر میں سمند
طاؤس دُم اٹھا کے بنا اسپِ سربلند
چمکا جو عکسِ روے علمدارِ ارجمند
پانی کی آب و تاب ہوئی چاند سے دو چند
دریا کے دل میں تھی جو کدورت وہ دھو گئی
آنکھوں میں مچھلیوں کے چکا چوند ہو گئی

۱۹۳
جلوے جو نہر میں علمِ سبز نے دکھائے
اک شور تھا کہ خضر علیہ السّلام آئے
پانی میں جب کہ شرم سے خورشید ڈوب جائے
پھر آنکھ میں حباب[۶۹] کی کیا آسماں سمائے
ہر سنگ ریزہ نُور سے دُرِّ خوش آب تھا
لہریں جو تھیں کرن ، تو بھنور آفتاب تھا

۱۹۴
چھاتی تک اُس نے پانی کو جو دیکھا ایک بار
گھوڑے کا دل ہوا صفتِ موج بے قرار
حسرت سے منہ پھرا کے نظر کی سوے سوار
بولے یہ باگ چھوڑ کے عبّاسِ نام دار
تو پی لے اے فرس ! کہ بہت تشنہ کام ہے
ہم پر تو بے حسین[۴] یہ پانی حرام ہے

١٩٥
گردن ہلا کے کہنے لگا اسپِ تیزگام
ہے ذوالجناح مجھ پہ بھی پانی یہ حرام
اُس قوم میں نہیں کہ ڈبو دوں وفا کا نام
آقا! ابھی حسینؑ کے بچّے ہیں تشنہ کام
مطلب یہ ہے کہ ذکرِ وفا چار سُو رہے
تر خشک لب نہ ہوں تو نہ ہوں، آبرو رہے

١٩٦
ہرچند تین روز سے ہے پیاس کا وفور
پیتا یہ خانہ زاد بھی، پیتے اگر حضور
پر ہے یہ امر آپ کی دریا دلی سے دور
جانیں بچیں صغیروں کی، فکر اس کی ہے ضرور
ناموسِ مصطفیٰؐ میں تلاطم ہے رات سے
اب جلد مشک بھر کے نکلیے فرات سے

١٩٧
بچّوں کا حال سن کے لگا دل پہ تیرِ غم
روئے لہو کے اشکوں سے عبّاسِ با کرم
مشکیزہ بھر کے دوش پہ رکھّا بچشمِ نم
نکلا پلٹ کے نہر سے شبدیزِ خوش قدم
بڑھتے ہی بحرِ ظلم کی موجوں میں گھر گیا
سقّا نبی کی آل کا فوجوں میں گھر گیا

١٩٨
'ہاں راہ روک لو'! یہ ہوئی چار سُو پکار
برچھے اُٹھا کے بڑھے سینکڑوں سوار
ڈھالیں بڑھیں بہم کہ اُٹھا ابر کوہسار
تیغیں علم ہوئیں کہ بندھے آہنی حصار
ہلتا تھا چرخ غلغلۂ دار و گیر سے
حلقہ کسی کماں کا نہ خالی تھا تیر سے

۱۹۹ کہتا تھا گرز تول کے ایک ایک پہلوان
رکھ دو یہ مشک ، اے اسداللہ کے نشاں !
بڑھ کر جواب دیتے تھے عبّاسِ نوجواں
چہرہ بگاڑ دوں گا ، سنبھالے رہو زباں !
کیا منہ جو مشک لے کوئی ، جب تک یہ ہاتھ ہے
اے بے حمیّتو[۷۰] ! مری جاں اس کے ساتھ ہے

۲۰۰ طفلی سے تھی ہمیں انھی عہدوں کی آرزو
دونوں امانتیں ہیں یہ ، اے فوجِ کینہ جُو
اک مشک ، اک نشانِ شہنشاہِ نیک خو
اس سے جہاں میں نام ہے ، اور اس سے آبرو
گر مر گئے تو مشک و علم لے کے جائیں گے
مختار آن کا جو ہے اسے دے کے جائیں گے

۲۰۱ جھپٹے یہ کہہ کے تیغِ دو دستی علم کیے
دونوں طرف کے نیزۂ خطی[۷۱] قلم کیے
حملے صفوں پہ صورتِ شیرِ دژم[۷۲] کیے
تیغِ دو دم سے بند لعینوں کے دم کیے
سن سن پلٹ کے چلنے میں کمریں جو کٹ گئیں
آدھی صفیں[۷۳] تو بچھ گئیں ، آدھی اُلٹ گئیں

۲۰۲ بوچھار یک بہ یک ہوئی تیروں کی ہے غضب
تیغیں چلیں عقب سے شریروں کی ہے غضب
یہ شکل ، دو جہاں کے امیروں کی ، ہے غضب
بجھنے نہ پائی پیاس صغیروں کی ، ہے غضب
نیزے تھے اور چاند سے پہلو دلیر کے
تیروں نے چھان ڈالا تھا سینے کو شیر کے

۲۰۳ زخمی تھے پر ، فرس کو ڈپٹتے تھے بار بار
چہرے پہ زخم کھا کے جھپٹتے تھے بار بار
بڑھ بڑھ کے غول فوج کے ہٹتے تھے بار بار
تن سر سے پانچ سات کے کٹتے تھے بار بار
دکھلا رہے تھے رنگ علیؑ کی لڑائی کا
اعدا کے خوں سے لال تھا سبزہ ترائی کا

۲۰۴ جھکتے علم کو روک کے کہتے تھے بار بار
قوّت عطا کرو مجھے یا شیرِ کردگار
دیتے تھے دم بہ دم یہ صدا شاہِ ذوالفقار
بیٹا ! ترے تھکے ہوئے بازو کے میں نثار
پانی کے واسطے یہ کبھی رن پڑا نہیں
کاندھے پہ مشک لے کے کوئی یوں لڑا نہیں

۲۰۵ وا حسرتا ! وہ فوج کا بلوہ ، وہ ایک جان
فاقہ وہ تین دن کا ، وہ سوکھی ہوئی زبان
لڑنے کی فکر ، مشک کا دھڑکا ، علم کا دھیان
جی سن سے ہو گیا ، کہیں کڑکی اگر کمان
چمکی سناں تو روح بدن سے رواں ہوئی
روکا سپر پہ تیر تو خاطر نشاں ہوئی

۲۰۶ کھاتے تھے تن پہ زخم کچھ اپنا نہ تھا الم
مضطر تھا مشک کے لیے وہ صاحبِ کرم
بہتا تھا خوں رکابوں میں ، تھمتے نہ تھے قدم
قوّت کو ضعف ، ضعف کو قوّت تھی دم بہ دم
اعدا ہدف بنائے تھے کینے سے مشک کو
پر یہ جدا نہ کرتے تھے سینے سے مشک کو

۲۰۷ تلوار ہاتھ میں علمِ شاہ دوش پر
ہرنے پہ گاہ مشک رکھی گاہ دوش پر
اک تیغِ تیز چل گئی ناگاہ دوش پر
تلوار کیا ، پہاڑ گرا آہ ! دوش پر
صدمہ ادھر تو مشک کا جانِ حزیں پہ تھا
دیکھا جو پھر کے ، دستِ مبارک زمیں پہ تھا

۲۰۸ شانے سے یوں اُبل کے بہا خوں کہ الاماں
تیورا کے جھومنے لگے عبّاسِ نوجواں
مچھلی کی طرح ہاتھ تو ریتی پہ تھا تپاں
لیکن جدا نہ ہوتی تھیں قبضے سے انگلیاں
بے دست ہو گئی تھی جو اس صفدری کے ساتھ
[۷۳]تلوار بھی تڑپتی تھی دستِ جری کے ساتھ

۲۰۹ [۷۴]دہنا تھا ہاتھ ، تیغ اسی میں تھی ، ہے ستم
اب تھاما بائیں ہاتھ میں مشکیزہ و عَلم
تلواریں دو چلیں جو کمیں گاہ سے بہم
اُلجھا ہوا وہ ہاتھ بھی بس ہو گیا قلم
کس سے ہٹائیں فوج کو ، کس سے وغا کریں
بتلاؤ اب کہ حضرت عبّاس کیا کریں ؟

۲۱۰ ڈر سے قریں تو آ نہ سکا کوئی نابکار
پر تیر سب لگانے لگے باندھ کر قطار
اک تیر لگ کے مشک پہ گزرا جگر کے پار
پانی کے ساتھ سینے سے چھُوٹی لہو کی دھار
’ہے ہے سکینہ‘ کہہ کے فلک پر نگاہ کی
ہرنے پر سر پٹک کے بہشتی نے ’آہ‘ کی

۲۱۱ گُرزِ شقی سے شق ہوا ناگہ سرِ جناب
تھرّائے ہونٹ ، چھٹ گئی دانتوں سے مشکِ آب
فرمایا : "ہائے دیں گے سکینہ کو کیا جوابؔ"
گھوڑے سے تھرتھرا کے گرے مثلِ آفتاب
تڑپے ، اٹھے ، کراہ کے خاموش ہو گئے
منہ رکھ کے خالی مشک پہ بے ہوش ہو گئے

۲۱۲ ان کا تو یاں ہے کُوچ ، سنو واں کی اب خبر
ڈیوڑھی کے پاس بیٹھے ہیں حضرت برہنہ سر
لپٹا ہوا ہے چھاتی سے عبّاسؑ کا پسر
روتی ہے سر جھکائے سکینہ قریبِ در
زینب کھڑی ہیں ڈیوڑی پر اور دل پہ ہاتھ ہے
بکھرائے بال زوجۂ عبّاس ساتھ ہے

۲۱۳ زینب سے عرض کرتی ہے رو رو کے دل فگار
ہے ہے ، یہ شور نہر پہ کیسا ہے ، میں نثار
کچھ دم الجھ رہا ہے ، نہیں قلب کو قرار
گرتی ہے کانپنے میں ردا سر سے بار بار
خیر اب نہیں ہے ، خیر کے انداز اور ہیں
بی بی ! یہ سب ہمارے رنڈاپے کے طور ہیں

۲۱۴ کس سے کہوں جو دوڑ کے لائے کوئی خبر
پردہ اٹھا کے اب میں نکلتی ہوں ننگے سر
یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے ادھر
دوڑے زمیں سے اٹھ کے شہنشاہِ بحر و بر
ماتم میں نوجواں کے دلِ اندوہ ناک تھا
تلوار ہاتھ میں تھی ، گریبان چاک تھا

۲۱۵ رستے میں لڑکھڑاتے تھے جب ضعف سے قدم
اکبر سنبھال لیتے تھے بابا کو دم بہ دم
فرماتے تھے تڑپ کے پسر سے شہِ اُمم
جو حال ہو بجا ہے کہ بھائی کا ہے الم
بازو پکڑ کے دلبرِ زہراؑ کو لے چلو
بیٹا! چچا کی لاش پہ بابا کو لے چلو

۲۱۶ اک اک قدم پہ ضعف و نقاہت ہے سدِّ راہ
عباسؑ کیا بچھڑ گئے، گھر ہو گیا تباہ
جیتے رہے تھے ٹھوکریں کھانے کو، آہ آہ!
وہ کہتے ہوں گے لاش پہ اب تک نہ آئے شاہ
شق ہو جگر جو صبر ادھر سے عطا نہ ہو
یا رب! کسی سے خلق میں بھائی جدا نہ ہو

۲۱۷ ٹھہرو! کہ پاؤں اب نہیں قابو میں اے پسر!
تم ہاتھ تھامتے ہو، جھکی جاتی ہے کمر
سینہ لہو ہے، دل ہے تپاں، چاک ہے جگر
اکبر بتاؤ، ہاتھ میں رکھوں کدھر کدھر
لو اتنے بولنے میں بدن سرد ہو گیا
کیا دکھ ہے یہ کہ میں ہمہ تن درد ہو گیا

۲۱۸ اس شکل سے ترائی میں پہنچے جو شاہِ دیں
رو کر یہ شہ سے کہنے لگے اکبرِؑ حزیں
بابا! یہی ہے لاش علمدارِ مہ جبیں
گھوڑا کہیں ہے، تیغ کہیں ہے، علم کہیں
رکھے ہوئے ہیں مشک پہ منہ، پیار دیکھیے
شانے کٹے ہیں، شانِ علمدار دیکھیے

۲۱۹
حضرت پکارے ، جان بھی ہے جسمِ زار میں ؟
یا مر گئے تڑپ کے مرے انتظار میں
کی عرض ، دم تو ہے جسدِ زخم دار میں
پر منہ سے بولتے نہیں کچھ احتضار میں[۷۶]
کیجیے ذرا ملاحظہ چہرے کے نور کو
آنکھیں کھلی ہیں ، دیکھ رہے ہیں حضور کو

۲۲۰
چِلّائے گر کے لاش پہ شبّیرِ نام دار
بھیّا ! تمھاری نرگسی آنکھوں کے میں نثار
اس نزع میں بھی تھا تمھیں بھائی کا انتظار ؟
آنکھیں پھرا کے ڈھونڈھتے ہو ہم کو بار بار
شاید زباں ہے بند ، جو لب کھولتے نہیں
روتے ہوئے ہم آئے تو اب بولتے نہیں

۲۲۱
مر جائے گا حسینؑ ، برادر ! جواب دو
اے میرے نوجواں ، مرے صفدر جواب دو
اب جاں بہ لب ہے سبطِ پیمبر ، جواب دو
اے نورِ چشمِ ساقیِ کوثر ! جواب دو
لکنت زبانِ خشک کو ہے ، تشنہ کام ہیں
بھیّا ! تمھارے سر کی قسم ! ہم تمام ہیں

۲۲۲
سن لو ، تمھیں دیا ہے سکینہ نے کچھ پیام
ایسا نہ ہو کہ یاں چلی آوے وہ تشنہ کام
جنبش ہوئی لبوں کو ، بھتیجی کا سن کے نام
کی عرض اب غلام کی رخصت ہے یا امام
قدموں پہ آنکھیں ملنے کو دل بے قرار تھا
مولا کے دیکھنے کا فقط انتظار تھا

۲۲۳ منہ رکھ کے منہ پر کہنے لگے شاہِ خوش خصال
کیوں چپ ہوے کچھ اور کہو اپنے دل کا حال
ان سوکھے سوکھے ہونٹوں پہ صدقے علیؑ کا لال
بھیّا! مدد کو آئے ہیں اب شیرِ ذوالجلال
رخ کیوں ہے زرد، کون سی ایذا گزرتی ہے ؟
کیوں دم بہ دم کراہتے ہو، کیا گزرتی ہے ؟

۲۲۴ گودی میں ہے مری دمِ آخر تمھارا سر
اور پائنتی جوان بھتیجا ہے نوحہ گر
گزرے گی ہم پہ جو تمھیں اس کی بھی ہے خبر ؟
سینے پہ ہو گا تیغ لیے شمرِ بد گہر
شمشیر حلقِ خشک پہ چلتی ہے کس طرح
دیکھیں ہماری جان نکلتی ہے کس طرح

۲۲۵ یہ بات سن کے نزع میں، عبّاسؑ تھرتھرائے
قطرے لہو کے آنکھوں سے عارض پہ بہہ کے آئے
دو بار سر پٹک کے پکارے کہ 'ہائے ہائے'
پُر خوں دہن حسینؑ کے قدموں کے پاس لائے
ہچکی کے ساتھ موت کا خنجر بھی چل گیا
سر پاؤں پر دھرا رہا اور دم نکل گیا

۲۲۶ اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیّا کدھر گئے
منہ تو اٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے
واحسرتا! حسینؑ کو بے آس کر گئے
اب کون دے گا دکھ میں نبی کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

۲۲۷ اے میرے شیرِ صف شکن ، اے میرے نوجواں
پاؤں گا تم سا چاہنے والا میں اب کہاں
شیرِ خدا کا آج جہاں سے مٹا نشاں
تم کو حسینؑ جانتا تھا اپنے تن کی جاں
تیغوں میں اب سپر نہیں بھائی کے ہوتے ہو
بازو کٹائے شیر سے دریا پہ سوتے ہو

۲۲۸ آتے ہی بھا گئی تھی ترائی کی جا تمھیں
اللہ ، کیا پسند تھی یاں کی ہوا تمھیں
بخشی خدا نے قبر بھی سب سے جدا تمھیں
آخر وہی ہوا کہ جو منظور تھا تمھیں
اتنی جگہ کے واسطے بچھڑے حسینؑ سے
بھیّا ہوائے سرد میں اب سوؤ چین سے

۲۲۹ قسمت میں ہے کہ دھوپ ہو جنگل کی اور ہم
کیا تفرقہ دکھایا ہے گردوں نے ، ہے ستم
کیا خوب ہو ، اگر یہیں نکلے ہمارا دم
الفت یہ چاہتی ہے کہ قبریں بھی ہوں بہم
روئیں سرھانے بیٹھ کے جو سوگوار ہوں
ہم دونوں بھائیوں کے برابر مزار ہوں

۲۳۰ آئی صدائے حضرتِ خاتونِؑ روزگار
ہے ہے جہاں سے اٹھ گیا ایسا وفا شعار
اے میرے لال ! تیرے تڑپنے کے میں نثار
میرا پسر ہے آج سے عبّاسِ نام دار
بیٹا ! بلائیں لاش کی لینے کو آئی ہوں
پرسا تمھارے بھائی کا دینے کو آئی ہوں

٢٣١
وارى ، تم اب یہ مشک و علم لے کے جاؤ گھر
ایسا نہ ہو نکل پڑے زینب برہنہ سر
چلّائے تب یہ رو کے شہنشاہِ بحر و بر
امّاں کمر تو ٹوٹ گئی ، جائیں اب کدھر
ہم مر گئے کہ خلق سے بھائی گزر گیا
بازو ہمارا تھامنے والا تو مر گیا

٢٣٢
اکبر سے پھر کہا کہ علم خاک سے اٹھاؤ
پُرخوں یہ مشک خیمۂ عصمت میں لے کے آؤ
بیوہ ہوئی چچی ، اسے پرسا دو ، خاک اڑاؤ
بیٹا ! چچا کے بچّوں کو جا کر گلے لگاؤ
پوچھیں جو سب کہ سبطِ پیمبرؐ کدھر گئے ؟
کہہ دیجیو کہ بھائی کے لاشے پہ مر گئے

٢٣٣
اکبر یہ شہ سے سن کے جو روئے بصد بُکا
تڑپے اک 'آہ' کرکے شہنشاہِ کربلا
ناگاہ در سے آئی سکینہ کی یہ صدا
بابا ! میں اب نکلتی ہوں گھر سے برہنہ پا
روتے ہیں آپ کیوں ، مرے عمّو کدھر گئے
حضرت نے دی صدا کہ جہاں سے گزر گئے

٢٣٤
فرما کے یہ زمیں سے اٹھے شاہِ انس و جاں
رو کر علم سے باندھ دی وہ مشکِ خوں چکاں
پہنچے حرم سرا کے جو نزدیک ناگہاں
سر پیٹ کے سکینہ نے تب یہ کیا بیاں
"اندھیر ہے جہاں ، مجھے کچھ سوجھتا نہیں
ہے ہے ، علم تو آیا ہے ، میرا چچا نہیں"

۲۳۵ ڈھونڈوں کہاں میں اے مرے عمّو کدھر گئے ؟
مجھ کو پتا دیا نہ وہاں کا ، جدھر گئے
دریا سے مشک بھیج دی اور خود گزر گئے
پانی پیا نہ ، تشنہ دہن کوچ کر گئے
شانے کٹے تھے مشک بھی تیغوں سے کٹ گئی
وہ کیا کریں ، ہماری ہی قسمت اُلٹ گئی

۲۳۶ غل پڑ گیا کہ شہ کے علم دار ہائے ہائے
اے نورِ چشمِ حیدرِ کرّار[ع] ہائے ہائے
اے ابنِ فاطمہ[ع] کے مددگار ہائے ہائے
اے فوجِ شہ کے جعفرِ طیّار ہائے ہائے
چھوٹے سے ہاتھ رکھ کے دلِ دردناک پر
دے مارا سر کو بالی سکینہ نے خاک پر

۲۳۷ حضرت نے لا کے گاڑ دیا صحن میں علم
اور گر پڑے زمیں پہ شہنشاہِ باکرم
سب سے کہا کہ جینے نہ دے گا ہمیں یہ غم
جن سے جدا نہ ہوتے تھے ، کھو آئے ان کو ہم
پوچھو ہمارے دل سے مصیبت جدائی کی
بھائی ہی جانتا ہے محبّت کو بھائی کی

۲۳۸ بھائی سے ساتھ بھائی کا چھوٹا ، ہزار حیف
چھوڑا نہ پھل ، نہ پھول ، نہ بوٹا ، ہزار حیف
بازو مرا قوی تھا سو ٹوٹا ، ہزار حیف
امّت نے میرے باغ کو لوٹا ، ہزار حیف
فریاد ہے لعینوں نے ہم پر ستم کیا
تیغوں سے سروِ باغِ علی[ع] کو قلم کیا

۲۳۹ زیرِ علم تھا زوجۂ عبّاس کا یہ حال
ماتھا بھرا تھا خاک سے ، بکھرے ہوئے تھے بال
چلّاتی تھی ، یتیم ہوئے میرے دونوں لال
دنیا سے کھو گئے مجھے عبّاسِ خوش خصال
ہے ہے علیؑ کا نورِ نظر مجھ سے چھٹ گیا
میں رانڈ ہو گئی ، مرا اقبال لٹ گیا

۲۴۰ ناگہ صدا علیؑ کی یہ آئی کہ اے بہو
زانو پہ تھا مرے سرِ عبّاس نیک خو
آئی ہے تیرے پُرسے کو زہراؑ کشادہ مُو
بی بی ! بس اب حسینؑ کو رو کر رلا نہ تُو
بھائی کے غم میں لال مرا دردمند ہے
اب صبر کر ، کہ صبر خدا کو پسند ہے

۲۴۱ ہاں روؤ مومنو ! یہ بُکا کا مقام ہے
تم میں شریک روحِ رسولِ انامؐ ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السلام ہے
چہلم کی مجلسوں کا بھی اب اختتام ہے
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جیے گا ، وہ پھر شہ کو روئے گا

۲۴۲ آگے تمہارے مرتے جو عبّاسِ باوفا
پُرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خداؑ کو کیا ؟
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا
زہرا بھی ننگے سر ہے ، قیامت کرو بپا
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو
دو نوجوان بھائی کا پُرسا حسینؑ کو

۲۴۳ یہ کہہ کے 'ہائے حضرتِ عبّاسؑ' خاک اڑاؤ
پیٹو سروں کو ہاتھوں سے اور اشکِ خوں بہاؤ
'ہے ہے حسینؑ' کہہ کے زمیں پر پچھاڑیں کھاؤ
پُرسا پسر کا فاطمہ زہراؑ کو دے کے جاؤ
کل خاک میں ملائیں گے اس تشنہ کام کو
رخصت کرو حسین علیہ السّلام کو

۲۴۴ اے بے دیار و بے سر و سامان الوداع
اے بنتِ مصطفیٰؐ کے دل و جان الوداع
اے دو جہاں کے سیّد و سلطان الوداع
اے شیعیانِ ہند کے مہمان الوداع
آہ و بُکا سے ہم کبھی غافل نہ ہوئیں گے
جب تک جئیں گے، آپ کی غربت پہ روئیں گے

۲۴۵ مولا! ضریحِ پاک پہ بلوائیے شتاب
اب ہجر کی انیس کے دل کو نہیں ہے تاب
رہ جائے گی ہوس، جو دیا زیست نے جواب
خاکِ شفا ملے مجھے، یا ابنِ بوتراب!
اچھی نہیں مریض کو دوری مسیح سے
حسرت یہ ہے کہ روؤں لپٹ کر ضریح سے

۴

بہ خدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر

۱۳۲ بند ، بحرِ رمل

(جنابِ حُر بن یزید ریاحی کا حال)

مراجع

* قلمی مرثیہ : سر ورق کی عبارت ہے :

"مِن تصنیفات میر نواب متخلص مونس سلمّہ

بخدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حر

بند ۱۰۱"

"مونس سلمّہ" کا مطلب یہ ہے کہ "خدا مونس صاحب کو صحت و سلامتی سے رکھے۔" گویا کتابت حیاتِ مونس میں ہوئی ہے۔ مونس نے ۱۲۹۲ھ میں اور انیس نے آخر شوال ۱۲۹۱ھ میں انتقال کیا ، لہٰذا مرثیہ معاصر تاریخ کا حامل ہے۔ اس نسخے کا ورق ۲ ، ۳ ، ۱۵ ، ۱۶ ، ۱۷ موجود نہیں۔ سر دست مرثیے کے آخری بند کا نمبر ۸۷ ہے جبکہ کل بند ایک سو ایک لکھے گئے تھے ، اس لیے چودہ بند کم ہیں۔ وہ ستاسی بند جو موجود ہیں ان میں مطبوعہ مرثیے کے حساب سے چالیس بند حذف ہیں۔ گویا میر مونس نے اصل مرثیے سے کچھ بند کم کر کے کسی مجلس میں خوانندگی کی ہے اور کاتب نے مونس کو پڑھتے سنا ہے یا ان کے بستے سے مرثیہ حاصل کر کے نقل کیا ہے۔ بہرحال نسخہ اہم ہے۔ ہم نے اس سے مقابلہ کرتے ہوئے اختلافات حاشیے میں لکھے ہیں۔

* مرثیہ ہائے میر انیس ، جلد اول ، مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ، طبع اول ۱۸۷۶ع/۱۲۹۳ھ ، صفحہ ۱۰۱۔

* مراثیِ انیس ، جلد اول ، طبع نظامی پریس ، بدایوں ، ۱۹۲۲ع ، صفحہ ۷۵ - بہ تصحیح و ترتیب مولانا علی حیدر نظم طباطبائی مرحوم -
* مراثیِ میر انیس مرحوم ، جلد اول ، مطبع منشی تیج کمار ، لکھنؤ ، ۱۹۵۸ع -
* مراثیِ انیس مکمل ، جلد دوم ، ناشرین : شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ۱۹۵۹ع ، ۱۹۶۷ع -
* روحِ انیس ، ناشر : کتاب نگر ، لکھنؤ ، ۱۹۵۶ع -

اس نسخے میں کل بند ایک سو سینتیس ہیں - مطبوعہ مرثیے سے پانچ بند کم ہیں - ہم نے یہ بند طبع اول سے نقل کرکے دوسرے نسخوں سے ان کا مقابلہ کر لیا ہے -

---

تبصرہ

اس مرثیے میں صرف ایک کردار اور ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے - منظر نگاری کی رنگینی ، پہلو بہ پہلو واقعات ، بزم کی دل کشی ، متعدد افراد کے چہرے انیس نے قلم بند نہیں کیے ، اس کے باوجود یہ مرثیہ اپنے تسلسل ، حسنِ بیان ، لطفِ زبان ، خوبیِ فکر اور نزاکتِ فن کی رعایت سے ہمیشہ ناقدین کی نظر میں بہترین مرثیہ قرار پایا ہے - شبلی نے اپنے مباحث میں اس مرثیے کو بار بار مثال میں پیش کیا ہے -

واقعہ یہ ہے کہ حرُ بن یزید ریاحی ، لشکرِ یزید کا ایک افسر تھا - اس نے امام حسینؑ کو کوفے جانے سے روکا اور کربلا میں اترنے پر مجبور کر دیا - امام حسینؑ نے انتہائی صبر و ضبط اور امن پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے مقابلہ نہ کیا - حُر مع اپنی فوج کے بہت پیاسا تھا - امام حسینؑ نے اس کی فوج کو اپنے ذخیرۂ آب سے سیراب کیا اور اپنے رحم و کرم کا دریا بہا دیا - عاشور کے دن صبح کو جب جنگ ناگزیر ہو گئی تو امام حسینؑ میدان میں آئے اور فرمایا :

سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا ، مناسب ہو تو ، موقوف کرو

———

یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش
اور
رعبِ فرزندِ علی سرمۂ آواز ہوا

متوازی تاثرات نے مرثیے میں حرکت پیدا کر دی ہے۔ اس موقع پر میر انیس نے انتہائی مہارت سے عمرِ سعد کو مقابل میں لانے اور ہٹانے کا عمل کرکے اس سے حر کو پہچاننے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اس کے بعد حُر لشکرِ یزید سے نکل کر امام حسینؑ کی طرف چلے اور غیب سے صدا آئی:

مرد ہے، جس کی یہ ہمّت، یہ ارادہ ہووے
ہاں بہادر، تری توفیق زیادہ ہووے

سن کے یہ، باگ جو لی، اسپِ سبک تاز اڑا
ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اڑا
کیا اڑا رخشؔ کہ طاؤس بصد ناز اڑا
دی پرندوں نے یہ آواز، کہ شہباز اڑا
باغِ زہرا میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا دربارِ سلیماں میں پری جاتی ہے

خدمتِ امامؑ میں حُر پہنچے، امام استقبال کو آئے، خطا معاف ہوئی۔ حُر مدحِ امام کرتے ہیں۔ امام عاجزی و انکساری فرماتے ہیں۔ وعظ و نصیحت کی باتیں ہوتی ہیں۔ حر کے ساتھ امام حسینؑ اور حضرت عبّاس ہیں۔ اجازت جنگ ملی۔ رخصت، آمد، رجز یا فوج سے باتیں۔ گھوڑا، تلوار، جنگ اور جنگ میں امام حسینؑ، عبّاس و اکبر و قاسم، حُر کو داد دیتے ہیں۔ داد میں ہر شخص اپنے مرتبے کے مطابق جملے ادا کرتا ہے:

بڑھ کے فرماتے تھے عبّاسؑ، "زہے ہمّت و جاہ"
"بارک اللہ" کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ

کہتے تھے ابنِ حسن "واہ حرِ غازی ، واہ !"
شاہ ، ہر ضرب پہ فرماتے تھے "ماشاء اللہ"

اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

اور یہیں سے دشمن کا حملہ ، حُر کا گرنا ، امام کا لاش پر پہنچنا ، یہ انیس کا عام اسلوب ہے ۔ خاص بات جو اس مرثیے میں اہم ترین امتیازی خوبی بن کر سامنے آتی ہے وہ ہے حر کے سامنے حبیب ابنِ مظاہر کا آنا ۔

حبیب ابن مظاہر ، امام حسین[ع] کے بچپنے کے ساتھی اور رفیق ہیں ۔ مرتبے اور عزت کے اعتبار سے ان کو حُر پر اولیت حاصل ہے ۔ ان کو امام حسین نے خط لکھ کر بلایا ، خود استقبال فرمایا ، فوج کے ایک بازو کا علم‌دار بنایا ۔ حبیب نے حُر کو دیکھا کہ ایک شخص جو گستاخی کر چکا تھا اور جو دشمنِ جان تھا ، سامنے آیا اور اس نے دیکھتے دیکھتے یہ اعزاز پایا ۔ حبیبؑ نے اپنی فطری محبتِ حسینی اور علمی مرتبت کے لحاظ سے جو کچھ کہا اور انیس نے جس رنگ میں اسے پیش کیا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے ۔ دو محترم شخصیتوں کے تقابل میں "رشک" کا بیان اور نفسیاتی تضاد کا اظہار ، پھر ہر نکتے کا لحاظ ، عجب مشکل کام تھا ۔ اس پیچیدہ صورتِ حال سے حُر کی شخصیت و عظمتِ کردار و انجامِ کار سے پردہ اٹھایا ہے :

حُر کو چونکا کے حبیب ابنِ مظاہر نے کہا
"آپ" بے تاب ہیں ، اے حُرِ جری ، ہوش میں آ
دیکھ ، دیدارِ جگر بندِ جنابِ زہرا[ع]
کوچ درپیش ہے ، یہ وقت نہیں غفلت کا

متوازی تاثرات نے مرثیے میں حرکت پیدا کر دی ہے۔ اس موقع پر میر انیس نے انتہائی مہارت سے عمرِ سعد کو مقابل میں لانے اور ہٹانے کا عمل کرکے اس سے حُر کو پہچاننے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اس کے بعد حُر لشکرِ یزید سے نکل کر امام حسینؑ کی طرف چلے اور غیب سے صدا آئی :

مرد ہے، جس کی یہ ہمّت، یہ ارادہ ہووے
ہاں بہادر، تری توفیق زیادہ ہووے

سن کے یہ، باگ جو لی، اسپِ سبک تاز اڑا
ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اڑا
کیا اڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اڑا
دی پرندوں نے یہ آواز، کہ شہباز اڑا
باغِ زہرا میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا دربارِ سلیماں میں پری جاتی ہے

خدمتِ امامؑ میں حُر پہنچے، امام استقبال کو آئے، خطا معاف ہوئی۔ حُر مدحِ امام کرتے ہیں۔ امام عاجزی و انکساری فرماتے ہیں۔ وعظ و نصیحت کی باتیں ہوتی ہیں۔ حر کے ساتھ امام حسینؑ اور حضرت عبّاس ہیں۔ اجازت جنگ ملی۔ رخصت، آمد، رجز یا فوج سے باتیں۔ گھوڑا، تلوار، جنگ اور جنگ میں امام حسینؑ، عبّاس و اکبر و قاسم، حُر کو داد دیتے ہیں۔ داد میں ہر شخص اپنے مرتبے کے مطابق جملے ادا کرتا ہے :

بڑھ کے فرماتے تھے عبّاسؑ، "زہے ہمّت و جاہ"
"بارک اللہ" کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ

کہتے تھے ابنِ حسن "واہ حرِ غازی ، واہ !"
شاہ ، ہر ضرب پہ فرماتے تھے "ماشاء اللہ"
اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

اور یہیں سے دشمن کا حملہ ، حُر کا گرنا ، امام کا لاش پر پہنچنا ، یہ انیس کا عام اسلوب ہے۔ خاص بات جو اس مرثیے میں اہم ترین امتیازی خوبی بن کر سامنے آتی ہے وہ ہے حر کے سامنے حبیب ابنِ مظاہر کا آنا۔

حبیب ابن مظاہر ، امام حسین[۴] کے بچپنے کے ساتھی اور رفیق ہیں۔ مرتبے اور عزت کے اعتبار سے ان کو حُر پر اولیت حاصل ہے۔ ان کو امام حسین نے خط لکھ کر بلایا ، خود استقبال فرمایا ، فوج کے ایک بازو کا علمدار بنایا۔ حبیب نے حُر کو دیکھا کہ ایک شخص جو گستاخی کر چکا تھا اور جو دشمنِ جان تھا ، سامنے آیا اور اس نے دیکھتے دیکھتے یہ اعزاز پایا۔ حبیبؑ نے اپنی فطری محبتِ حسینی اور علمی مرتبت کے لحاظ سے جو کچھ کہا اور انیس نے جس رنگ میں اسے پیش کیا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے۔ دو محترم شخصیتوں کے تقابل میں "رشک" کا بیان اور نفسیاتی تضاد کا اظہار ، پھر ہر نکتے کا لحاظ ، عجب مشکل کام تھا۔ اس پیچیدہ صورت حال سے حُر کی شخصیت و عظمتِ کردار و انجامِ کار سے پردہ اٹھایا ہے:

حُر کو چونکا کے حبیب ابنِ مظاہر نے کہا
"آپ" بے تاب ہیں ، اے حُرِ جری ، ہوش میں آ
دیکھ ، دیدارِ جگر بندِ جنابِ زہرا[۴]
کوچ درپیش ہے ، یہ وقت نہیں غفلت کا

دم رکا ہے تو اشارے سے وصیّت کرلے
نزع میں نورِ الٰہی کی زیارت کرلے

کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیرِ غلام؟
دیکھ تو رحم، ترے واسطے روتے ہیں امام
"بھائی" فرماتے ہیں شفقت سے شہِ عرش مقام
اے خوشا حال، خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکرِ غم‌انگیز رہا
تو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

اس کے بعد امام حسینؑ نے اہتمامِ غم اور جنازے پر عورتوں کے بَین کا انتظام کرکے حُر کو معراجِ انجام بخشی ہے۔

مرثیے میں اول سے آخر تک یکسانیت، روانی، ایمان دوستی، حق پرستی، جاں نثاری، جوش آفرینی، شجاعت و بہادری اور ہمّت افزائی جیسے خیالات کو جس دل آویز پیرائے میں پیش کیا ہے وہ انیس ہی سے مختص ہے اور ان کے مرثیوں میں یہ مرثیہ شاہ کار کی حیثیت رکھتا ہے۔ حر کے بارے میں انیس نے آٹھ مرثیے اور بھی لکھے ہیں، لیکن ڈاکٹر اکبر حیدری، مسعود حسن ادیب اور شبلی جیسے حضرات نے اس مرثیے کو فنی نقطۂ نظر سے بہترین مانا ہے۔

مرتضٰی حسین، فاضل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

١ بخدا[1] فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر
ایک، دو لاکھ سواروں میں، بہادر تھا حُر
نارِ دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر
گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو، وہ دُر تھا حُر
ڈھونڈھ لی راہِ خدا، کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

٢ واہ رے طالعِ بیدار، زہے عزّت و جاہ
حُر پہ کیا فضلِ خدا ہو گیا، اللہ اللہ!
پیشوائی کو گئے آپ، شہِ عرش پناہ
خضرِ قسمت نے بتا دی اُسے فردوس کی راہ
مدّتوں دور رہے جو، وہ قریب ایسا ہو
بخت ایسے ہوں، اگر ہو تو نصیب ایسا ہو

٣ نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر
ابھی ذرہ تھا، ابھی ہو گیا خورشیدِ مُنیر
شافعِ حشر نے خوش ہو کے بحِل[2] کی تقصیر
تکیۂ زانوئے شبیر ملا وقتِ اخیر
اوج و اقبال و حشم فوجِ خدا میں پایا
جب ہوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا

۴ اللہ اللہ ! حُر صفدر و غازی کا نصیب
جانِ محبوب الٰہی جسے فرمائے "حبیب"
ہجر میں لطفِ ملاقات کا ، دوری میں قریب
وہی کام آتے ہیں مُحسن کے ، جو ہوتے ہیں نجیب
صدقے ہو جائے اسے عشقِ وَلی کہتے ہیں
اس کو دنیا میں سعیدِ ازلی کہتے ہیں

۵ آیا کس شان سے کعبے کی طرف ، چھوڑ کے دَیر
کوئی حضرت کا یگانہ بھی نہ سمجھا اسے غیر
حق نے لکھ دی تھی جو تقدیر میں فردوس کی سیر
فتنہ و شر سے بچا ، ہو گیا انجام بخیر
ذکرِ خیر اُس کے موئے پر[۳] بھی ہوے جاتے ہیں
عملِ نیک ہر اک وقت میں کام آتے ہیں

۶ کُفر کی راہ سے کارِہ تھا ، جو وہ نیک طریق
کس بشاشت سے ہوا رہبرِ ایماں کا رفیق
تھے تو لاکھوں ، پہ کسی کو بھی ہوئی یہ توفیق؟
خُلق طینت میں ہے جن کی[۴] ، وہی ہوتے ہیں خلیق
اوج دیں‌دار کو ، بے دیں کو سدا پستی ہے
اصل جس تیغ کی اچھّی ہے ، وہی کستی[۵] ہے

۷ کیوں نہ بالیدہ ہو اس کا چمنِ جاہ و جلال
جس کو سرسبز کرے خود اسداللہ کا لال
ہو گیا فاطمہ کے باغ میں آتے ہی نہال
وہ ثمر پائے کہ پہنچے نہ جہاں دستِ خیال
کِھل گیا غُنچۂ دل ، عذر جو منظور ہوے
صورتِ برگِ خزاں دیدہ ، گُنہ دور ہوے

۸ حُر کہاں ، اور کہاں احمدِ مُرسل کا خلف
بخت نے دَیر سے پہنچا دیا کعبے کی طرف
دل صفا ہو گیا سینے میں تو پائے یہ شرف
جب کہ آنکھیں ہوئیں حق بیں تو ملا دُرِّ نجف
نیک جو امر ہیں دل پر وہی ٹھن جاتے ہیں
جب خدا چاہے تو بگڑے ہوے[۶] بن جاتے ہیں

۹ وصفِ حُر میں ہے زباں معترفِ عجز و قصور
آمد آمد کا بہادر کی سنو اب مذکور
جب ہوئی مستعدِ جنگ سپاہِ مقہور
مہرِ افلاکِ امامت نے کیا رن میں ظہور
غل ہوا ، جنگ کو اللہ کے پیارے نکلے
اے فلک دیکھ ، زمیں پر بھی ستارے نکلے

۱۰ کیا کہوں شانِ جوانانِ جنودِ[۷] اللہ
کوئی ہم طلعتِ[۸] خورشید ، کوئی غیرتِ ماہ
باندھی شیروں نے صفِ جنگ میانِ جنگاہ
چمنِ خُلد سے کرنے لگیں حوریں بھی نگاہ
واں لعینوں نے درِ ظلم و ستم کھول دیا
بڑھ کے عبّاس نے یاں سبز عَلم کھول دیا

۱۱ ہو گئے سرخ شجاعت سے رخِ آلِ نبیؐ
آئی ٹھنڈی جو ہوا ، بھول گئے تشنہ لبی
رن میں کڑکا[۹] ہوا ، بجنے لگے باجے عربی
یکّہ تازوں نے کیا شورِ مبارز طلبی[۱۰]
اک گھٹا چھا گئی ڈھالوں سے سیہ کاروں کی
برق ہر صف میں چمکنے لگی تلواروں کی

۱۲ برچھیاں تول کے ہر غول سے خوں خوار بڑھے
نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلّوں میں کماں دار بڑھے
بولے شہ، یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں، سبقت مجھے منظور نہیں

۱۳ یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام
اے سپاہ عرب و روم و رے و کوفہ و شام!
تم پہ کرتا ہے حسین[۴] آخری حجّت کو تمام
پسرِ مصحفِ ناطق[۱۱] ہوں، سنو میرا کلام[۱۲]
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا، مناسب ہو تو، موقوف کرو!"

۱۴ یہ صدا سنتے ہی خود رک گیا قرنا کا خروش
تھم گیا طبلِ وغا کی بھی وہ آواز کا جوش
ہو گئے جوڑ کے ہاتھوں کو جلاجل[۱۳] خاموش
کیا بجاتے، کہ بجا تھے نہ کسی شخص کے ہوش
چھیڑنا ان کو سرودوں کا بھی ناساز ہوا
رعبِ فرزندِ علی[۴] سرمۂ آواز[۱۴] ہوا

۱۵ کم ہوا غلغلۂ فوجِ ستم، جب اک بار
یوں گُہربار ہوئے شہ کے لبِ گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے یہ، اے سپہِ ناہنجار!
قتلِ سادات کی لشکر میں یہ کیسی ہے پکار
وطن آواروں پہ یہ قُرق ہے کیوں پانی کا؟
کیا زمانے میں یہی طور ہے مہمانی کا؟

بندش

۱۶ مجھ کو لڑنا نہیں منظور ، یہ کیا کرتے ہو
تیر جوڑے ہیں جو مجھ[۱۵] پر تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو !
دیکھو ، اچھا نہیں یہ ظلم ، بُرا کرتے ہو
شمعِ ایماں ہوں ، اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقعِ ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

۱۷ میں ہوں سردار شباب[۱۶] چمنِ خلد بریں
میں ہوں خالق کی قسم ! دوشِ محمدؐ کا مکیں
میں ہوں انگشترِ پیغمبرِؐ خاتم کا نگیں
مجھ سے روشن ہے فلک ، مجھ سے منوّر ہے زمیں
ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
محفلِ عالمِ اسکاں میں اندھیرا ہو جائے

۱۸ قلزمِ عزّ و شرف کا دُرِ شہوار ہوں میں
سب جہاں زیرِ نگیں ہے ، وہ جہاں‌دار ہوں میں
آج ، گو مصلحتاً بیکس و ناچار ہوں میں
ورثہٗ احمدؐ مختار کا مختار ہوں میں
بخدا ! دولتِ ایماں اسی دربار میں ہے[۱۷]
سب بزرگوں کا تبرک مری سرکار میں ہے

۱۹ یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ ، یہ کس کی دستار ؟
یہ زرہ کس کی ہے ، پہنے ہوں جو میں سینہ فگار ؟
بر میں کس کا ہے یہ چار آئینہٗ جوہر دار ؟
کس کا رہوار ہے یہ ، آج میں جس پر ہوں سوار
کس کا یہ خود ہے ، یہ تیغِ دو سر کس کی ہے ؟
کس جری کی یہ کماں ہے ، یہ سپر کس کی ہے !

۲۰ تنگ آئے گا، تو رُکنے کا نہیں پھر شبّیر
ایک حملے میں فنا ہوں گے، یہ دو لاکھ شریر
چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ، نہ تلوار، نہ تیر
کاٹ جائے گی گلے سب کے یہ بـرّاں شمشیر
شیر ہوں، لختِ دلِ غالبِ ہر غالب ہوں
میں جگر بندِ علی[۴] ابنِ ابی طالب ہوں

۲۱ مجھ کو ہوتا نہ اگر بخششِ اُمّت کا خیال
روک لیتا مجھے رستے میں، یہ تھی حُر[۱۸] کی مجال؟
تھام سکتا تھا لجامِ فرسِ برق مثال؟
پوچھ لو، دیکھا ہے اُس[۱۹] نے مرے شیروں کا جلال
گفتگو میں سپر اُس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اِک وار میں پہنچوں سے قلم ہو جاتے

۲۲ غیظ سے ہونٹ[۲۰] چباتے تھے علی[۴] کے دل دار
نیمچے تولتے تھے عون و محمد ہر بار
آ گلی پڑتی تھی جگربندِ[۲۱] حسن[۴] کی تلوار
میں نے جب سر کی قسم دی تو رُکے وہ جرّار
چلتی تلوار تو جنگل تہ و بالا ہوتا
پھر نہ حُر خلق میں ہوتا، نہ رسالا ہوتا

۲۳ تھا یہ بپھرا ہوا عبّاس، مرا شیر جواں
سینۂ حر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں
میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ، اے بھائی جاں
رحم لازم ہے ہمیں، ہم ہیں امامِ دو جہاں
کچھ تردد نہیں، سر تن سے اُتارا جائے
کوئی بندہ نہ مِرے ہاتھ سے مارا جائے

۲۴ گرچہ یہ امر نہیں اہلِ سخا کے شایاں
کہ کسی شخص کو کچھ دے کے کرے سب پہ عیاں
پوچھ لو حُر تو ہے موجود ، عیاں را چہ بیاں
اسی جنگل میں معِ فوج تھا یہ تشنہ دہاں
شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی
منہ[۲۲] سے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

۲۵ زیست ہر شے کی ہے پانی سے ، شجر ہو کہ بشر
مجھ سے دیکھا نہ گیا ، میں تو سخی کا ہوں پسر
میں نے عبّاسِ دلاور سے کہا گھبرا کر
مشکوں والے ہیں کہاں ، اونٹ ہیں پانی کے کدھر
کرمِ ساقیِ کوثر کو دکھا دو بھائی !
جتنا پانی ہے ، وہ پیاسوں کو پلادو بھائی !

۲۶ رہ نہ جائے کوئی گھوڑا ، کوئی ناقہ ، بے آب
چھاگلیں جلد منگاؤ ، مرا دل ہے بے تاب
سقّے مشکیزوں[۲۳] کے منہ کھول کے آ پہنچے شتاب
متوجّہ ہوا میں خود ، کہ وہ تھا کارِ ثواب
چین آیا نہ مجھے ، بے انھیں آرام دیے
تھا جو اک جام کا پیاسا ، اُسے دو جام دیے

۲۷ تھی یہی فصل ، یہی دھوپ ، یہی گرم ہوا
ٹھنڈے[۲۴] پانی پہ گرے پڑتے تھے حُر کے رفقا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی تھی نہ جا
سقّے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا
بھائیو ! آؤ جو پانی کی طلب گاری ہے
چشمۂ فیضِ حسین[۴] ابنِ علی[۴] جاری ہے !

۲۸ آبِ شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں
فرس و اشتر و قاطر[۲۵] نہ رہے تشنہ دہاں
شکر کرنے لگی، تر ہو[۲۶] کے ہر اِک خشک زباں
پانی پی پی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جواں
شور تھا، ابنِ یداللہ نے جاں بخشی کی
دین و دنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی

۲۹ ایک دن وہ تھا، اور اِک دن یہ ہے، اللہ اللہ!
کہ اسی طرح ہمیں پیاس میں پانی کی ہے چاہ
چشمِ امید ہو گیا، سب نے پھرائی ہے نگاہ
کوئی اک جام بھی بھر کر ہمیں دیتا نہیں، آہ![۲۷]
ہر مسلماں پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
بچّے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

۳۰ کئی معصوم[۲۸] ہیں کم سن کہ موئے جاتے ہیں
دم اکھڑتا ہے مرا، جب انھیں غش آتے ہیں
"پانی پانی" جو وہ کہتے ہیں تو شرماتے ہیں
پاس دریا ہے، پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
سچ ہے، غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
تیسرا دن ہے، کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے

۳۱ شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ
عمر[۲۹] سعد نے کی مڑ کے، رُخِ حر پہ نگاہ
بولا وہ، اشہد باللہ، بجا کہتے ہیں شاہ
محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ
اُن کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخنِ حق میں جو شک لائے[۳۰]، وہ کافر ہو جائے

۳۲ ایک میں کیا ہوں ، زمانے پہ ہے احساں اِن کا
ابرِ رحمت ہیں ، خطا پوش ہے داماں اِن کا
خشک و تر پر ہے کرم خلق میں یکساں اِن کا
اے خوشا حال جو غربت میں ہو مہماں اِن کا
جنّتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہووے گا
جو ادھر ہوگا خدا اُس کی طرف ہووے گا

۳۳ [۳۱]اِن سے قطرہ کوئی مانگے تو گُہر دیتے ہیں
[۳۲]ہیں سخی ابنِ سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں
یاں تو زر دیتے ہیں ، فردوس میں گھر دیتے ہیں
اُس مجرم کی ، گنہگار کی امّید ہیں یہ
ذرّہ پرور جنھیں کہتے ہیں ، وہ خورشید ہیں یہ

۳۴ یہ ابھی ہاتھ اُٹھا کے جو دعا فرمائیں
جتنے عالم کے گنہگار ہیں ، بخشے جائیں
حق سے جس شے کے طلب گار ہوں ، فوراً پائیں
جامِ کوثر یہیں فردوس سے حوریں لائیں
مثلِ خورشید ہے روشن ، وہ شرف اِن کا ہے
یہ وہ بندے ہیں کہ اللہ پہ حق جن کا ہے

۳۵ حُر سے گھبرا کے یہ بولا عمرِ سعد[۳۳] شریر
یہ تو ہے صاف طرف داریٔ شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر ، نہ تعریفِ امیر
اللہ اللہ یہ اوصاف ! یہ مدحِ شبّیر[۴] !
سن چکا ہوں میں کہ مضطر ہے کئی راتوں سے
الفتِ شاہ ٹپکتی ہے تری باتوں سے !

۳۶
۳۴نہ وہ آنکھیں ، نہ وہ چتون ، نہ وہ تیور ، نہ مزاج
سیدھی باتوں سے بگڑنا ، یہ نیا طَور ہے آج ؟
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج ؟
جن کو سمجھا ہے غنی دل میں ، وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے ؟
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے ؟

۳۷
کیا کسی حور کا دکھلا دیا حضرت نے جمال ؟
مل گیا سایۂ طوبیٰ کہ جو ایسا ہے نہال ؟
قصرِ یاقوت میں پہنچا جو ترا رنگ ہے لال ؟
کونَ سے میوۂ شیریں پہ ٹپکتی ہے۳۵ رال ؟
دفعتاً حقِ نمک کو بھی فراموش کیا
کیا تجھے بادۂ تسنیم نے بے ہوش۳۶ کیا ؟

۳۸
میں جہاں دیدہ ہوں ، سب مجھ کو خبر ہے تیری
قُرۃ العینِ محمدؐ پہ نظر ہے تیری
ہونٹ بھی خشک ہیں اور چشم بھی تر ہے تیری
جسم خالی۳۷ ہے اِدھر ، جان اُدھر ہے تیری
راہ میں کچھ جو سلوک اور نوازش کی ہے
تُو نے فرزندِ یداللہ سے سازش کی ہے ؟!

۳۹
خیر ، مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور
لکھیں گے ، عہدۂ اخبار پہ جو ہیں مامور
حاکمِ شام ہے جابر ، وہ سزا دے گا ضرور
گر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اُس سے نہیں دور
سب تری قوم کے سر ، تن سے جدا ہوویں گے
زن و فرزند ، گرفتارِ بلا ہوویں گے

۳۰ نفع اس امر میں کیا ، جس میں ہو مردم کا ضرر
آنکھیں نکلیں گی ، محبّت سے جو دیکھے گا ادھر
شجرِ قامت سرور پہ جو ڈالے گا نظر
سر چڑھے گا ترا برچھی پہ ، یہ اس کا ہے ثمر
الفتِ زلف سے بھی پیچ میں تو آئے گا
خالِ رخ دیکھا تو گھر خالصے[۳۸] لگ جائے گا

۳۱ بدرِ پیشانیِ سرور کا جو ہے سر میں خیال
تو اِسی ماہ میں نقصان ترا ہووے گا کمال
سب میں ہو جائے گا انگشت نما شکلِ ہلال
تیر و شمشیر ہے ابرو کی محبّت کا مآل[۳۹]
عشقِ رخسار میں رتبہ ترا گھٹ جائے گا
منہ پہ کہتا ہوں کہ چہرہ ابھی[۴۰] کٹ جائے گا

۳۲ خوف کس بات کا ، پیاسوں سے یہ تھرّانا کیا ؟
لب پہ ہر مرتبہ بے کس کی ثنا لانا کیا ؟
ننگ کی بات ہے ، دشمن کی طرف جانا کیا
ہو نبیؐ یا کہ وصی ، جنگ میں شرمانا کیا ؟
ابھی لے جائیں جو شبّیر کا سر ہاتھ لگے
خلد ہم اس کو سمجھتے ہیں کہ زر ہاتھ لگے

۳۳ حُر پکارا کہ زباں بند کر او ناہموار !
قابلِ لعن ہے تو ، اور وہ تیرا سردار !
ابنِ زہرا[۴۱] ہے جگر بند رسولؐ مختار
میرا کیا منہ جو کروں مدحِ امامِ ابرار
اک زمانہ صفتِ آلِ عبا[۴۲] کرتا ہے
آپ قرآں میں خدا ان کی ثنا کرتا ہے

۴۴ وصف ایسوں کا زباں پر کوئی کیونکر لائے
تین سو آیے[۴۲] ہوں تعریف میں جن کی آئے
کسی انساں نے یہ دنیا میں ہیں رتبے پائے؟
اپنا محبوب و ولی جس کو خدا فرمائے
الفتِ آل میں مرے تو خوش اقبالی ہے
سنگ ہے، اُن کی محبّت سے جو دل خالی ہے

۴۵ اسفلوں سے ہے محبّت، تجھے او سفلہ مزاج!
خاکِ پا اس کا ہوں میں، ہے جو سر عرش کا تاج
جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج
میرے آقا سا سخی کون ہے کونین میں آج
کیوں ترے سامنے مُکروں کہ نہیں بخشا ہے
ہاں مجھے شاہ نے فردوسِ بریں بخشا ہے

۴۶ باغ جو مجھ کو دکھایا، اُسے کیا جانے[۴۳] تو
راحتِ روح ہے جس باغ کے ہر پھول کی بُو
مجھ کو اللہ نے بخشی ہیں وہ حوریں خوش رُو
کہ جنھیں تیرے فرشتوں نے نہ دیکھا ہو کبھو[۴۴]
نام کوثر کا نہ لے تو، مجھے جوش آتا ہے
انھی چھینٹوں سے تو بے ہوش کو ہوش آتا ہے

۴۷ عزّت دیں، شرفِ کون و مکاں ہیں[۴۵] شبّیرؑ
جانِ زہراؑ ہیں[۴۶]، محمدؐ کی زباں ہیں شبّیرؑ
سنگ پانی ہو، وہ اعجاز بیاں ہیں شبّیرؑ
جان کیوں ہو نہ ادھر، جانِ جہاں ہیں شبّیر
مہرباں ہوں تو ابھی عقدہ کشائی ہووے
وہ[۴۷] نہ بخشیں، تو خدا تک نہ رسائی ہووے

۴۸ کیا[۴۸] میں اور کیا وہ ریاست مری، کیا میرے عیال
جب کہ آفت میں پھنسے احمدؐ مختار کی آل
واں کی املاک و زراعت کا ہو کیا مجھ کو خیال
یاں ہوئی جاتی ہے سادات کی کھیتی پامال
گھر کا اب دھیان، نہ بچّوں کا الم ہے مجھ کو
خانہ بربادیِ شبّیر[۴۹] کا غم ہے مجھ کو

۴۹ دولتِ حاکمِ دوں[۵۰] پر ہے ترا دار و مدار
دار دنیا سے تعلّق نہیں رکھتے دیں دار
کیا مجھے دار پہ کھینچے گا وہ ظالم غدّار
خوابِ غفلت ہے اسے، اور مرے طالع بیدار
کسی سردار نے یہ اوج نہ پایا ہوگا
دارِ طوبیٰ[۵۱] کا مرے فرق پہ سایا ہوگا

۵۰ [۵۲]ہے سر افراز سدا، عاشقِ پیشانیِ شاہ
سجدے کیجے کہ ہے بیت ابرووں کی بیت اللہ
عشق آنکھوں کا ہے مردم کے لیے نورِ نگاہ
ہے وہ یوسفؑ جسے ہو مصحفِ رخسار کی چاہ
عاشقِ لب کو خدا لعل و گُہر دیتا ہے
وہ دہن چشمۂ کوثر کی خبر دیتا ہے

۵۱ خالِ رخسار نہیں گوے سعادت ہے یہ
مجھ سے مجرم کے لیے مُہرِ شفاعت ہے یہ
ہوں جو آشفتۂ گیسو، تو عبادت ہے یہ
بہ خدا سلسلۂ بخشش امّت ہے یہ
شبِ معراجِ رسولؐ دو جہاں سمجھا ہوں
اس کے ہر تار کو میں رشتۂ جاں سمجھا ہوں

۵۲ وصفِ دنداں میں زباں جس کی رہے گوہر بار
موتیوں سے دہن اُس شخص کا بھردے غفّار
شوق میں سیبِ ذقن[۵۳] کے جسے آئے نہ قرار
حوریں غرفوں سے دکھائیں اسے رنگِ رخسار
دم بہ دم چاہنے والوں کے لہو گھٹتے ہیں
یہ گلا وہ ہے، گلے جس کے لیے کٹتے ہیں

۵۳ صدقے اس سینے پہ ہیں، عاشقِ صافی سینہ
خاک اُس دل پہ، جو اُس سینے سے رکھے کینہ
حق نما ہے تو جہاں میں ہے یہی آئینہ
اس کا عاشق ہو تو ہوں کور کی آنکھیں بینا
فیض پاتا ہے وہ دل، جس میں وِلا ہوتی ہے
چشم کو اس کی زیارت سے جِلا ہوتی ہے

۵۴ پاؤں یہ وہ ہیں کہ ان پاؤں کو جو ہاتھ لگائے
تو سرِ دست سرافرازیِ کونین وہ پائے
گردِ نعلینِ مبارک جو اثر اپنا دکھائے
توتیاً ہوئے خجل، کُحلِ جواہر شرمائے
صدقے کر دیں گے سر اِن پاؤں پہ، ہم ایسے ہیں
دوشِ احمدؐ پہ رہے جو، یہ قدم ایسے ہیں

۵۵ عملِ خیر سے بہکا نہ مجھے، او ابلیس!
یہی کونین کا مالک ہے، یہی راس[۵۴] و رئیس
کیا مجھے دے گا ترا حاکمِ ملعون و خسیس
کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ لکھیں پرچہ نویس[۵۵]
ہاں سوے ابنِ شہنشاہِ عرب جاتا ہوں
لے ستم گر! جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

۵۶ کہہ کے یہ، ڈاب سے غازی نے نکالی تلوار
سرخ آنکھیں ہوئیں، ابرو پہ بل آئے اک بار
تن کے دیکھا طرفِ فوجِ امامِ ابرار
پاؤں رکھنے لگا بن بن کے زمیں پر رہوار
غُل ہوا، سیّدِ والا کا ولی جاتا ہے
لو، طرفدارِ حسین[ع] ابنِ علی[ع] جاتا ہے

۵۷ حُر نے نعرہ کیا، یا حیدر[ع] صفدر! مددے
وقتِ امداد ہے، یا فاتحِ خیبر! مددے
زوجِ زہرا[ع] مددے، نفسِ پیمبر[ص]! مددے
بندۂ آل ہوں یا خواجۂ قنبر[۵۶]! مددے
تنِ تنہا ہے غلام، اور بہت اظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حُر! ترے حامی ہم ہیں

۵۸ مل گئی راہِ خدا، واہ رے اقبال ترا
پاک عصیاں سے ہوا نامۂ اعمال ترا
جرمِ ماضی ہوئے سب عفو، خوشا حال ترا
جلد جا جلد، کہ شائق ہے مرا لال ترا
مرد ہے، جس کی یہ ہمّت، یہ ارادہ ہووے
ہاں بہادر[۵۷]، تری توفیق زیادہ ہووے

۵۹ منتظر ہیں ترے سب فوجِ حُسینی کے جواں
درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں[۵۸]
راہ تکتی ہیں تری دیر سے حورانِ جناں
شور کوثر پہ ہے، شبّیر[ع] کا مہماں ہے کہاں
فوجِ قُدسی تری ہمّت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہ[ع] آج ترے حق میں دعا کرتی ہے

۶۰ تُو بہشتی ہے ، یہ کافر ہیں کنشتی ، اے حُر !
مٹ گئی سب ترے اعمال کی زشتی ، اے حر !
دیکھ ، اب صورتِ حورانِ بہشتی ، اے حُر !
کس تلاطم میں[۵۹] بچی ہے تری کشتی ، اے حُر!
غضب اللہ کا شبّیر کی ناراضی ہے
پنج تن تجھ سے ہیں راضی تو خدا راضی ہے

۶۱ اور بالیدہ ہؤا سن کے یہ مژدہ وہ ہزبر[۶۰]
دل بے تاب پکارا کہ نہیں طاقتِ صبر
اب تو اِس فوج میں اک دم کی بھی تعویق[۶۱] ہے جبر
قعرِ دوزخ ہے مسلماں کے لیے صحبتِ گبر[۶۲]
ہاں اٹھا باگ ، جو شیدائے شہِ عالی ہے
فوجِ اللہ و نبیؐ میں تری جا خالی ہے

۶۲ سن کے یہ ، باگ جو لی ، اسپِ سبک تاز اُڑا
ڈر سے رنگِ عمرِ[۶۳] شعبدہ پرداز اُڑا!
کیا اُڑا رخش کہ طاؤس بصد ناز اُڑا
دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اُڑا
باغِ زہرا[۶۴] میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا ، دربارِ سلیماں[۶۵] میں پری جاتی ہے

۶۳ کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہرچند
حر کا ہاتھ آنا تو کیسا ، نہ ملی گردِ سمند
کھنچتے تھے شرم سے وہ لے کے جو دوڑے تھے کمند
یہ چھلاوا تھا کہ آندھی ، یہ فرس تھا کہ پرند
کیا سبک سوئے چمن بادِ بہاری پہنچی
ہم یہیں رہ گئے ، واں حُر کی سواری پہنچی

۶۴ یاں[۶۴] ہوئے علمِ امامت سے، شہِ دیں آگاہ
ہنس کے عبّاس سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
میرے لشکر کی طرف ہے رخِ حُرِّ ذی جاہ
سب سے کہہ دو کہ نہ روکے کوئی اُس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو، عجب رتبہ شناس آتا ہے
میرا مہماں، مرا عاشق، مرے پاس آتا ہے

۶۵ ذکر یہ تھا کہ صدا دُور سے آئی اک بار
'الغیاث'، اے جگر و جانِ رسولِ مختار
مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں جس کے شمار
عفو کر عفو کر، اے چشمۂ فیضِ غفّار
پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے
دوزخی بھی ترے صدقے میں بہشتی ہو جائے

۶۶ کئی روزوں سے تلاطم میں ہوں، اے شاہنشاہ!
مدد[۶۵]! اے نوحِ غریباں، مرا بیڑا ہے تباہ
دست و پا گم ہیں کچھ ایسے کہ نہیں سوجھتی راہ
شور کرتا ہوں کہ بتلائے کوئی جائے پناہ
ابرِ رحمت کی طرف جا، یہ صدا دیتے ہیں
سب ترے دامنِ دولت کا پتا دیتے ہیں

۶۷ ترے دامن کے نثار، اے مرے آقائے جلیل!
رحم کر رحم کہ شرمندہ ہے یہ عبدِ ذلیل
دل خنک ہووے، جو نکلے کوئی کوثر کی سبیل
جان آجائے جو مولائے دو عالم ہوں کفیل
نہ وزیروں میں یہ ہمّت، نہ شہنشاہ میں ہے
سب مرے درد کا درماں تری درگاہ میں ہے

۶۸ خلق[۶۶] میں آپ کے والد کا کرم ہے مشہور
بات میں بخش دیے سینکڑوں بندوں کے قصور
مجھ سے ہیں باگ پکڑ لینے پہ آزردہ حضور
بخش دیجے تو کرم سے نہیں کچھ آپ کے دور
یہ تو کیونکر کہوں، میں لائقِ تعزیر نہیں
مگر اسود[۶۷] سے زیادہ مری تقصیر نہیں

۶۹ [۶۸]اے مددگار و معین الضعفا! ادرکنی
اے خبر گیرِ گروہِ غربا! ادرکنی
پاؤں لغزش میں ہیں، اے دست خدا! ادرکنی
ہاتھ باندھے ہوں میں، اے عقدہ کُشا! ادرکنی
دیجیے حُر کو سند، نار سے آزادی کی
آئیے، جلد خبر لیجیے فریادی کی

۷۰ مرے اعمال میں ہرچند سراسر ہے بدی
ہوں گنہگارِ خدائے ازلی و ابدی
آپ ہیں مالکِ سرکارِ جنابِ احدی
اے خداوندِ جہاں، خُذ بیدی[۶۹]، خُذ بیدی!
جو تہی دست ہیں، تکتے ہیں شہنشاہ کا ہاتھ
آپ کا ہاتھ زمانے میں ہے اللہ کا ہاتھ

۷۱ ایک یہ خستہ تن اور درپئے جاں لاکھ حریف
اے سلیماں! کہیں پامال نہ ہو مور[۷۰] ضعیف
چھوڑ کر آپ کی سرکار، کہاں جائے نحیف[۷۱]
کیجیے اب نظرِ لطف کہ ہوتا ہوں خفیف[۷۲]
ہوں[۷۳] سرافراز، جو اتنا ہی کَرم ہو جائے
نام قنبر کے غلاموں میں رقم ہو جائے

۷۲ استغاثہ یہ کیا حُر نے ، جو با دیدۂ نم
آ گیا جوش میں اللہ کا دریائے کرم
خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلا کے[۷۴] شہنشاہ اُمم
حُر کو یہ ہاتفِ غیبی نے صدا[۷۵] دی اُس دم
شکر کر ، سبط رسول الثقلین[ع] آتے ہیں
لے بہادر ، ترے لینے کو حُسین[ع] آتے ہیں !

۷۳ حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیّر
دوڑ کر چوم لیے پائے شہِ عرش سریر
شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا ، اے باتوقیر !
میں نے بخشی ، مرے[۷۶] اللہ نے بخشی تقصیر
میں رضامند ہوں ، کس واسطے مضطر ہے تو
مجھ کو عبّاسِ دلاور کے برابر ہے تو

۷۴ [۷۷]کس کے کیوں باندھا ہے ہاتھوں کو، میں ہوتا ہوں خجل
سہل کر دیں اُسے ، گر اور کوئی ہو مشکل
بھائی آ ، مجھ سے بغل گیر تو ہو کھول کے دل
غافر و راحم و توّاب ہے ربِ عادل
جرم سب محو کیے حق نے ترے دفتر سے
آج پیدا ہوا گویا شکمِ مادر سے

۷۵ حُر پکارا "بابی انت و اُمّی" یا شاہ
قابلِ عفو نہ تھے بندۂ آثم کے گناہ
مجھ سے گمراہ کو اک آن میں مل جائے یہ راہ !
سب ہے صدقہ انھی قدموں کا ، خدا ہے آگاہ
مہر ذرے پہ جو ہو نیّرِ تاباں ہو جائے
آپ جس مور کو چاہیں وہ سلیماں ہو جائے

۷۶ کون مقداد تھے ، سلمان و اباذر[۷۸] تھے کون ؟
آپ فرمائیں ، کہ عمارِ دلاور تھے کون ؟
شور عالم میں جو ہے ، مالک اشتر تھے کون ؟
اے خداوندِ جہاں ! حضرتِ قنبر تھے کون ؟
اِنھی قدموں کا تصدّق تھا کہ ممتاز ہوئے
اِسی سرکار کے خلعت سے سر افراز ہوئے

۷۷ شہ نے فرمایا کہ خالق کی عنایت ہے یہ سب
دے کسی شخص کو ، بندے میں یہ مقدور ہے کب ؟
اُس مُسبّب[۷۹] کی عنایت کے یہ سارے ہیں سبب
وہی مُنعم ، وہی مُحسن ، وہی رازقِ ، وہی رب
اپنے کیسے سے نہ دام ، اور نہ درم دیتے ہیں
جب وہ خالق ہمیں دیتا ہے ، تو ہم دیتے ہیں

۷۸ [۸۰]لاکھ ہاتھ اس کے ہیں دینے کے ، وہ ایسا ہے جواد
ہم اسے بھولیں تو بھولیں ، وہ ہمیں[۸۱] رکھتا ہے یاد
رزق وہ حوصلۂ حرص سے دیتا ہے زیاد
[۸۲]شکر کرتے نہیں معبود کا اِس پر بھی عباد
وہ غنی ہے کہ ہے محتاج زمانہ اُس کا
کبھی خالی نہیں ہوتا ہے خزانہ اُس کا

۷۹ جس قدر اس سے طلب کیجیے خوشنود ہے وہ
صاحبِ جود ہے ، وہّاب ہے ، محمود ہے وہ
ہاتھ پھیلائے جو سو بار تو موجود ہے وہ
بخش دیتا ہے کہ ہم عبد ہیں ، معبود ہے وہ
پرورش جُرم پہ بھی صبح و مسا ہوتی ہے
یاں سے ہوتی ہے خطا ، واں سے عطا ہوتی ہے

۸۰ کہہ کے یہ، ساتھ لیے حُر کو چلے شاہ اُمم
ہاتھ میں ہاتھ تھا مہماں کا، اللہ رے کرم
راس و چپ قاسم و اکبر تھے، زہے شان و حشم
سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرتِ عبّاس علم
دور سے اہلِ خطا تیر جو برساتے تھے[۸۳]
رفقا سائے میں ڈھالوں کے لیے آتے تھے

۸۱ لائے اس عزّت و حرمت سے جو مہماں کو امام
بولے عبّاس: ''کمر کھول اب اے نیک انجام''
شہ نے فرمایا: ''مناسب ہے کوئی دم آرام''
عرض کی حُر نے: ''کمر خلد میں کھولے گا غلام''
فاتحہ[۸۴] پڑھ کے، یہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اِس[۸۵] عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

۸۲ ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی اُمنگ
ایک ہی وار میں دونوں کو کروں گا چَورنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ
شاہزادوں کی سپر ہوں، کہ عبادت ہے یہ جنگ
کہیں ایسا نہ ہو، بچہ کوئی بے جاں ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قرباں ہو جائے

۸۳ شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری
مجھ کو مر کر بھی نہ بھولے گی محبّت تیری
وا دریغا! ہوئی کُچھ ہم سے نہ خدمت تیری
خیر، فردوس[۸۶] میں ہو جائے گی دعوت تیری
آج رتبہ ترا خیلِ[۸۷] شہدا میں ہوگا
شب کو تو صحبتِ محبوبِ خدا[ؐ] میں ہوگا

۸۴
تجھ سے مخفی[۸۸] نہیں، ہفتم سے جو کچھ ہے مرا حال
راہیں ہر سمت کی[۸۹] روکے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
قحط پانی کا ہے اِس دشت میں ، گندم کا ہے کال
نانِ جو کا بھی ہے ملنا کسی قریے میں محال
سب کو ایذا عوضِ آب و غذا ملتی ہے
دودھ اصغر کو ، نہ عابد کو دوا ملتی ہے

۸۵
حُر نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا بہ ادب
شہ نے رومال رکھا آنکھوں پہ ، رونے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عرب
شاہ بولے کہ عجب دوست چُھٹا ، ہائے غضب
دم بہ دم یاں سے جو آوازِ بُکا جاتی تھی
گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی تھی

۸۶
حُر چلا فوجِ مخالف پہ اُڑا کر توسن
چوکڑی بھول گئے جس کی تگاپو سے ہرن
وہ جلال اور وہ شوکت ، وہ غضب کی چتون
ہاتھ میں تیغ ، کماں[۹۰] دوش پہ ، بر میں جوشن
دو سرے دوش پہ شملے کے جو بل[۹۱] کھاتے تھے
کاکلِ حور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

۸۷
زور بازو کا نمایاں تھا بھرے شانوں سے
دستِ فولاد دبا جاتا تھا دستانوں سے
برچھیوں اُڑتا تھا[۹۲] دب دب کے فرس رانوں سے
آنکھ لڑ جاتی تھی دریا کے نگہبانوں سے
خودِ رومی کی جو ضو تا بہ فلک جاتی تھی
چشمِ خورشید میں بجلی سی چمک جاتی تھی

۸۸ نیزۂ[۹۳] حُر کی سناں پر نہ ٹھہرتی تھی نگاہ
تھا یہ ظاہر کہ نکالے ہے زباں مارِ سیاہ
قبضۂ تیغ پہ رکھے تھی[۹۴] سرِ عجز پناہ
آفتابی وہ سپر جس سے خجل گردۂ ماہ
قدر[۹۵] اندازوں کو جانوں کے اِدھر لالے تھے
تیر ترکش میں نہ تھے ، آگ کے پرکالے تھے

مطلع[۹۶] سوم

۸۹ رن میں جب شہ کی طرف سے حُرِ دیں‌دار آیا
کس بشاشت سے اُڑاتا ہوا رہوار آیا
غل ہوا ، سیّدِ مظلوم کا غم خوار آیا
جاں نثارِ خلفِ حیدرِ کرّار[۴] آیا
تُتُقِ[۹۷] نُور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

۹۰ آنے جانے کا بہادر کے کروں کیا مذکور
پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا ، پر اب اور ظہور
اے خوشا ! رُتبۂ فیضِ قدمِ پاک حضور
غل تھا ، آتا ہے ملک پہنے ہوئے خلعتِ نور
صحبتِ اہلِ ولا دل کو جلا کرتی ہے
مس[۹۸] کو اک آن میں ، اکسیر طلا کرتی ہے

۹۱ واہ ، کیا فیض ہے سرکارِ شہِ عالم میں
ذرّۂ خاک کو خورشید کیا اک دم میں
نور یہ حور میں دیکھا ، نہ بنی آدم میں
یہ وہی حُرِّ جری ہے ، جو ابھی تھا ہم میں
تن ہے خوشبو ، رخِ گل رنگ تر و تازہ ہے
خاک ، نعلینِ مبارک کی عجب غازہ ہے

۹۲ مہر ذرہ ہے جہاں ، چہرۂ روشن ایسا
چاند[99] بھی جس سے کرے کسبِ ضیا ، تن ایسا
حرز ہو بازوے داؤد کا ، جوشن ایسا
ہوش پریوں کے اڑے جاتے ہیں توسن ایسا
[100] گلشنِ دہر میں لو بادِ بہاری آئی
قاف میں غل ہے ، سلیماں کی سواری آئی

۹۳ حُر پکارا کہ بجا کہتے ہو ، بے شک ، لاریب
دامنِ حضرتِ شبّیر نے ڈھانپے مرے عیب
دولتِ دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب
'بارک اللہ' کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب
فیض پا کر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا ، واں سے غنی آیا ہوں

۹۴ مجھ کو خورشید کیا نورِ خدا کی ضو نے
نور بخشا ، قمرِ[101] فاطمہؑ کے پرتو نے
بخت پائے ہیں سکندر کے غلامِ نو نے
گنج وہ لایا ہوں ، دیکھا جو نہ تھا خسرو[102] نے
دور دور آج سے[103] میرا ہے ، زمانہ میرا
کبھی خالی نہیں ہونے کا خزانہ میرا

۹۵ رخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے
مُل کے آیا[۱۰۴] ہوں منہ اپنا قدمِ حضرت سے
نور وہ ہے جسے دیکھیں نظرِ رغبت[۱۰۵] سے
وائے وہ لوگ ، جو محروم ہیں اِس دولت سے
مجھ[۱۰۶] کو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو
ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو ، مگر سوتے ہو

۹۶ جانِ سلطانِ رسالت کو غنیمت جانو
پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
قمرِ برجِ[۱۰۷] امامت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو
ساتھ اُس کے برکت خلق سے اُٹھ جائے گی
پھر جو ڈھونڈو گے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئے گی

۹۷ ایک سیّد کو مٹا دینے میں ہے کون سا نام
اس ہوا پر ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام ؟
گر ہو دانا تو کہو ، بد ہے کہ ہے نیک یہ[۱۰۸] کام
خوش نما کب ہے وہ تسبیح ، نہ ہو جس میں امام
شکرِ احسانِ جنابِ احدی کرتے ہیں
پیشوا سے کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں ؟

۹۸ یہ سخن سن کے پکارا پسرِ سعد شریر
ہاں طرف دارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لیے[۱۰۹] حربوں کو بڑھا فوجِ کا انبوہِ کثیر
فاتحہ پڑھ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
حُر کا منہ سرخ ہوا ، فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

۹۹ رعد تھرّا گیا ، نعرے جو سنے ضیغم کے
استخواں کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں ، جم جم کے
برقِ شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
بیرقیں گر گئیں ، ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

۱۰۰ چھیڑ کر باگ ، فرس کو جو ذرا گرمایا
غیظ میں آن کے گھوڑا بھی غضب کف لایا
شیر سا فوجِ مخالف پہ جھپٹ کر آیا
روند ڈالا اسے دم میں ، جسے سرکش پایا
اس کا قاتل تھا ، جو دشمن شہِ عالی کا تھا
کاٹ ہر نعل میں شمشیرِ ہلالی کا تھا

۱۰۱ حشر برپا تھا ، کہ تیغِ حرِ ذی جاہ چلی
آگ برسانے کو بجلی سوے جنگاہ چلی
کس کرشمے سے وہ لیلیِ ظفر ، راہ چلی
گہ تھمی ، گاہ بڑھی ، گاہ رکی ، گاہ چلی
زخم سینوں کے گریباں کی طرح پھٹتے تھے
چال کیا تھی کہ ہزاروں کے گلے کٹتے تھے

۱۰۲ کیں صفیں صاف ، مگر منہ کی صفائی نہ گئی
کج ادائی کو نہ چھوڑا ، وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ لگاوٹ وہ رکھائی نہ گئی
سینکڑوں خون کیے اور کہیں آئی نہ گئی
شور تھا ، برق پئے جلوہ گری نکلی ہے
جان[۱۱۰] لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

١٠

جس طرف دیدۂ جوہر سے نظر کرتی ہے
پل نہ گزرے کہ صفیں زیر و زبر کرتی ہے
چشم ، ہرچند کہ پُتلی کو سپر کرتی ہے
ہے[111] وہ طرّار کہ آنکھوں میں یہ گھر کرتی ہے
اُس کے افسوں سے جو ساحر ہو تو جل جاتا ہے
سحر پریوں کا اسی طرح سے چل جاتا ہے

١٠

پھونکے بجلی کو ، یہ اُس آگ کی ہے پرکالا
کاٹ جائے تو کبھی لہر نہ لے پھر کالا
برچھیاں چل گئیں اُس پر جسے دیکھا بھالا
آگیا دام میں جس شخص پہ ڈورا[112] ڈالا
اس کے پانی میں کفِ مارِ سیہ گھولا ہے
باڑھ ہے یا ملک الموت نے منہ کھولا ہے

١٠

آئی جس غول پہ ، لاشوں سے زمیں پاٹ گئی
دست[113] و پا ، صدر و کمر ، گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفیں چاٹ گئی
دیکھی تیغوں کی جدھر باڑھ ، اُسی گھاٹ گئی
جس پہ جاتی تھی ، نہ بے جان لیے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی ، مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

١٠

[114] گل نئے پُھولے جو برچھی پہ لگا پھل اُس کا
زور دکھلاتا تھا ہر ضرب میں کَس بَل اُس کا
ڈھیر تھا خاک پہ ، کاٹا ہوا جنگل اُس کا
جو بڑھا جنگ کو ، قصّہ ہوا فیصل اُس کا
شور تھا ، دیکھیے کیوں کر یہ بلا ٹلتی ہے
اِس قدر جلد تو سیفی[115] بھی نہیں چلتی ہے

۱۰۷
جنگ میں تیغ کو دعویٰ تھا کہ یکتا میں ہوں
سر اٹھایا تھا یہ گھوڑے نے کہ عنقا میں ہوں
چرخ کہتا تھا کہ یارب ! تہ و بالا میں ہوں
برق کہتی تھی کہ تلوار ہے یہ ، یا میں ہوں
کس میں ہے ، یہ جو تڑپ زیرِ فلک میری ہے
تیغ کرتی تھی اشارہ ، یہ چمک میری ہے

۱۰۸
نہ تھمی سنگ سے وہ ، اور نہ رکی آہن سے
ہاتھ اڑا[۱۱۶] لے گئی پہنچوں سے ، تو سر گردن سے
نہ اٹھی اس کی کڑی ضرب کسی جوشن سے
چل گئی بادِ مخالف ، جدھر آئی سن سے
جوش طوفاں کا دکھا کر وہ خوش اسلوب گئی
خوں کے دریا میں ہر اک کشتیِ تن ڈوب گئی

۱۰۹
کثرتِ جوہرِ[۱۱۷] ذاتی سے وہ گو جال میں تھی
پر تڑپ ، صورتِ ماہی وہی ہر حال میں تھی
تھی چمک جانے میں بجلی تو پری چال میں تھی
کبھی مِغفر میں ، کبھی سر میں ، کبھی ڈھال میں تھی
کہیں دم لینے کی مہلت تھی نہ بسمل کے لیے
تھی جگر کے لیے برچھی ، تو چھری دل کے لیے

۱۱۰
صید کرنے کو جسے صورتِ شہباز آئی
لاکھ تڑپا ، پہ نہ بے جان لیے باز آئی
غل ہوا ، شہپرِ شاہیں کے تلے قاز آئی
اڑ گیا طائرِ جاں ، اور نہ آواز آئی
گرچہ قبضے میں لیے تھی ، اسے پر چھوڑ دیا
تھا زبس صیدِ زبوں ، کاٹ کے سر چھوڑ دیا

۱۱۱

آب نے آتشِ سوزاں کا اثر دکھلایا
تاب نے مرگِ مفاجات کا گھر دکھلایا
باڑھ نے جادۂ صحرائے سقر دکھلایا
گھاٹ نے آئنۂ فتح و ظفر دکھلایا
تیغ کہتی تھی درِ فتح کی مفتاح ہوں میں
قول قبضے کا یہ تھا قابضِ ارواح ہوں میں

۱۱۲

[۱۸] خم وہ پایا تھا کہ شرمائے ہلالِ مہِ عید
حُر کے ہاتھ آ گئی تھی گلشنِ جنّت کی کلید
بُرش ایسی تھی کہ کٹ کٹ گئی سب فوجِ یزید
[۱۹] جامۂ کفر کے پرزے تھے ، زہے قطع و برید
نہ بچا تارِ نفس خلق میں جینے کے لیے
چاک زخموں کے فقط رہ گئے سینے کے لیے

۱۱۳

کئی حملے کیے پیہم جو کہاں داروں پر
چل گئے تیر ملامت کے خطا کاروں پر
چُٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پر
رخ پھرا تھا کہ گری برق ستم گاروں پر
جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ خوشہ نہ ملا
کشمکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

۱۱۴

نیزہ فوجِ ستم گار تھے دیکھے بھالے
دم میں اس شیرِ نیستاں نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے
آفتِ مرگ کو سر سے کوئی کیونکر ٹالے
جب سواروں کے پرے جنگ پہ تُل جاتے تھے
بند سب ناخنِ شمشیر سے کُھل جاتے تھے

115
الفِ[120] گُرز کو کر دیتی تھی ہر ضرب میں دال
تھی نئی آمد و رفت اور نئی طرح کی چال
کہیں برچھی کی انی تھی تو کہیں تیر کی پھال[121]
کہیں تلوار، کہیں خنجر بُرّاں، کہیں ڈھال
ضرب کو روک کے دشمن کو فنا کرتی تھی
دم بہ دم فوجِ ستم گر بھی ثنا کرتی تھی

116
شور تھا، آگ ہے تلوار میں یا پانی ہے
جل بُجھی کشتیِ تن خون میں طوفانی ہے
ضرب میں فرد ہے یہ، زور میں لاثانی ہے
کہتا تھا حُر، یہ فقط قوّتِ ایمانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا، نہ وغا کی طاقت
سب ہے یہ سبطِ پیمبر کی دعا کی طاقت

117
کہہ کے یہ، فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا
ورطہ[122] قلزمِ آفت میں گُہر ڈوب گیا
لشکرِ شام کے بادل میں قمر ڈوب گیا
کشمکش تھی کہ عرق میں گلِ تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا پھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں، کبھی تیروں میں

118
گہ چھپا اور گہے نکلا، وہ مہِ برجِ شرف
گہے[123] اس صف میں در آیا، گہے روندی وہ صف
گہے دریا کے کنارے، گہے صحرا کی طرف
گہے نعرہ تھا، کہ صدقے ترے یا شاہ نجف
جتنے مجروح تھے، دم اُن کے نکل جاتے تھے
شیر بھی نام علیؑ سن کے دہل جاتے تھے

۱۱۹
نخل تھرّاتے تھے ، سب گونج رہا تھا جنگل
سرکی جاتی تھی زمیں رن کی ، غضب تھی ہلچل
کوند جاتی تھی سروں پر جو وہ شمشیرِ اجل
منہ کے بھل گرتا تھا کوئی تو کوئی سر[۱۲۴] کے بھل
حشر برپا تھا سواروں پہ ، فرس لوٹتے تھے
دو پہ چار ، ایک پہ دو ، پانچ پہ دس لوٹتے تھے

۱۲۰
بڑھ[۱۲۵] کے فرماتے تھے عبّاس[ع] ، "زہے عزت و جاہ"
"بارک اللہ" کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابنِ حسن[ع] : "واہ حُرِ غازی ، واہ !"
شاہ ، ہر ضرب پہ فرماتے تھے "ماشاء اللہ"
اپنی جاں بازی کا غازی جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

۱۲۱
اتنے[۱۲۶] جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی
سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز اِدھر ، اور اِدھر تنہائی
باگ گھوڑے کی پھراتا تھا کہ برچھی کھائی
آ گیا موت کے پنجے میں ، نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گُرز لگا ، دوش پہ شمشیر لگی

۱۲۲
سینہ غربال ہوا ، تیر چلے اعدا کے
رکھ دیا شیر نے قربوس[۱۲۷] پہ سر نہوڑا کے
علی اکبر نے یہ حضرت سے کہا چِلّا کے
گر ہو ارشاد تو مہماں کو سنبھالوں جا کے
[۱۲۸]خانۂ زیں سے عدم کا سفری گرتا ہے
خاک پر گھوڑے سے اب حُرِّ جری گرتا ہے

۱۲۳ شاہ رونے لگے، یہ سنتے ہی مہماں کی خبر
ہو گئی آنسوؤں سے ریشِ مبارک سب تر
علی اکبر سے کہا، تم ابھی ٹھہرو دل بر
حُر کی امداد کو ہم جائیں گے، اے نورِ نظر[۱۲۹]
کس سے اس وقت کہوں میں جو قلق مجھ پر ہے
لاش مہماں[۱۳۰] کی اٹھاؤں گا کہ حق مجھ پر ہے

۱۲۴ عرض کی حضرتِ عبّاس نے، جاتا ہے غلام
جوشِ رقّت میں کہا شہ نے، نہیں اے گل فام!
میری الفت میں ہوا قتل حُرِ نیک انجام
دوست کیسے جو برے وقت میں ہم آئیں نہ کام
اس پہ جب سخت گھڑی ہوگی تو کام آئیں گے
لاش کیا، قبر میں مہمان کی ہم جائیں گے

۱۲۵ اس کے لاشے پہ نہ جائیں، یہ مروت سے ہے دور
اس سے ہم شاد ہوئے، وہ بھی تو ہو کچھ[۱۳۱] مسرور
قصرِ خُلد اس کو دکھائیں کہ ہوئے عفو قصور
سرخ رُو جاتا ہے دنیا سے وہ خالق کے حضور
ایسا ذی رتبہ کوئی خلق میں کم نکلے گا
میرے مہماں کا مری گود میں دم نکلے گا

۱۲۶ یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جنابِ شبّیر
واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ با توقیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر
پہنچے لاشے پہ امامِ دو جہاں وقتِ اخیر
چمنِ[۱۳۲] ہستیِ مہماں کو اُجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

۱۲۷ گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور
ہائے اے میرے مددگار و معین و یاور!
گُرز کیا تجھ کو لگا ، ٹوٹ گئی میری کمر
گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی[۱۳۲] ہم کو خبر
دوست کے ہجر میں کس دوست کو چین آیا ہے
کھول دے آنکھوں[۱۳۴] کو بھائی! کہ حسین آیا ہے

۱۲۸ واہ اے حُرِّ جری! میں تری ہمت کے فدا
اِس کو کہتے ہیں محبّت ، اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بے کس ترا شرمندۂ احساں بخدا
بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں ، جو کچھ تو نے کیا
حق تعالیٰ چمنِ خلد میں گھر دے بھائی!
اِس ریاضت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی!

۱۲۹ حر کو چونکا کے حبیب ابنِ مظاہر[۱۳۵] نے کہا
"آپ" بے تاب ہیں اے حرِّ جری! ہوش میں آ!
دیکھ دیدار جگر بندِ جنابِ زہرا
کوچ درپیش ہے، یہ وقت نہیں غفلت کا
دم رکا ہے تو اشارے سے وصیّت کر لے
نزع میں نورِ الٰہی کی زیارت کر لے

۱۳۰ کسی آقا نے کبھی کی ہے یہ توقیرِ غلام؟
دیکھ تو رحم ، ترے واسطے روتے ہیں امام
"بھائی" فرماتے ہیں شفقت سے ، شہِ عرش مقام
اے خوشا حال ، خدا سب کا کرے نیک انجام
حشر تک خلق میں یہ ذکرِ غم انگیز رہا
تُو تو بچپن کے غلاموں سے بھی کچھ تیز رہا

۱۳۱ نیم وا چشم سے حُر نے رخِ مولا دیکھا
زیر سر ، زانوے شبیرؑ کا تکیا دیکھا
مسکرا کر ، طرفِ عالمِ بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حُرِ جری ! کیا دیکھا ؟
عرض کی حُسنِ رخِ حُور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نُور نظر آتا ہے

۱۳۲ باغِ فردوس دکھاتا ہے مجھے اپنی بہار
صاف نہریں ہیں رواں ، جھوم رہے ہیں اشجار
شاخوں[۱۳۶] سے میری طرف بڑھتے ہیں میوے ہر بار
حوریں لاتی ہیں جواہر کے طبق بھر نثار
ہے یہ رضواں کی صدا ، دھیان کدھر تیرا ہے
دیکھ اے شاہ کے مہماں ! یہ گھر تیرا ہے

۱۳۳ مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے ، یا شاہ !
ملک الموت بھی کرتا ہے محبّت کی نگاہ
خُلد سے شیرِ خدا نکلے ہیں ، اللہ اللہ !
لو برآمد ہوئے شبّرؑ بھی پدر کے ہمراہ
ننگے سر احمدِ مختارؐ کی پیاری آئی
دیکھیے آپ کے ناناؐ کی سواری آئی

۱۳۴ قبلہ رُو کیجیے لاشہ مرا ، اے قبلۂ[۱۳۷] دیں !
پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دمِ باز پسیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں !
لیجیے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں
بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ آڑھا دیجیے مولا ! مجھے نیند آتی ہے

۱۳۵
کہہ کے یہ ، گود میں شبیرؑ کی لی انگڑائی
آیا ماتھے پہ عرق ، چہرے پہ زردی چھائی
شہ نے فرمایا: ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی
چل بسے[۱۳۹] حُرِّ جری ، پھر نہ کچھ آواز آئی
طائرِ روح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف
پُتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

۱۳۶
لاش اُٹھا کر شہِ دیں خیمے کے در پر لائے
پاؤں مہماں کے سنبھالے علی اکبر آئے
غل ہوا خیمۂ عصمت میں کہ سرور آئے
پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے
دخترِ فاطمہؑ سامانِ عزا کرنے لگی
فضّہ پردے کے اُدھر آ کے بُکا کرنے لگی

۱۳۷
شاہ[۱۴۰] چلّائے کہ اے زینب و اُم کلثوم!
ہم بھی مظلوم ہیں ، مہماں بھی مُوا ہے مظلوم
ماں ہے یاں اس کی ، نہ خواہر، یہ تمھیں ہے معلوم
کون لاشے پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم
اجر ہوگا تمھیں ، اشکوں سے جو منہ دھوؤگی
اس کو یوں روؤ کہ جس طرح مجھے روؤگی

۱۳۸
کہہ دو کبریٰ سے کہ ماتم کے لیے کھولے سر
روئے نادان سکینہ اسے ''عمّو'' کہہ کر
جاں گزا بَین کرے بانوے تفتیدہ جگر
ہم اُدھر لاش پہ ماتم کریں ، تم روؤ اِدھر
غُل ہے فریاد کا آوازِ بُکا آتی ہے
سن لو اماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

۱۳۹ میری جانب سے کہو، لاش پہ آئیں سجّاد
بعد مرنے کے ہو تا روح مرے دوست کی شاد
یہ وصیّت مرے شیعوں کو ہے، رکھیّں اسے یاد
نامِ حُر سن کے کریں آہ و فغان و فریاد
جس عزا خانے میں وہ تعزیہ میرا رکھیّں
اس کا ماتم بھی اسی بزم میں برپا رکھیّں

۱۴۰ دوست کے دوست کا غم، دوست سدا کرتے ہیں
حق محبّت کا وفادار ادا کرتے ہیں
فاتحہ دیتے ہیں، سامانِ عزا کرتے ہیں
غیر مر جاتا ہے گھر میں تو بُکا کرتے ہیں
تھا یہ وہ دوست کہ جاں اس پہ فدا ہوتی ہے
فاطمہ[۴] اپنا پسر کہہ کے اسے روتی ہے

۱۴۱ سن کے یہ، شور ہوا، حُرّ دلاور ہے ہے
اے مددگارِ جگر بندِ پیمبر ہے ہے
خوں میں سب تر ہے ترا روے منوّر ہے ہے
تشنہ و بے کس و مظلوم کے یاور ہے ہے
اِدھر آتا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی
گھر میں سادات کے دعوت بھی نہ کھائی بھائی

۱۴۲ بس انیس اب یہ دعا مانگ کہ اے ربِ عباد!
لکھنؤ کے طبقے کو تو سدا رکھ آباد
رونے والے شہِ والا کے رہیں خلق میں شاد
ان کے سائے میں برومند ہو ان کی اولاد
عشرۂ ماہِ عزا، نالہ کشی میں گزرے
سال بھر شہ کے غلاموں کا خوشی میں گزرے

۵

جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج

(جنگ و شہادتِ حضرتِ عون و محمد)

بند ۱۸۴ ، بحر مضارع

مراجع

* مراثیِ انیس : ترتیب علی حیدر نظم طباطبائی ، جلد اول ، مطبوعہ مطبع نظامی بدایوں ، ۱۹۲۲ع ، صفحہ ۱۷۰ -
* روحِ انیس : ترتیب مسعود حسن ادیب ، طبع دوم ، کتاب نگر لکھنؤ ، ۱۹۵۶ع ، صفحہ ۷۵ -
* اردو انٹرمیڈیٹ کورس : ترتیب عبدالشکور ایم - اے اور عبدالباری آسی ، طبع لکھنؤ ، ۱۹۴۵ع ، صفحہ ۳۳ -
* مراثیِ انیس : ترتیب نائب حسین نقوی ، جلد چہارم طبع اول و طبع دوم ، لاہور -

تبصرہ

زیرِ نظر مرثیہ ایک سو چوراسی بندوں پر مشتمل ہے۔ مرثیے کا موضوع ہے حضرت عون و محمد کی شہادت لیکن ضمناً حبیب ابنِ مظاہر، حضرت زینب اور حضرت عبّاس کا سراپا اور کردار بھی سامنے آتا ہے۔

تشبیب کے بجائے مرثیہ براہ راست شروع ہوتا ہے لیکن صبح و شام جیسے مناظرِ قدرت اور فکری تاثرات کے بدلے ایک اہم منظر کی تصویر کشی کی ہے؛ حضرت امام حسین[ع] حرم سرا سے باہر آنے والے ہیں۔ خیمے کے دروازے سے صحرا کے پھیلاؤ تک لوگ انتظار میں کھڑے ہیں۔ امام برآمد ہوتے ہیں اور لوگ آداب و کورنش کے مراسم بجا لاتے ہیں۔ یہ منظر نگاری عام شاہی آداب کے دیکھنے والوں کے لیے بے حد دل کش ہوگی لیکن آج بھی ہمیں اس میں جاہ و جلال، ادب آداب اور ماضی کی شان نظر آتی ہے۔ یہ منظر، منظر نگاری کے اعتبار سے بھی بہت دل کش ہے اور مدحِ امام کا ایک رخ ہونے کے لحاظ سے بھی قابلِ توجہ ہے۔ اس پس منظر میں مرثیے کا المیہ پہلو بے حد درد انگیز ہو جاتا ہے۔

یہ معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا بادشاہ کسی مصیبت کے سفر پر نکل رہا ہے۔ اندر عورتوں کے جذبات، باہر ملازمین بارگاہ اور اراکینِ پائگاہ، اکابرِ دربار کا استقبال، اندر باہر لوگوں کی باتیں، ان کے جذبات و خیالات، جاں نثاری، وفاداری، محبت، خلوص، بہادری،

بلند ہمتی ، عالی حوصلگی کے رنگارنگ پہلو یوں پیش کیے ہیں کہ اعلیٰ اقدار کے مثالی کرداروں کا دفتر کھل جاتا ہے -

فوج کی علمداری ایک بہت بڑا منصب ہے - اندر باہر اس منصب کے امیدواروں پر گفتگو ہو رہی ہے - جعفر طیّار علم بردارِ غزوۂ موتہ کے پوتوں اور حضرت علیؑ علم بردارِ غزواتِ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے فرزند پر لوگوں کی نظر ہے - حضرت عبداللہ بن جعفر کے فرزند اگرچہ کم سن ہیں لیکن وہ جوشِ شجاعت میں اپنے دادا کا منصب حاصل کرنے کی آرزو کا اظہار کرتے ہیں - میر انیس کا یہ خاص موضوع ہے - عون و محمد اور حضرت زینب و حضرت عباس کے کرداروں کو وہ طرح طرح سے پیش کرتے ہیں - فنی کمال اور تخلیقی قوت کا کرشمہ دیکھنا ہو تو میر صاحب کا یہ خوبصورت مرثیہ از اول تا آخر ملاحظہ کریں -

۱ - حرم سرا سے امام کی آمد : ۱ ، ۷ ، ۶۵ ، ۶۶ ، ۶۷

۲ - حضرت زینب اور دوسری خواتین : ۱۵ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۶۴ ، ۱۵۰ ، ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، ۱۵۳ ، ۱۵۴ ، ۱۵۷ - ۱۷۳ -

۳ - حضرت عباس کی صورت ، سیرت اور کردار : ۱۲ ، ۱۳ ، ۱۴ -

۴ - عون و محمد کی مختلف حالتیں : ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۹ ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۶۴ ، ۱۰۰ ، ۱۰۷ ، ۱۱۴ ، ۱۳۰ ، ۱۳۶ ، ۱۵۵ ، ۱۵۶ -

۵ - جنگ کا ایک اہم موقعہ وہ ہے جب ایک دشمن بچوں کی زد پر آ کر نکل جاتا ہے - میر صاحب نے اس موقع پر نازک خیالی ، جذبہ نگاری ، بچوں کا جوش (۱۳۹ ، ۱۴۱ ، تین بند) - بزرگوں اور بہادروں کی آفرین کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے (۲ بند) -

۶ - حضرت عباس بچوں کی ہمت افزائی کرتے ہیں اور میر صاحب

حریف کی ہجو میں تین بند لکھتے ہیں ۱۴۳ تا ۱۴۵ -

۷ - عون و محمد کی شہادت : ۱۵۵، ۱۵۶ -

۸ - لاشوں کا خیمے میں آنا ، عورتوں کی حالت ، حضرت زینب کا ردِ عمل ، کردار نگاری اور تہذیبی خصوصیات ، نسوانی لہجہ اور زبان و محاورہ : ۱۵۷ تا ۱۷۳ -

۹ - عبرت و موعظت ۱۷۴ تا ۱۷۵ -

مرثیے کا مجموعی تاثر :

میر انیس نے اعلیٰ انسانی اقدار ، ایثار و جاں فشانی میں خواتین کی بلند نگاہی ، بچوں اور جوانوں اور بوڑھوں میں ایک ہی جذبے کی فراوانی اور ہر ایک کی جرأت کے تقابلی مطالعے کا اثر انگیز نقش بٹھایا ہے -

جو کردار سامنے آتے ہیں وہ از اول تا آخر فطری اور عقلی لحاظ سے دل کش ہیں - معجز نما ، غیر عادی اور جناتی نہیں ہیں -

مردانہ زبان یا نسوانی لہجہ میں خوشی ، غم اور شدتِ جذبات دکھانے کے لیے جس شدتِ اظہار کی ضرورت تھی انیس نے ادب و شعر کو وہی پیرایہ دے کر فکر و فن کو عظمت بخشی ہے -

مرثیے کے بارے میں ایک روایت :

سید محمد عباس ایم - اے خاندانِ انیس کے فرد تھے - موصوف نے رباعیاتِ انیس کا ایک وقیع مجموعہ مرتّب کیا تھا - اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۹ (طبع نول کشور ۱۹۴۸ع) پر لکھتے ہیں :

"جناب دولھا صاحب عروج سے جناب رشید نے بیان کیا کہ غدر (۱۸۵۷ع) کے بعد شیش محل لکھنؤ کے نواب امجد علی صاحب کی درخواست پر نواب خورد محل کی مجلس میں میر صاحب نے یہ مرثیہ پڑھا - اس دن لُو اور دھوپ اور گرمی اپنے شباب پر تھی - میر صاحب

منبر پر آئے تو پہلے یہ رباعی پڑھی :

یاں دھوپ بھی آ کے زرد ہو جاتی ہے
آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے
پنکھے آہوں کے ، آنسوؤں کا چھڑکاؤ
یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

اس واقعے سے مرثیے کی تاریخِ تالیف کا کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ میر صاحب نے مقطع میں شاہی کا ذکر اور ''شاہِ فلک وقار'' کے لیے دعا کی ہے - یعنی مرثیہ ۱۸۵۷ع سے قبل لکھا ہے - اسے متعدد مرتبہ پڑھنا اس کی تاریخِ تالیف متعین نہیں کرتا -

امجد علی اشہری[1] ، مہدی حسن احسن اور امیر احمد کاکوروی کا بیان ہے کہ یہ مرثیہ میر صاحب نے اپنی آخری مجلس بنا کردہ شیخ علی عباس صاحب میں پڑھا - اس کے بعد وہ رحلت کر گئے -

مرتضیٰ حسین

---

۱ - امجد علی اشہری نے مطلع غلط لکھا ہے : ''آتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج'' اور جگہ بھی صحیح نہیں ، یعنی یہ مجالس شیش محل میں نہیں ، شیخ علی عباس صاحب کے یہاں ہوئی تھی - ممکن ہے کہ غدر کی مجلس شیش محل اور مجلس شیخ علی عباس دونوں میں یہی مرثیہ پڑھا گیا ہو ، ایک غدر کے بعد ایک وفات سے پہلے -

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱ جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج
کمریں وغا پہ باندھے ہے مشکل کشا کی فوج
صف بستہ آگے پیچھے ہے، سب پیشوا کی فوج
جنّت کا رخ کیے ہے، شہِ کربلا کی فوج
ڈیوڑھی پہ جنّ و انس و مَلک کا ہجوم ہے
خیمے سے اب عَلم کے نکلنے کی دھوم ہے

۲ حاضر ہیں صبح سے درِ دولت پہ جاں نثار
اک سُو ٹہل رہے ہیں عزیزانِ ذی وقار
پیدل کھڑے ہیں سامنے باندھے ہوئے قطار
بیٹھے ہیں زین پوش بچھائے ہوئے سوار
شوقِ زیارتِ عَلمِ فوجِ شاہ ہے
ایک اک کی جانبِ درِ دولت نگاہ ہے

۳ رخ ہے کسی کا جوشِ شجاعت سے لالہ رنگ
کوئی سنوارتا ہے بدن پر سلاحِ جنگ
جھک کے چست کرتا ہے کوئی فرس کا تنگ
چلّے سے جوڑتا ہے کوئی فاقہ کش خدنگ
بھالا سنبھالتا ہے کوئی جھوم جھوم کے
تنتا ہے کوئی، تیغ کے قبضے کو چوم کے

۴ ملتا ہے ہنس کے ایک جواں ، ایک کے گلے
ساری خوشی یہ ہے کہ بس اب خلد میں چلے
چہرے وہ سرخ سرخ ، وہ جرأت[۲] ، وہ ولولے
حق سے یہ التجا کہ نہ رن سے قدم ٹلے
مر کر بھی دل میں الفتِ حیدر[۴] کی بو رہے
پانی ہمیں ملے نہ ملے ، آبرو رہے

۵ حاضر ہے ، ذوالجناحِ شہنشاہِ بحر و بر
کلغی ہے یا کہ خوشۂ پرویں قریبِ سر
خادم چنور لیے ہیں مگس راں اِدھر اُدھر
پیچھے ہیں بادپائے[۴] عزیزانِ نام ور
گھوڑے سمندِ سرورِ ذی شاں کے ساتھ ہیں
پریوں کے غول تختِ سلیماں کے ساتھ ہیں

۶ ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہے یہ پکار
آتے ہیں اب حضور ، خبردار ! ہوشیار !
خلعت پہن رہے ہیں علم دارِ نام دار
نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہیں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ ، تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

۷ یہ سن کے شاد ہو گئی فوجِ حسین[۴] سب
آئے رفیق سب درِ دولت پہ با ادب
بولے حبیب ابنِ مظاہر کہ شکرِ رب
ہاں سرفروشو ! جنگ و جدل کا مزہ ہے اب
سر دے کے لیے ، بہشت کی جس کو تلاش ہو
دیکھیں علم کے سائے میں کس کس کی لاش ہو

۸ کون اور کائنات میں ہے دوسرا جواں
قابل اسی کے دوشِ مبارک کے ہے نشاں
بازوے شاہِ دیں، جسدِ مرتضیٰ[ع] کی جاں
پیروں کا سرپرست، جوانوں کا قدرداں
باتیں پیمبروں کی خدا کے ولی میں ہیں
سب اِس میں جمع ہیں صفتیں جو علی[ع] میں ہیں

۹ الفت وہی، حیا وہی، مہر و وفا وہی
طاعت وہی، وقار وہی، اتّقا وہی
بخشش وہی، کرم وہی، جود و سخا وہی
جرأت وہی، جدال وہی، دبدبا وہی
گیتی میں اور بھی کوئی ایسا دلیر ہے؟
خود تھا علی[ع] کا قول کہ عبّاس شیر ہے

۱۰ بے مثل سب ہیں قبلۂ عالم کے رشتے دار
لیکن خدا نے اس کو دیا ہے عجب وقار
جیسے نبی[ص] کی فوج میں تھے[۶] شیرِ کردگار
ویسا ہی بے عدیل ہے یہ شہ کا جاں نثار
سب فوج سے بڑھا ہوا رتبہ اِسی کا ہے
شیرِ خدا کے بعد یہ حصّہ اِسی کا ہے

۱۱ باہر تو اشتیاقِ عَلم میں ہے سب سپاہ
خیمے میں باندھتے ہیں کمر شاہِ دیں پناہ
سب خویش و اقربا ہیں مسلّح قریبِ شاہ
ہیں سامنے عَلم لیے عبّاسِ عرش جاہ
رتبے کو اوج، نخلِ ترقّی مراد پر
گویا علی[ع] کھڑے ہیں مہیّا جہاد پر

۱۲ شیرِ خدا کا خودِ مبارک ہے زیبِ سر
کلغی ، ہمائے اوجِ سعادت کے جس میں پر
ماتھا ہے یا کہ ابر سے نکلا ہؤا قمر
ابرو ہیں ذوالفقارِ یداللہِ نام ور
ڈورے جو سرخ سرخ ہیں چشمِ سیاہ میں
پھرتی ہیں خوں بھری ہوئی تیغیں نگاہ میں

۱۳ اس کی خوشی جو تھی کہ ملا رایتِ رسول ؐ
رخسار تھے کِھلے ہوئے دو ارغواں کے پھول
قد سروِ باغِ حسن ، نہ پستی فزوں نہ طول
وہ لب کہ جس سے روح کو ہو تازگی حصول
یہ شور تھا نمک کا جہاں کے رواق میں
حوریں بھی ہونٹ چاٹتی تھیں اشتیاق میں

۱۴ دیتے تھے تہنیت جو عزیزانِ پُر جگر
عبّاس مسکرا کے جھکاتے تھے اپنا سر
فرطِ طرب سے چاند سا چہرہ تھا جلوہ گر
رخ کی ضیا اِدھر تھی ، عَلم کی ضیا اُدھر
وہ آسماں حشم ، تو یہ کیواں جناب ہیں
غُل تھا کہ ایک صبح میں دو آفتاب ہیں

۱۵ زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھیں بار بار
منصب مبارک اے شہِ مرداں کے یادگار
کہتے تھے ہاتھ جوڑ کے عبّاسِ ذی وقار
مجھ کو سمجھیے عون و محمد کا جاں نثار
ان کی طرف سے مہتممِ بندوبست ہوں
مالک یہ شاہزادے ہیں ، میں پیش دست ہوں

۱۶ فرماتی تھیں یہ دخترِ خاتونِ کائنات
تم دونوں کے بزرگ ہو ، یہ کَون سی ہے بات
اس وقت ہے خوشی جو اِس آفت سے ہو نجات
سمجھوں کہ بے کسوں کو دوبارہ ملی حیات
گھیرا ہے بے گناہ شہ مشرقَین کو
تم سب شریک ہو کے بچا لو حسینؑ کو

۱۷ سب خوش تھے خیمۂ شہِ ذی جاہ میں ، مگر
چیں بر جبیں تھے زینبِ ناشاد کے پسر
نہ جانبِ عَلم تھی ، نہ ماں کی طرف نظر
آنکھوں میں ڈبڈبائے تھے آنسو ، جھکے تھے سر
اس طرح تھا عرق رُخِ پُر آب و تاب پر
جیسے پڑے ہوں قطرۂ شبنم گلاب پر

۱۸ پھر کر اُدھر سے ، ماں نے جو بیٹے پہ کی نظر
سمجھیں ، عَلم نہ ملنے سے بے دل ہیں یہ قمر
ہٹ کر کیا اشارہ کہ آؤ ذرا اِدھر
آئے عقب سے شہ کے سعادت نشاں پسر
بولیں کہ اب نہ ہوش ، نہ مجھ میں حواس تھے
قربان جاؤں کیا ہے جو چہرے اُداس تھے ؟

۱۹ ہتھیار سج چکے ہیں ، شہنشاہِ حق شناس
تم نے نہ زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
مردوں کو جان دینے میں ہوتا نہیں ہراس
دولھا سے بن کے جاؤ امامِ اُمم کے پاس
کچھ ملگجے ہیں ، آؤ میں کپڑے اُتار دوں
سُرمہ لگا دوں ، گیسوے مشکیں سنوار دوں

۲۰ شب سے تو صبح تک یہ دعا تھی ہر ایک پل
تیغوں میں پہلے ہم کو کرے سرخ رو اجل
اب کیا ہوا، یہ کون سا غصّے کا ہے محل ؟
آنکھوں میں اشک ، رخ پہ عرق ، ابروؤں پہ بل
وہ خوش مزاجیاں ، نہ وہ باتوں کے طور ہیں
اِس وقت دیکھتی ہوں کہ تیور ہی اور ہیں

۲۱ ماں پر یہ آفتیں ہیں ، یہ ماموں پہ ظلم و جور
پیارو ! ہمارے حال پہ لازم ہے تم کو غور
نازک مزاجیوں کے کسی دن نہ تھے یہ طور
اب مشورے ہیں اَور ، تصوّر ہیں اَور اَور
وہ دل نہیں ، وہ آنکھ نہیں ، وہ نظر نہیں
اَوروں کا ذکر کیا ، تمھیں میری خبر نہیں

۲۲ اس کا نہیں خیال کہ کیونکر جیے گی ماں
ہوتا ہے آفتوں میں محبّت کا امتحاں
تم میری دس برس کی ریاضت ہو میری جاں !
مجھ سے سوا ہے کون تمھارا مزاج داں
جس پر یہ برہمی ہے وہ سب جانتی ہوں میں
غصّے کی آنکھ کا ہے کو پہچانتی ہوں میں

۲۳ پردہ ہے تو سناؤ الگ چل کے دل کا حال
دونوں نے عرض کی کہ ”نہیں ، کچھ نہیں ملال“
ہاں ہم کو آج بھول گئے شاہِ خوش خصال
اوروں کی پرورش ہے ، ہمارا نہیں خیال
کیا وارثہ دارِ جعفرِ طیّار ہم نہ تھے ؟
اس عہدۂ جلیل کے حق دار ہم نہ تھے ؟

۲۴ انگشت رکھ کے دانتوں پہ ماں نے کہا کہ "ہا" !
اب اُس کا ذکر کیا ہے ، جو ہونا تھا ہو چکا
دیکھو ، سنیں نہ زوجۂ عبّاسِ باوفا
اچھا ، یہ ہے خوشی کی جگہ یا گِلے کی جا
غبطہ[۸] نہ اُس میں چاہیے جو امرِ خیر ہو
واری ، وہ کون غیر ہے[۹] ، تم کون غیر ہو

۲۵ اک دوپہر کے واسطے ناحق یہ قیل و قال
تم ہو گے[۱۰] تا بہ عصر ، نہ عبّاسِ خوش خصال
اِس دن کی دے گئے ہیں خبر شیرِ ذوالجلال
مجھ کو نہیں یقیں کہ بچے فاطمہؑ کا لال
پیدا ہوئی ہوں اشک بہانے کے واسطے
رہ جاؤں گی میں قید میں جانے کے واسطے

۲۶ لو اپنے دودھ کی تمھیں دیتی ہوں میں قسم
اب کچھ کہو گے منہ سے تو ہوگا مجھے بھی غم
سنتے تھے تم ؟ جو کہتے تھے عبّاسِ ذی حشم ؟
دو جا کے اُن کو تہنیتِ عہدۂ علم
صدقے گئی ، خلافِ ادب کچھ سخن نہ ہو
میری خوشی یہ ہے کہ جبیں پر شکن نہ ہو

۲۷ کنبے میں ایک نے بھی اگر سن لیا یہ حال
کہتی ہوں صاف میں ، مجھے ہوگا بہت ملال
ننھے سے ہاتھ جوڑ کے بولے وہ نونہال
ہم باوفا غلام ہیں ، کیا تاب ، کیا مجال
دیجے سزا ہمیں ، جو بل ابرو پہ پھر پڑیں
کہیے تو چھوٹے ماموں کے قدموں پہ گر پڑیں

۲۸ زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
دونوں ہو تم سعید و رشید و وفا شعار
دے ایسے لال[11] سب کو زمانے میں کردگار
ذی قدر و ذی شعور و سخن فہم و ذی وقار
لازم خوشی ہے جو جسے عہدہ سپرد ہو
چھوٹوں کے تم بزرگ ، بزرگوں کے خُرد ہو

۲۹ پہنائے پیار سے انھیں پھر فاخرہ لباس
ہتھیار جب لگائے تو روئیں بہ درد و یاس
جب[12] اُن کو لے کے آئیں امامِ اُمم کے پاس
بولے گلے لگا کے انھیں شاہِ حق شناس
دو چاند ہیں یہ خانۂ شیرِ الٰہ میں
زینب انھیں بھی بھیجو گی کیا قتل گاہ میں ؟

۳۰ نکلے نہیں ہیں گھر سے ابھی تک یہ گل بدن
تلوار اگر چلی تو پڑے گا غضب کا رن
فوجوں سے گونجتا ہے یہ سب کربلا کا بن
طالب ہیں ایک جان کے دو لاکھ تیغ زن
لشکر[13] سے تیر کیں مری جانب جو آئیں گے
میں کس طرح جیوں گا جو یہ زخم کھائیں گے

۳۱ بنتِ علیؑ نے عرض یہ کی ہاتھ جوڑ کر
رکھتی نہیں کچھ اور میں یا شاہِ بحر و بر
اک جان ہے بس ، اور یہ دو پارۂ جگر
مایہ[14] مرا یہی ، یہی دولت ، یہی ہے زر
پالا ہو جس نے اس کا نہ کچھ حق ادا کروں ؟
اِن کو بچاؤں گر ، تو کسے پھر فدا کروں ؟

۳۲ اس کا[۱۵] نہ کیجے دھیان کہ یہ سن میں ہیں صغیر
دونوں نے بنتِ شیرِ خدا کا پیا ہے شیر
ہمّت میں بے عدیل ہیں، جرأت میں بے نظیر
سینہ سپر کریں گے یہ، جس دم چلیں گے تیر
تلواریں چمکیں، خون کے دریا چڑھے رہیں
امّید ہے کہ سب سے یہ آگے بڑھے رہیں

۳۳ حضرت کے آگے بات کی اِن کو نہیں مجال
مخفی حضور پر ہے ارادوں کا ان کے حال
دادا کا رعب و دبدبہ و شوکت و جلال
تیغ و سپر میں ہے شہِ مرداں کی چال ڈھال
کیجے نظر سنوں پہ تو بے شک صغیر ہیں
ہمّت میں نوجواں ہیں، متانت میں پیر ہیں

۳۴ روتی تھی میں جو آج کی شب کو بہ درد و یاس
دونوں دلاسا دینے کو آ بیٹھے میرے پاس
رو کر کہا کہ آپ کو اِتنا ہے کیوں ہراس
آسان کچھ ہے قتلِ شہنشاہِ حق شناس
بچّے[۱۶] ہیں شیر کے جنھیں بچّا سمجھتی ہیں
کیا آپ ماموں جان کو تنہا سمجھتی ہیں؟

۳۵ حضرت کے ساتھ فضلِ خدا سے ہیں وہ دلیر
تھرّا کے بھاگ جاتا ہے نعروں سے جن کے شیر
تا کوفہ کیا عجب ہے جو ہوں زخمیوں کے ڈھیر
کر دیں گے رستموں کو زبردستیوں[۱۷] سے زیر
کل شیر سب ہیں اور یہ دشت مصاف ہے
سن لیجیے گا آپ کہ میدان صاف ہے

۳۶ یکا ہو دشمنوں[۱۸] کا شہِ دیں کے بال اگر
پھر کاٹ ڈالیے گا تنوں سے ہمارے سر
حضرت تک آسکے کوئی کیا تاب ، کیا جگر
آنکھیں نکال لیں جو کرے غیظ سے نظر
پوتے شجاع[۱۹] کے ہیں ، نواسے دلیر کے
ساعد ہیں یہ علی[۴] کے ، یہ پنجے ہیں شیر کے

۳۷ لاکھوں میں دس جواں نہیں اِس آن بان کے
حافظ ہیں سب یہ مصحفِ ناطق[۲۰] کی جان کے
حملے کریں گے رن میں جو سینوں کو تان کے
مل جائیں گے زمیں سے طبق آسمان کے
سو سو کی جان لے کے ہر اک جان کھوئے گا
ہم سب کے بعد ہوگا جو قسمت میں ہوئے گا

۳۸ خالی نہ جائیں گے یہ شجاعت کے ولولے
رکھ دیں گے دوڑ دوڑ کے تیغوں پہ خود گلے
ہم بھی ہیں بنت فاطمہ[۴] کی گود کے پلے
مرتے ہیں شوق میں ، کہیں تلوار تو چلے
چمکا کے نیمچوں کو جو کھیلیں گے جان پر
لاشے زمیں پہ ہوں گے ، لہو[۲۱] آسمان پر

۳۹ دونوں نے اس طرح بہ فصاحت کیا بیاں
مجھ کو یقینِ فتح ہوا ، یا شہِ زماں !
گویا دوبارہ آ گئی میرے بدن میں جاں
خوش ہو کے بولی میں کہ تصدّق ہو تم پہ ماں
محسن ہے[۲۲] آج ، جو مرے بھائی کی پچ کرے
اِس منہ کے میں نثار ، خدا اس کو سچ کرے

۴۰ ہر بار دیکھتی ہوں میں ان کی طرف بہ غور
دو تین دن سے اور ہیں کچھ تیوروں کے طور
کہتے ہیں ناگوار ہیں اعدا کے ظلم و جور
تب[۲۳] چین ہو، مٹے جو یزیدِ لعیں کا دور
سکہ پڑے حسین علیہ السلام کا
خطبہ ہو منبروں پہ شہِ دیں کے نام کا

۴۱ نو دس برس کے ہیں، ابھی دونوں[۲۴] کے کیا ہیں سن
راتیں یہ غفلتوں کی ہیں اور[۲۵] کھیلنے کے دن
یہ تو وہ معرکہ ہے کہ ہیں مضطرب مُسِن
لیکن کنیز ان کی طرف سے ہے مطمئن
گھوڑے اڑا اڑا کے جو فوجوں پہ جائیں گے
اتنا میں جانتی ہوں کہ جیتے نہ آئیں گے

۴۲ پہروں[۲۶] ہنسیں جو چھوٹے کی باتیں سنیں حضور
کہتا ہے نیمچے کو ہلا کر وہ ذی شعور
نامرد ہے جو آج کرے جنگ میں قصور
اس کو نہ قصرِ خلد ملے اور نہ وصلِ حور
بس چند روز رہ چکے دنیائے زشت میں
کل پہلے داخلہ ہے ہمارا بہشت میں

۴۳ ہر بار الٹ کے کُرتے کی ننّھی سی آستیں
کہتا ہے کیا لڑیں گے دلیروں سے اہلِ کیں
ہیں مرتضٰی علیؑ کے پسر شیرِ خشمگیں
جانیں ہزار ہوں تو نثارِ امامِ دیں
کل نیمچے ہیں اور عدو کی سپاہ ہے
روتی ہیں والدہ، ہمیں دنیا سیاہ ہے

۴۴ ہنس ہنس کے مجھ سے کرتے تھے دونوں ابھی بیاں
ہم کو حضور نے نہ دیا فوج کا نشاں
میں نے کہا قوی ہوئے کچھ دستِ ناتواں ؟
بولے کہ خیر ، آئے تو ہنگامِ امتحاں
اب تو غلام ، قبلۂ عالم کے ساتھ ہیں
کوفے کا ڈر ہے اور یہ کمزور ہاتھ ہیں

۴۵ فرمایا شہ نے اِن کی شجاعت میں فرق کیا
ہیں ورثہ دارِ شیرِ الٰہی یہ باوفا
اچھّا ہمارے ساتھ چلے ایک دل ربا
زینب ! تمھارے پاس رہے ایک مہ لقا
تم کس طرح جیو گی جو دونوں سے یاس ہو ؟
گھر لٹتے وقت ایک تو فرزند پاس ہو !

۴۶ زینب نے عرض کی کہ مجھے ہے یہ آرزو
دونوں نثار آپ پہ ہوں میرے روبرو
بچ جائے جان آپ کی یا شاہِ نیک خو
میں طالبِ ثواب ، یہ خواہانِ آبرو
بہتر ہے دونوں بیٹوں کی گر سوگوار ہوں
میں بھی جنابِ فاطمہ کی[۲۷] ورثہ دار ہوں

۴۷ طفلی سے آج تک نہ ہوئے یہ کبھی جدا
کھیلے تو ایک گھر میں ، پلے ہیں تو ایک جا
چرچا ہے سارے کنبے میں دونوں کے پیار کا
بے شک ہیں ایک جان دو قالب یہ مہ لقا
تڑپے ملاپ کو جو خفا ہو کے بھائی سے
وہ کس طرح جیے گا جدا ہو کے بھائی سے

۴۸
دم بھر مفارقت ہو تو آنسو بہاتے ہیں
روتے ہیں اِس طرح کہ مجھے بھی رلاتے ہیں
دونوں جب ایک جا ہوں تو کھانا یہ کھاتے ہیں
مکتب میں ساتھ جاتے ہیں اور ساتھ آتے ہیں
بھائی جو زخمِ نیزہ و شمشیر کھائے گا
انصاف آپ کیجیے یہ مر نہ جائے گا؟

۴۹
چھوٹا تُنک مزاج ہے، یا شاہِ بحر و بر
سن لے، تو جان دے دے گلا اپنا کاٹ کر
نو دس برس جہاں میں ہوے جس طرح بسر
باہم یونہیں جہاں سے کریں آخری سفر
ہر جا بڑے کے ہاتھ میں چھوٹے کا ہاتھ ہو
میں چاہتی ہوں دونوں کا مرنا بھی ساتھ ہو

۵۰
باپ ان کا آج ہوتا جو اے شاہِ نام دار!
کرتا قدم پہ سر کو تصدّق، بہ افتخار
ایک اُن کے بدلے آپ کے قدموں پہ ہو نثار
میرے عوض فدا کرے ایک اپنی جانِ زار
ان پر ہمارا حق ہے، تو ہم پر حق آپ کا
یہ بھی تو کچھ ادا کریں حق اپنے باپ کا

۵۱
کرتے تھے مجھ سے وقتِ سفر رو کے یہ بیاں
محروم اس شرف سے ہوں میں زار و ناتواں
بچّوں کا ساتھ اور سفرِ خوف، الاماں
مجبور، دشمنوں میں، چلے ہیں شہِ زماں
وقت آ پڑے تو پاس ہمارا نہ کیجیو
بیٹوں کو تم حسین[۴] سے پیارا نہ کیجیو

۵۲ گردن جھکا کے کہنے لگے شاہِ خاص و عام
تم کو جہاں میں پھر نہ ملیں گے یہ لالہ[۲۸] فام
مٹی ہے نسلِ جعفرِ طیّارِ نیک نام
چھاتی سے سر لگا کے وہ بولی کہ یا امام
للہ اِن کے باب میں اب کد نہ کیجیے
ہدیہ فقیر[۲۹] کا ہے، اسے رد نہ کیجیے

۵۳ چپ ہو گئے[۳۰] بہن سے "بہت خوب" کہہ کے شاہ
قاسم نے کی یہ عرض کہ یا شاہِ دیں پناہ!
بڑھ آئی ہے اُدھر سے بہت شام کی سپاہ
فرمایا آپ نے کہ نگہبان ہے اِلٰہ
حملوں سے، فوجِ شام کے جی چھوٹ جائیں گے
جب ہم بڑھے تو مورچے سب ٹوٹ جائیں گے

۵۴ زینب کے نورِ عین بڑھے جب بہ صد حشم
کھولا سروں پہ حضرت عبّاس نے عَلم
ماں کا اشارہ تھا کہ زہے شفقت و کرم
ہاتھوں کو جوڑو[۳۰]، جلد جھکو، چوم لو قدم
کچھ حد ہے اِس بزرگی و جاہ و جلال کی
دیکھیں نوازشیں شہ مرداں کے لال کی

۵۵ لے کر بلائیں بھائی کی، بولی وہ سوگوار
اپنے غلام سمجھو انھیں، تم پہ میں نثار
پہلے پہل نکلتے ہیں گھر سے یہ گل عذار
ان کی مدد ضرور ہے ہنگامِ کارزار
صدمے سے جان اب نہیں زہرا[۴] کی جائی میں
دھڑکا یہ ہے کہ دیکھیے کیا ہو لڑائی میں

۵۶ سیراب[۲۲] اُدھر ہیں سب ، اِنھیں سولہ پہر کی پیاس
کیا ہو جو نہر دیکھ کے ہو جائیں بے حواس
پشتی پہ جب ہو شیر تو بے جا ہے پھر ہراس
رہیو نہ دور اُن سے ، اگر ہے بہن کا پاس
بچّے کہاں یہ ، اور وہ دَل فوجِ شام کا
بھیّا ! مجھے ہے دھیان بزرگوں کے نام کا

۵۷ زندوں میں آؤں میں ، جو یہ مقتل سے مر کے آئیں
کنبے میں سرخ رو ہوں ، اگر خوں میں بھر کے آئیں
اُلٹیں بہادروں کی صفیں ، نام کر کے آئیں
خیمے میں آئیں اب تو جہاں سے گزر کے آئیں
بھیّا مجھے ! قسم ہے جنابِ امیر کی
پانی پیا تو بوند نہ بخشوں گی شیر کی

۵۸ عبّاس نے کہا یہ نہ فرمائیے حضور !
ایسے یہ شیر ہیں کہ وغا[۲۳] میں کریں قصور ؟
بچے کسی نے دیکھے ہیں اِس طرح کے غیور ؟
کوفے کو شام پر جو اُلٹ دیں تو کیا ہے دور
بچپن میں کافروں سے خدا کے ولی لڑے
یہ یوں لڑیں گے جیسے اُحد میں علیؑ لڑے

۵۹ ہے سب عرب میں ، لیثِ بنی[۲۴] غالب ان کا جد
مثلِ علیؑ وغا میں کریں گے یہ جدّ و کد
جس دم رجز پڑھیں گے یہ صفدر بہ شدّ و مد
غُل ہوگا ، گونجتے ہیں ترائی میں دو اسد
یہ پارۂ جگر ہیں ، علیؑ سے دلیر کے
سب خصلتیں ہیں شیر کی ، بچّے میں شیر کے

۶۰ کچھ فکر کی جگہ ، نہ تردّد کا ہے مقام
سن لیجیے گا ، آج یہ جیسے کریں گے کام
ان سے کبھی جدا نہیں رہنے کا یہ غلام
میں عبدِ سرفروش ہوں ، اے خواہرِ امام
بندوں کا حفظ خالقِ عالم کے ہاتھ ہے
روتی ہیں آپ کیوں ، مری جاں اِن کے ساتھ ہے

۶۱ یہ سن کے مضطرب جو پھری وہ جگر فگار
دیکھا بڑھے ہیں جانب در شاہِ نام دار
پھیلا کے ہاتھ کہنے لگے شاہِ ذی وقار
زینب ! گلے سے بھائی کے لپٹو پھر ایک بار
جو حالِ دل ہے ، کہہ نہیں سکتا زباں سے میں
چُھٹتی نہیں تم ، آج بچھڑتا ہوں ماں سے میں

۶۲ بھائی بہن کے درد کی باتیں لکھوں اگر
بہہ جائے ہو کے آب ، جو پتّھر کا ہو جگر
چھاتی سے سر لگائے ہوے تھی وہ نوحہ گر
رکھتے ہوے تھے دوش پہ منہ شاہِ بحر و بر
غم سے جگر لہو تھا شہِ مشرقین کا
سیدانیوں میں شور تھا "ہے ہے حسین" کا

۶۳ بنتِ علی کے پیچھے تھی سیدانیوں کی صف
غل تھا ، مدد کو آئیے اب ، یا شہِ نجف !
لڑیاں تھیں چار ایک سی اشکوں کی دو طرف
شہ کہتے تھے بہن ، نہ کرو جان کو تلف
غربت میں اور کوئی نہ یاور نہ عون ہے
تم مر گئیں ، تو پھر مرے بچوں کا کون ہے

۶۴
فرما[۳۶] کے یہ، بڑھا پسرِ ختمِ مرسلیںؐ
مشکل تھا ضبط ، غش ہوئی وہ بےکس و حزیں
ماتم کی صف پہ بی‌بیاں ، زینب کو لے گئیں
خیمے سے نکلے روتے ہوئے بادشاہِ دیں
دامن عَلم کا کھول کے عبّاس رک گئے
صف باندھ کر سلام کو مجرائی[۳۷] جھک گئے

۶۵
دیکھا[۳۸] جو نورِ چہرۂ سردارِ خاص و عام
پڑھنے لگے درود جوانانِ تشنہ کام
سر کو جھکا جھکا کے جھکے جب پئے سلام
جو سر[۳۹] تھا ، سر جھکانے میں وہ پا گئے امام
یعنی غلام منکسر و خاکسار ہیں
اس پائے عرش قدر پہ ، یہ سر نثار ہیں

۶۶
سب فوج کو سلام کا جب دے چکے جواب
پس جانبِ فرس متوجہ ہوئے جناب
روح الامیں نے دی یہ صدا تھام کر رکاب
بسم اللہ اے خدیو زماں ! مالکِ[۴۰] رقاب
نورِ محمدیؐ رخِ انور کی ضو میں ہے
شوکت تری رکاب میں ، نصرت جلو میں ہے

۶۷
اس شان سے فرس پہ شہِ انس و جن چڑھے
جس طرح نکلے ابر سے خورشید دن چڑھے
بہرِ جہادِ راہِ خدا ، مطمئن چڑھے
گھوڑوں پہ نوجوانوں سے پہلے مُسِن چڑھے
سب جاں فشاں سوار تھے راہِ ثواب میں
پیدل مگر تھے ابنِ[۴۱] مظاہر رکاب میں

۶۸ بڑھتا تھا خون جوشِ شجاعت سے دم بہ دم
گردن میں وہ کجی تھی ، نہ مطلق کمر میں خم
ہر نوجواں سے تھا یہ اشارہ ، بصد حشم
یعنی جہاں سے جائیں گے سیدھے جناں میں ہم
بر میں زِرہ ، کمانِ کیانی تھی دوش پر
قبضے پہ ایک ہاتھ تھا ، اک زین پوش پر

۶۹ ابرو جھکے جو پڑتے تھے پلکوں پہ بار بار
رومال پھاڑ کر انھیں باندھا تھا استوار
آنکھوں سے شیرِ نر کی جلالت تھی آشکار
گویا کہ[۴۲] تھی غلاف میں حیدر[۴] کی ذوالفقار
جلدی چلے جو چند قدم جھوم جھوم کے
رعشہ وداع ہوگیا ہاتھوں کو چوم کے

۷۰ اک شور تھا کہ عود کیا پھر شباب نے
یا کی دعا حبیب کے حق میں جناب نے
ریشِ سفید رخ پہ سیہ کی خضاب نے
پائی یہ آب و تاب کہاں آفتاب نے
لبریزِ نور ، سینۂ بے کینہ ہو گیا
یوں[۴۳] جھرّیاں مٹیں کہ تن آئینہ ہو گیا

۷۱ کہتے تھے باگ روکے ہوئے شاہِ نام دار !
یہ کس لیے پیادہ روی ، اے نحیف و زار !
میں بھی اتر پڑوں گا نہ ہو گے جو[۴۴] تم سوار
کرتے تھے عرض یہ کہ توانا ہے جاں نثار
ہر چند پیرِ خستہ دل و ناتواں شدم
ہر گہ نظر بروے تو کردم ، جواں شدم

۷۲ فرمایا تم کو دیتا ہوں اُس سر کی میں قسم
جو بعدِ عصر تیغ سے ہو جائے گا قلم
میں بھی نکالتا ہوں رکابوں سے اب قدم
اچھّا ، تمھارے ساتھ پیادہ چلیں گے ہم
پہنچیں[۴۵] جناں میں بحرِ مصیبت کو جھیل کے
ہم تم تو ایک گھر میں پلے ساتھ کھیل کے

۷۳ وہ لوٹنا[۴۶] بھی خاک کا اب تک ہے یادگار
تم پر بھی گرد تھی ، مری زلفوں پہ بھی غبار
اُس روز تم پہ مجھ سے سوا تھا نبی[ص] کا پیار
فرماتے تھے یہ ہے مرے پیارے کا دوست دار
شبّیر کے حبیب کو پہچانتا ہوں میں
لوٹے گا یہ لہو میں یونہیں ، جانتا ہوں میں

۷۴ رو کر کہا حبیب نے ، آخر ہوُا وہ دور
اب اُن کا عہد[۴۷] ہے کہ جو ہیں حاکمانِ جور
یہ وقت اور کچھ ہے ، وہ ہنگام تھا کچھ اور
مولا ! کبھی رہا نہیں دنیا کا ایک طور
گردش نئی فلک کی ، نئے انقلاب ہیں
کوثر ہے جن کا ، آج وہ محتاجِ آب ہیں

۷۵ یہ عرض کرکے روئے حبیبِ وفا شعار
جھک کر کہا یہ پیرِ غلام آپ کے نثار
جب تک سمند پر وہ دلاور ہوُا سوار
روکے رہے لگامِ[۴۸] فرس شاہِ نام دار
ہر دوست پر پدر سے زیادہ شفیق تھے
کیا قدرداں وہ شاہ تھا اور کیا رفیق تھے

۷۶ بس[۴۹] چھیڑ کر فرس کو امامِ زماں بڑھے
آگے جو تھے رکے ہوئے ، وہ سب جواں بڑھے
کاندھوں پہ رکھ کے نیزوں کو شیرِ ژیاں بڑھے
مشتاقِ تیغ و خنجر و تیر و سناں بڑھے
یوں طے کیا دلیروں نے آس راہِ خیر کو
جاتا ہے جس طرح کوئی گلشن کی سیر کو

۷۷ بشّاش قتل گاہ میں پہنچے جو وہ دلیر
نیزوں کو گاڑ گاڑ کے گونجے مثال شیر
نعرہ[۵۰] یہ تھا کہ کیجیو اِن سرکشوں کو زیر
عرصہ نہ جنگ میں ہو ، نہ فتح و ظفر میں دیر
تیغوں سے روم و شام کی بستی اجاڑ[۵۱] دو
کوفے کے در پہ جا کے نشانوں کو گاڑ دو

۷۸ حد سے فزوں[۵۲] تھی کثرتِ فوجِ ستم شعار
لکھی ہے راویوں نے چھ لاکھ اور دس ہزار
پیدل تھے بے حساب ، تو تھے لاتُعد[۵۳] سوار
فوجوں کا دستِ چپ[۵۴] سے بھی ممکن نہ تھا شمار
پیکِ خیال جا کے پھر آتا تھا راہ سے
پنہاں تھی کربلا کی زمیں سب نگاہ سے

۷۹ اکناف[۵۵] برّ و بحر میں لشکر کا تھا مقام
سہل[۵۶] و جبل بھرے ہوئے تھے فوج سے تمام
ناکوں پہ چوکیاں تھیں ، جزیروں میں اہتمام
مسدود ہو گئی تھی سبیلِ خط و پیام
آیا کبوتر اڑ کے جدھر ، صید ہو گیا
قاصد جہاں ملا ، وہ وہیں قید ہو گیا

۸۰ ظاہر ہوئی سیاہیٔ لشکر سے دن کو رات
وہ کشمکش کہ موت کے طالب تھے ذی حیات
دنیا پرست ، دشمنِ ساداتِ نیک ذات
مقتل سے کوفے تک تھے قشونِ [۵۷] زبوں صفات
دریا کے صرفِ آب سے لب خشک ہو گئے
جتنے کنویں تھے راہ میں سب خشک ہو گئے

۸۱ دنیا میں نیک کم ہیں بہت ، اور بد ہزار
لکھّا ہے فوجِ شہ کا کتابوں میں یہ شمار
چالیس کل پیادے تھے ، بتّیس سب سوار
طفل ان میں تھے کئی سمن اندام و گل عذار
بُوٹا سے قد تھے ، ایک بھی ان میں جواں نہ تھا
سبزہ بھی جن کے گورے رخوں پر عیاں نہ تھا

۸۲ بچّوں میں سبز رنگ کوئی تھا ، کوئی صبیح
شیریں سخن ، لبوں میں نمک ، رنگتیں ملیح
چاٹیں لبوں کو ، ان کی جو باتیں سنیں فصیح
مُردوں کو دم میں زندہ کریں صورتِ مسیح[۴]
جدّ و پدر کی طرح جری ہیں ، دلیر ہیں
بچّے ہیں یوں ، پہ غیظ جب آئے تو شیر[۵۸] ہیں

۸۳ وہ نیمچے ، ہلال کے دم خم پہ جن کو فوق
جرأت کا جوش ، تیغ زنی کا دلوں میں شوق
ہنس ہنس کے زخم کھائیں ، زبانوں کو اس کا ذوق
گیسو رخوں پہ ، کانوں میں بُندے ، گلوں میں طوق
آنکھیں جو نرگسی ہیں ، تو رخ بھولے بھالے ہیں
نازوں[۵۹] کے ، مَنتّوں کے ، مرادوں کے پالے ہیں

۸۴ ایک ایک خوش بیاں تو ہر اک نکتہ سنج ہے
کچھ پیاس کا نہ غم ہے ، نہ فاقوں کا رنج ہے
لشکر ہے وہ کہ حُسن کی دولت[60] کا گنج ہے
چہرہ ہر اک کا ماہِ چہار و دو[61] پنج ہے
انگڑائیاں جو لیتے ہیں سینوں کو تان کے
کہتا ہے حُسن خود کہ نثار ان کی شان کے

۸۵ کم گو کوئی[62] ، متیں کوئی ، شیریں سخن کوئی
بچپن میں سرو قد کوئی ، رشکِ چمن کوئی
نازک مزاج کوئی ، تو گل پیرہن کوئی
تصویرِ جد کوئی ، تو شبیہِ حسن[ع] کوئی
دولت یہی حسین[ع] کے حصّے میں آئی تھی
مایہ تھا[63] فاطمہ[ع] کا ، علی[ع] کی کمائی تھی

۸۶ شیرانِ دشت کو جگر ایسے نہیں ملے
غوّاص کو کبھی گُہر ایسے نہیں ملے
حمزہ کو جنگ کے ہنر ایسے نہیں ملے
جعفر نے پائے بال[64] ، پر ایسے نہیں ملے
جو تھا نبی[ص] کے بعد خدا کے ولی کا تھا
حضرت کو وہ ملا کہ جو حصّہ علی[ع] کا تھا

۸۷ پہلے پہل جو نکلے تھے گھر سے وہ گل عذار
تیغیں چمکتی دیکھ کے بڑھتے تھے بار بار
فرماتے تھے یہ روک کے عبّاسِ نام دار
شیرو ! ابھی نہیں ہے تمھیں حکمِ کارزار
حجّت[65] تمام کی نہیں شاہِ غیور نے
سبقت نہ کیجو[66] ، منع کیا ہے حضور نے

۸۸ عجلت کو جانتے ہیں سبک ، جو ہیں بردبار
بے وقت دوڑتے نہیں ذی قدر ، ذی وقار
دیکھو تماشا ، فوج کی کثرت ہے بے شمار
باجے بجا کے کھولیں گے رایت ستم شعار
جلدی نہ کیجو ، گو کہ لڑائی میں دیر ہو
تم تو خدا کے شیر کے شیروں کے شیر ہو

۸۹ دستِ ادب کو جوڑ کے بولے وہ نیک نام[۶۷]
کر دیجیے ہمیں علی اکبر کے پائے نام
بیٹے سے مسکرا کے یہ کہنے لگے امام
عاشق تمھارے نام کے ہیں یہ فلک مقام
بیٹا! یہ سِن میں چھوٹے ہیں ، سب میں بڑے ہو تم
اچھا ، صف ان کی باندھ کے آگے کھڑے ہو تم

۹۰ بپھرے ہوئے ہیں شیر ، خبردار ، ہوشیار !
کوئی بڑھانے پائے نہ اِس صف سے راہوار
عجلت ہر ایک امر میں بچّوں کا ہے شعار
بہلا کے روکے رہیو[۶۸] انھیں ، تم پہ میں نثار
جان اپنی سب دیے ہیں بزرگوں کے نام پر
گھوڑے اڑا کے جا نہ پڑیں فوجِ شام پر

۹۱ تسلیم کرکے شہ کو ، مرتّب جو کی وہ صف
سب جس لڑی میں تھے گہرِ قلزمِ شرف
فرقت میں جن کی چاک رہا سینۂ صدف
زہرا[۴] کے رشتہ دار ، یداللہ کے خلف
ان سے کسے جہان میں عشقِ دلی نہیں
اب تک وہ آبرو تو کسی کو ملی نہیں

۹۲ شرمندہ جس سے چاند ہو ، چہرے وہ تابناک
دل بلبلوں کے خوں ، تو گریباں گلوں کے چاک
خود وادی السلام[۶۹] جو چھانے نجف کی خاک
ایسے کبھی ملیں نہ گُہر ہائے صاف و پاک
تسبیح ہاتھ آئی یہ کس نیک نام کو
دُرِ نجف تھے وہ جو ملے تھے امام کو

۹۳ شیرِ خدا کے سات جگر بند نام دار
دونوں نواسے حضرتِ زینب کے گل عذار
پوتے چھیوں وحیدِ زماں ، فخرِ روزگار
یکتائے دہر ، پانچ بھتیجے فلک وقار
خود جس کی فرع و اصل علیؑ و رسولؐ تھے
یہ سب اسی درخت کی شاخوں کے پھول تھے

۹۴ یوسف تھے ایک مصر میں اور مشتری ہزار
کیف و کمِ ثمن ہے کتابوں سے آشکار
یوسف سے کربلا میں تھے اٹھارہ گل عذار
عالم کی جان ، فخرِ حسینانِ روزگار
یاں[۷۰] منزلت بھی ، قدر بھی ، قیمت بھی فوت تھی
زہراؑ کے یوسفوں کی خریدار موت تھی

۹۵ تیغ[۷۱] و ترنج اگر ہوں ہلال اور آفتاب
سرکاؤں[۷۲] چہرۂ علی اکبر سے پھر نقاب
حوریں گلوں کو کاٹ کے تڑپیں ، رہے نہ تاب
گر دیکھتیں وہ حسنِ ملیح ، اور وہ شباب
پریاں تو ان کے سائے کا پیچھا نہ چھوڑتیں
دامن کبھی جنابِ زلیخا نہ چھوڑتیں

۹۶ لاریب فیہ[۷۳]، حُسن میں یوسف تھے بےمثال
گستاخیاں معاف ، ادب کا بھی ہے خیال
مثلِ نبیؐ ملیح تھے ، یہ سب نِکو خصال
وہ چاشنی سخن کی ، وہ شیرینیِ مقال
شور آج تک ہے ، خوبی یوسف میں شک نہیں
پھیکا ہے پر وہ حسن کہ جس میں نمک نہیں

۹۷ ناگہ نشاں بڑھائے اُدھر کی سپاہ نے
کھولا اِدھر عَلم کو عَلم‌دارِ شاہ نے
چوما نشاں کو بڑھ کے ہر اک خیرخواہ نے
"طوبیٰ[۷۴] لکُم" کہا شہِ عالم پناہ نے
رفعت بڑھی زمینِ سعادت سرشت کی
ٹھنڈی ہوا پھریرے سے آئی بہشت کی

۹۸ رایت وہ سبز ، لشکرِ سادات کا نشاں
دامانِ پاک کشتیِ اُمّت کا بادباں
پنجہ مثال پنجۂ خورشید زرفشاں
پرچم تھا ، بال کھولے تھی یا حوریٔ جناں
مُشک و عبیر و عُود کا بازار سرد تھا
مٹّی کا عطر ، خاک کی خوشبو سے گرد تھا

۹۹ نقّارۂ وغا پہ لگی چوب ناگہاں
گردونِ دوں سے پار ہوئی طبل کی فغاں
شیپور[۷۵] کے غریو سے ہلتا تھا آسماں
وہ بوق[۷۶] کی مہیب صدا تھی کہ الاماں
نیزوں کو ہر سوار اُدھر تولنے لگا
گونجے اِدھر بھی شیر ، کہ رن بولنے لگا

۱۰۰ شہنا کا شور سن کے لرزتا تھا بند بند
برچھے ہلے رسالوں میں ، نیزے ہوئے بلند
صحرائے ہولناک کی وحشت ہوئی دوچند
ڈر کر کنوتیوں[۷۷] کو بدلنے لگے سمند
سن کر دُہل کا شور ، کلیجے دَہل گئے
صحرا سے دب کے شیرِ نیستاں نکل گئے

۱۰۱ پیاسوں پہ جب اُدھر سے چلے تیر بے شمار
مولا نے غازیوں کو دیا حکمِ کارزار
نکلے وغا کو قبلۂ عالم کے جاں نثار
جن کی شجاعتیں ہیں زمانے میں یادگار
ہوں گے ، نہ ہیں ، نہ ایسے کبھی باوفا ہوئے
سب جان دے[۷۸] کے حقِّ نمک سے ادا ہوئے

۱۰۲ حُر[۷۹] و بُریر و وہب و عُمیرِ فلک مقام
وہ مسلم ابنِ عَوسَجۂ عرش احتشام
سعد و زُہیرِ قَین و حبیبِ خجستہ کام
وہ شیر جس کا بوعمرِ نہشلی تھا نام
جس غول پر جھپٹ کے یہ آئے وہ ہٹ گیا
اِک ایک مرتے مرتے پروں کو الٹ گیا

۱۰۳ نکلے وغا کو ایلچیِ[۸۰] شاہ کے پسر
ماتم میں تھے کہ تھا ابھی تازہ غمِ پدر
فوجوں پہ حملہ ور ہوئے جس دم وہ شیرِ نر
دم میں تنوں سے کٹ کے گرے کوفیوں کے سر
رن پر چڑھے جو سوگ کے کپڑے اتار کے
مارے گئے وہ شیر ، ہزاروں کو مار کے

۱۰۴ لاشوں کو قتل گاہ سے لے آئے جب حسینؑ
نکلے پرے سے ، حضرتِ زینب کے نورِ عین
کی عرض یا امامِ زماں شاہِ مشرقین
رانڈوں میں ہے یتیموں کے ماتم کا شور و شین
پھر وقت کون سا ہے جو اب ہم فدا نہ ہوں ؟
دل تھرتھرا رہے ہیں کہ اماں خفا نہ ہوں

۱۰۵ فرمایا کیا نہ جاؤ گے رخصت کو ماں کے پاس
دونوں نے ہاتھ جوڑ کے تب کی یہ التماس
اکبر سے آپ پوچھ لیں ، یا شاہِ حق شناس !
فرما چکی ہیں والدۂ آسماں اساس[۸۱]
اب گھر میں آئیو تو وغا کرکے آئیو
سر لے کے ابنِ سعد کا ، یا مر کے آئیو

۱۰۶ فرمایا ، خیر فوج سے جنگ و جدل کرو ؟
جو ماں نے کہہ دیا ہے اسی پر عمل کرو
ہاں خواہشِ وصالِ عروسِ اجل کرو
بچپن میں اس بقا کو فنا سے بدل کرو
راحت نے اس طرف نہ کیا رخ ، نہ چین نے
دیکھے نہ ماں نے بیاہ ، نہ سہرے حسنؑ نے

۱۰۷ تسلیم کرکے گھوڑوں پہ وہ نازنیں چڑھے
غل پڑ گیا ، جہاد پہ دو مہ جبیں چڑھے
یوں اشہبوں پہ دلبر ضرغامِ دیں چڑھے
نظروں سے سب اتر گئے گھوڑے زمیں چڑھے
پریاں نکل کے قاف کی راہوں سے چھپ گئیں
دو[۸۲] بجلیاں چمک کے نگاہوں سے چھپ گئیں

۱۰۸ پہنچے جو رن میں برجِ شرف کے وہ آفتاب
نیزے زمیں پہ گاڑ دیے مثلِ بوتراب[۴]
نعرہ کیا ، کہ او پسرِ سعد بے حجاب
ہمراہ لے کے شمر کو آ سامنے شتاب
گو سیکڑوں سوار ، ہزاروں پیادے ہیں
تلوار چلے تجھ سے چلے ، یہ ارادے ہیں

۱۰۹ ہم نے سنا یہ ہے[۸۳] کہ قریشی نسب ہے تو
نیکوں میں بد ہوئے ہیں ، بدوں میں خجستہ خو
ہم ٹوکتے ہیں ، او سگِ ناپاک و کینہ جو
شیروں سے آ وغا کو ، جو ہے پاسِ آبرو
فاقوں میں زور دیکھ ، جدال و قتال دیکھ !
دعویٰ ہے کچھ ، تو ہاشمیوں کا جلال دیکھ !

۱۱۰ ماں بنتِ فاطمہ[۴] ہیں ، بنی فاطمہ[۴] ہیں ہم
دادا ہیں ابنِ عَمِّ رسول[ص] فلک حشم
ہیں اس طرح نسب میں نبی[ص] و علی[۴] بہم
دو نام[۸۴] گو ہیں ، ایک ہے پر کعبہ و حرم
بھائی جدا ہے ، خویش جدا ہے ، وصی جدا
اِن سے علی[۴] جدا ، نہ خدا سے نبی[ص] جدا

۱۱۱ بے[۸۵] فصل ہے وصیِّ نبی ، مالکُ الرقاب
ضرغامِ دیں ، مدینۂ علمِ نبی کا باب
دریائے فیضِ رحمتِ معبود کا سحاب
نورِ خدا سپہرِ جلالت کا آفتاب
جو ان سے منحرف ہوا ، وہ دوزخی ہوا
ایسا کوئی شجاع ، نہ ایسا سخی ہوا

۱۱۲ کہف الوریٰ[۸۶] ، سراجِ ھدیٰ ، حجّتِ خدا
جس سے فزوں کسی نے نہ کی طاعتِ خدا
خاکی نہاد و آئنۂ قدرتِ خدا
ہر ضرب جس کے ہاتھ کی تھی ضربتِ خدا
حق ساتھ ہے حسین[ع] کے ، ہم اُن کے ساتھ ہیں
پہنچا[۸۷] علی[ع] کا زور جنھیں ، یہ وہ ہاتھ ہیں

۱۱۳ چھوٹے نے کی یہ عرض کہ بڑھیے بس اب حضور
مخفی ہوا ہے خیمے میں ڈر کر وہ بے شعور
ہوتا ہے اور دھوپ سے اب پیاس کا وفور
مرنا ہے ہر طرح ، یہ تامُّل ہے کیا ضرور
دو ہاتھ میں بھگا کے سواروں کو گھاٹ کے
خیمہ گرا دیں[۸۸] اس پہ طنابوں کو کاٹ کے

۱۱۴ کھینچے یہ کہہ کے نیمچے دونوں نے یک بہ یک
پہنچی زمیں سے آئنۂ مہر تک چمک
گاوِ زمیں اِدھر تھی ہراساں ، اُدھر سمک
دب کر پروں پہ نادِ علی[۸۹] پڑھتے تھے ملک
غُل تھا چمک دمک وہی سب آشکار ہے
اک جا ہیں دو یہ نیمچے ، یا ذوالفقار ہے

۱۱۵ دو بجلیاں سپاہ میں کوندیں ، فرس بڑھے
جس طرح قافلے سے صدائے جرس بڑھے
اب کون روکے ، شیر بڑھے جب ، تو بس بڑھے
مقتل میں بیس ہو کے گرے وہ ، جو[۹۰] دس بڑھے
بچّوں نے زور حق کے ولی کا دکھا دیا
سب رنگ ڈھنگ ضربِ علی[ع] کا دکھا دیا

۱۱۶ وہ آن کے[۹۱] اشہبوں کی رَوا رَو ، اِدھر اُدھر
کاوے[۹۲] میں پس کے مر گئے سَو سَو اِدھر اُدھر
تابندہ تھے جو آٹھ[۹۳] مہِ نو اِدھر اُدھر
پھیلی ہوئی زمین پہ تھی ضو اِدھر اُدھر
کیلوں سے آشکار تھے جلوے نجوم کے
پریاں تھیں دو کہ پھر رہی تھیں جھوم جھوم کے

۱۱۷ آئے جدھر ، خدا کا غضب آ گیا اُدھر
پلٹے جدھر یہ ، رعبِ علی[ؑ] چھا گیا اُدھر
جھپٹے جدھر ، شکست عدو پا گیا اُدھر
ٹھہرے جہاں ، کسی سے نہ دیکھا گیا اُدھر
انساں تو کیا ہے شیروں کے زہرے بھی آب ہیں[۹۴]
آنکھیں ملائے کون کہ دو آفتاب ہیں

۱۱۸ کیا دونوں تازیوں کی سبک تازیاں لکھوں
کیوں کر روا روی میں خوش اندازیاں لکھوں
کس طرح نیمچوں کی سرافرازیاں لکھوں
کیا دونوں شاہزادوں کی جاں بازیاں لکھوں
پوتے ہیں کس جری کے ، خلف کس ولی کے ہیں
اعلیٰ یہ مدح ہے کہ نواسے علی[ؑ] کے ہیں

۱۱۹ [۹۵]جو شیرِ حق میں تھی وہ شجاعت اِنھی میں ہے
جعفر کی شان و شوکت و صَولت انھی میں ہے
شبّیر[ؑ] سے کریم کی ہمّت انھی میں ہے
کونَین بخش دیں ، یہ سخاوت انھی میں ہے
گو ان کے مدح خوانوں کے لب بے سوال ہیں
منہ بھر دیں موتیوں سے کہ زینب کے لال ہیں

۱۲۰ وہ چھوٹے چھوٹے خود ، وہ پیشانیوں کی شان
وہ دبدبہ ، وہ رعب ، وہ عمرانیوں[۹۶] کی شان
دیں‌داریوں کا نور ، خدادانیوں کی شان
وہ دونوں نیمچوں کی سرافشانیوں کی شان
پیہم[۹۷] چلے ، پہ زور گھٹا کچھ ، نہ کس گیا
جب چمکے ، مینہ سروں کا سراسر برس گیا

۱۲۱ جس صف پہ ، دور سے وہ جلالت قریں بڑھے
غل پڑ گیا کہ دلبرِ ضرغامِ دیں بڑھے
وہ کیا بڑھے کہ دو اسدِ خشمگیں بڑھے
شیروں کا وہ شکار ہوے جو لعیں بڑھے
زندے بھی کشتۂ خطر و بیم ہو گئے
دو حصے ہو کے[۹۸] موت میں تقسیم ہو گئے

۱۲۲ چِلّے سے جس کا تیر ملا ، تن پہ سر نہ تھا
جز گوشۂ مزار ، کسی جا[۹۹] مفر نہ تھا
زندہ جو بھاگنے[۱۰۰] میں اِدھر تھا ، اُدھر نہ تھا
کُشتوں کے پُشتے تھے کہ نظر کا گزر نہ تھا
دریا تھا یا سپاہ ، صفیں تھیں کہ موجیں تھیں
دو بجلیوں کے بیچ میں اعدا کی فوجیں تھیں

۱۲۳ نیزوں میں جس طرف وہ گئے ، بے دھڑک گئے
شیروں کی بو[۱۰۱] جو آ گئی ، گھوڑے بھڑک گئے
زندوں کے خوفِ جاں سے کلیجے دھڑک گئے
زخموں میں کیا مزہ تھا کہ بسمل پھڑک گئے
یکسر قدم سپاہ کے[۱۰۲] ، دریا سے اٹھ گئے
ہونٹوں کو چاٹتے ہوئے دنیا سے اٹھ گئے

۱۲۴ وہ گورے گورے ہاتھ، وہ نازک کلائیاں
وہ بازوؤں کا زور، وہ تیغ آزمائیاں
وہ نیمچوں میں سیفِ[۱۰۳] علی[۴] کی صفائیاں
وہ ولولے، وہ پہلے پہل کی لڑائیاں
جس غول پر وہ صاحبِ شمشیر آ پڑے
ثابت ہوا کہ فوج پر دو شیر آ پڑے

۱۲۵ جس پہلواں پر عون کی تلوار پڑ گئی
چہرہ تو کیا ہے، زیست کی صورت بگڑ گئی
چھوٹے کی آنکھ جس سے لڑائی میں لڑ گئی
سرتیز اک سناں تھی کہ پُتلی میں گڑ گئی
آنکھوں کو رو کے صف سے وہ مَردک[۱۰۴] نکل گیا
گویا قفا[۱۰۵] کو توڑ کے ناوک نکل گیا

۱۲۶ اک شور تھا کہ چشم نمائی غضب کی ہے
آفت کا معرکہ ہے، لڑائی غضب کی ہے
یہ گھاٹ قہر کا، یہ ترائی غضب کی ہے
چھوٹے سے نیمچوں کی صفائی غضب کی ہے
[۱۰۶]دونوں ہیں نورِ عین علی[۴] سے غیور کے
آنکھیں نکال لیں، کوئی دیکھے تو گھور کے

۱۲۷ جس پر اُڑا کے رخش وہ جاں باز آ[۱۰۷] پڑا
ثابت ہوا کہ صید پہ شہباز آ پڑا
دو ہو کے تیغ پر وہ فسوں ساز آ پڑا
خود منہ کے بل سمندِ سبک تاز آ پڑا
بڑھتا تھا آپ سے نہ کوئی جنگ کے لیے
لاتی تھی موت گھیر کے چورنگ کے لیے

۱۲۸ اللہ کا غضب آدھر آیا ، جدھر بڑھے
پہنچا سروں پہ تیغ کا سایا ، جدھر بڑھے
جلوہ عروسِ فتح نے پایا ، جدھر بڑھے
گھونگھٹ[۱۰۸] سپاہِ شام نے کھایا ، جدھر بڑھے
گرتی تھی برق لشکرِ ابنِ زیاد پر
گویا چڑھے تھے دو نئے دولھا جہاد پر

۱۲۹ ماتھے وہ ، اور وہ پیچ عماموں کے لٹ پٹے[۱۰۹]
گیسو وہ بنتِ فاطمہؑ کے ہاتھ کے بٹے
وہ ابروؤں کے خم ، کہ ہلالِ فلک کٹے
آنکھیں وہ نرگسی کہ نہ جن سے نظر ہٹے
چہرے کسی نے دیکھے ہیں اس آب و تاب کے ؟
رخسار ، چار پھول کھلے ہیں گلاب کے

۱۳۰ وہ برگِ گل سے لب ، وہ دہن ان کے تنگ تنگ
وہ بھینی بھینی بُو کسی غنچے میں ، نہ وہ[۱۱۰] رنگ
لعل و گہر ہیں ان لب و دنداں کے آگے دنگ
اک منجمد[۱۱۱] یہ قطرۂ نیساں ہے اور وہ سنگ
تشبیہ بھی جو ان سے نہ دی ، ناامید ہیں
اس غم سے موتیوں کے کلیجوں میں چھید ہیں

۱۳۱ گورے گلے ، کہ جن سے نمایاں ہے نورِ حق
سرخی نہیں ، یہ مہرِ منور پہ ہے شفق
وہ نیمچے ، وہ ہاتھ ، دلِ کفر جس سے شق
سینے ہیں ایک مصحفِ ناطق کے دو ورق
خالی ہیں گو شکم ، پہ یہ جرار سیر ہیں
فاقہ تو ارث[۱۱۲] ہے کہ یہ شیروں کے شیر ہیں

۱۳۲ ان دونوں اشہبوں کی وہ چھلبل ، وہ تنگ جائے
جو ان کی چال دیکھنے آئے ، وہ دنگ جائے
صورت کا نہ بناؤ ، نہ سرعت کا ڈھنگ جائے
اڑتے تھے یوں کہ جیسے ہوا پر خدنگ جائے
پریاں تھیں دو ، وہ اسپِ سعادت اثر نہ تھے
سب تھی ہُما کی تیزپری ، اور پر نہ تھے

۱۳۳ اسوار آفتاب ، تو گھوڑے بھی ماہ رُو
سرعت یہ تھی کہ دوڑتا تھا جسم میں لہو
جاں دار و خوش رکاب و سعید و خجستہ خو
صاف آتی تھی پسینے سے جن کے وفا کی بو
ڈھالا تھا جوڑبند کو سانچے میں نور کے
نازک کلائیاں تھیں کہ پہنچے تھے حور کے

۱۳۴ دونوں کنوتیاں ہیں کہ پیکانِ تیر ہیں
چاروں سُم ان کے غیرتِ بدرِ منیر ہیں
آنکھوں پہ کیجیے جو نظر ، بے نظیر ہیں
یال ایسی ، جس کے پیچ میں پریاں اسیر ہیں
سرعت میں ان سے طَیر کو نسبت نہ تیر کو
نرمی یہ جلد میں کہ خجالت حریر کو

۱۳۵ آئے اُدھر سے گر ، تو اِدھر سے نکل گئے
پہنچے کنارِ بحر ، تو بر سے نکل گئے
مانندِ برق لشکرِ شر سے نکل گئے
دو تیر آکے تیرِ نظر سے نکل گئے
یوں پھر رہے تھے بیچ میں فوجِ غنیم کے
جیسے سحر کو چلتے ہیں جھونکے نسیم کے

۱۳۶ غنچے تھے دو ملے ہوئے اک جا کہ اُن کے گوش
برگستواں[۱۱۳] میں جسم کہ رستم تھا درع پوش
سرعت کو دیکھ لیں تو اڑیں طائروں کے ہوش
گرتا تھا منہ سے کف تو شجاعت کا تھا یہ جوش
پریاں اڑا سکیں نہ روش ان کی چال کی
بالکل مزاج شیر کا ، آنکھیں غزال کی

۱۳۷ وہ سُم ، وہ نعل اور وہ سینے ، وہ ترک تاز
بدر و ہلال و آئنہ و کبک و شاہ باز
زیور تھا ایک شب کی دلھن کا ، کہ ان کے ساز
وہ کلغیاں کہ طرّۂ لیلیٰ سے سرفراز
بن کر گُھر پسینے کے قطرے ٹپکتے تھے
ہیکل[۱۱۴] کی تختیوں کے ستارے چمکتے تھے

۱۳۸ گو چھوٹے چھوٹے پاؤں نہ جاتے تھے تا رکاب
پر پٹریاں جمی ہوئی تھیں مثلِ بوتراب
یوں مرکبوں کے باندھے تھے سر ، وہ فلک جناب
بے جا قدم رکھیں ، یہ سمندوں کو تھی نہ تاب
غل تھا ہٹے رہو کہ مزاج ان کا آگ ہے
حیدر[۴] سے شہسوار کی ، یہ ران باگ[۱۱۵] ہے

۱۳۹ گھوڑوں نے کس پرے میں قیامت بپا نہ کی
فاقہ تھا ، پر کمی تگ و دو میں ذرا نہ کی
وہ کون سی گرہ تھی کہ تیغوں نے وا نہ کی
کن سرکشوں کے جسم سے گردن جدا نہ کی
نیزوں کے بند قطع کمانوں کے ساتھ تھے
حلّالِ مشکلات[۱۱۶] کے بچوں کے ہاتھ تھے

۱۴۰ پیاسوں[۱۰۷] کے نیمچے بھی غضب آبدار تھے
سیل فنا تھے ، صاعقہ شعلہ بار تھے
دونوں بہم جو ہو کے اُٹھے ، ذوالفقار تھے
سائے کو بھی شریک جو کیجے تو چار تھے
دو کرتے تھے یہ راکب و مرکب کو ، زین کو
دو ہاتھ[۱۰۸] کاٹ دیتا تھا سایہ زمین کو

۱۴۱ قبضے وہ تکیہ گاہِ ظفر جن کا نام ہے
پھل وہ کہ جن کو کھاتے ہی قصہ تمام ہے
پانی وہ جس کو کہیے کہ زہر اِلتیام[۱۱۹] ہے
کاٹ ایسا سنگِ سخت جہاں موم خام ہے
جوہر وہ ، دم نکلتے ہیں جن کی مثال پر
افشاں چنی ہوئی ہے جبینِ ہلال پر

۱۴۲ فولاد پوش پھینک کے ہتھیار چھپ گئے
گوشوں میں سر جھکا کے کماں دار چھپ گئے
چار ، آٹھ میں جو قتل ہوئے ، چار چھپ گئے
زخموں کے گل بہت جو کھلے ، خار چھپ گئے
مشکل وہاں تمیزِ بد و نیک ہو گئی
غل تھا کہ لو بہار و خزاں ایک ہو گئی

۱۴۳ جن کے جمے تھے رنگ ، وہ بے رنگ ہو گئے
لڑنے کا حوصلہ نہ رہا ، تنگ ہو گئے
چار آئنے جو پہنے تھے ، چورنگ ہو گئے
بچوں نے وہ کیا کہ جواں دنگ ہو گئے
مُہلت نہ سر اٹھانے کی تھی فوجِ شام کو
دُونا بلند کر گئے جعفر[۱۲۰] کے نام کو

۱۴۴ کوفی بچے ، نہ رومی و رازی ، جدھر گئے
بچھ بچھ گئیں صفیں[۱۲۱] ، وہ نمازی جدھر گئے
غازہ لگایا فتح نے ، غازی جدھر گئے
پس پا تھے یکہ تازہ ، وہ تازی[۱۲۲] جدھر گئے
دھومیں وغا کی قاف سے تا قاف ہو گئیں
اللہ رے مصاف ، صفیں صاف ہو گئیں

۱۴۵ جا پہنچے[۱۲۳] تھے خیام بن سعد کے قریں
کتنی طنابیں کاٹ چکے تھے یہ مہ جبیں
"ہاں ہاں" کا شور کر کے بڑھے سب عدوے دیں
بھاگا عقب سے چیر کے خیمے کو وہ لعیں
بھاگا ادھر تو جوش میں وہ اضطراب کے
یہ دونوں بھائی رہ گئے ہونٹوں کو چاب کے

۱۴۶ چھوٹے نے عرض کی ، یہ سراپا ہیں مکر و کید
دیکھا حضور ، چھٹ گیا پنجے میں آ کے صید
چھپنے کی شرم ہے ، نہ انہیں بھاگنے کی قید
فرمایا عون نے ، یہ ہیں استاد زرق و شید[۱۲۴]
بھاگا طناب کٹتے ہی ، کیا حیلہ ساز ہے
سچ ہے حرام زادے کی رسّی دراز ہے

۱۴۷ بڑھ کر پکارے حضرت عبّاس عرش جاہ
کس سمت ابن سعد ہے اور شمر رو سیاہ
ذلّت اٹھا کے بھاگ گیا افسر سپاہ
روکے گئے نہ ایک سے ، دو طفل ، واہ واہ!
سرسبز ہوتے ہیں ہمیں جب کھیت پڑتے ہیں
یوں لشکروں سے شیروں[۱۲۵] کے فرزند لڑتے ہیں

۱۴۸
ہاں مرد گر ہے ، سامنے بچّوں کے آ تو جائے
بھاگے گا پھر تو خیر ، کوئی زخم کھا تو جائے
مخفی کدھر ہے ، شیروں کو صورت دکھا تو جائے
بگڑی ہوئی لڑائی کو ظالم بنا تو جائے
بپھرے ہیں شیر ، ہاتھ میں تیغ و سپر تو لے
گرتا ہے وہ جھکا ہوا خیمہ ، خبر تو لے

۱۴۹
بھاگا رئیس خود ، یہ خبر چار سُو گئی
عزّت سبھوں کی آج گئی ، آبرو گئی
آخرِ شغال[۱۲۶] تھا ، نہ دبکنے کی خو گئی
خلعت پہن کے بھی نہ رذالت کی بو گئی
جب کچھ کڑی پڑی تو جفا جُو نکل گیا
ضیغم جلال میں ہیں کہ آہُو نکل گیا

۱۵۰
مرتا ہے بے حیا زر و جاگیر و مال پر
اک نیمچے کا وار بھی روکا نہ ڈھال پر
آنکھیں چرائیں ، شیر جب آئے جلال پر
سردار ہو کے چھپ گیا ، تُف اِس جدال پر
پائے نہ گر شکار تو جانباز کیا کرے
کنجشک[۱۲۷] جب نہاں ہو تو شہباز کیا کرے

۱۵۱
باتوں میں اتنا تھم جو گئے وہ فلک پناہ
خیمے کو لے کے پُشت پہ سب جم گئی سپاہ
دریا کی فوج اِدھر سے ہوئی بڑھ کے سدِّ راہ
چاروں طرف سے گھر گئے زینب کے رشکِ ماہ
پتّھر بھی ، تیرِ ظلم بھی ، نیزے بھی چل گئے
سینوں کو توڑ توڑ کے ناوک نکل گئے

۱۵۲ یوں تیر کھا کے فوج پہ جاتے تھے وہ دلیر
غصّے میں جس طرح کہ جھپٹتا ہے زخمی شیر
لشکر کو کر دیا تھا زبردستیوں سے زیر
انبار اِدھر سروں کے ، اُدھر زخمیوں کے ڈھیر
دیکھا غضب سے جس کی طرف ، زرد ہو گیا
تلوار جس پہ سَن سے چلی ، سرد ہو گیا

۱۵۳ تیغیں قریب سے جو لگاتے تھے اہلِ شر
اک بھائی بڑھ کے ہوتا تھا اک بھائی کی سپر
عبّاس پھر کے دیتے تھے حضرت کو یہ خبر
کیا لڑ رہے ہیں آپ کی ہمشیر کے پسر
نامی جوان بھاگ گئے شام و روم کے
خیمے پہ جا پڑے پسرِ سعدِ شوم کے

۱۵۴ پر اب خدا بچائے کہ فوجیں کثیر ہیں
تیغیں ہیں ، برچھیاں ہیں ، سنانیں ہیں ، تیر ہیں
رو کر امامِ دیں نے کہا اب اخیر ہیں
کب تک لڑیں کہ تشنہ دہن ہیں ، صغیر ہیں
نو دس برس میں ماں سے بچھڑنے کے دن نہ تھے
یہ کھیلنے کی فصل تھی ، لڑنے کے دن نہ تھے

۱۵۵ زینب کھڑی تھیں پردے کے پیچھے جو بے قرار
فضّہ خبر یہ دیتی تھی جا جا کے بار بار
کیا لڑ رہے ہیں جعفرؓ و حیدرؑ کے یادگار
حضرت سے مدح کرتے ہیں عبّاسِ نام دار
جس وقت ذکرِ معرکہ آرائی ہوتے ہیں
رومال رکھ کے آنکھوں پہ حضرت بھی روتے ہیں

۱۵۶ رو کر کہا کہ روتے ہیں کس واسطے امام
میں[۱۲۸] اک کنیز ان کی ، وہ دونوں پسر غلام
مجھ کو دکھا تو دے کہ کدھر ہیں وہ لالہ فام
اس نے کہا کہ چھائی ہے جنگل میں فوجِ شام
لاکھوں سے معرکہ ہے مگر با حواس ہیں
بی بی ، وہ ابنِ سعد کے خیمے کے پاس ہیں

۱۵۷ تلوار چل رہی ہے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں کی بدلیوں میں چھپے ہیں وہ رشکِ ماہ
کثرت ہے اس قدر کہ پہنچتی نہیں نگاہ
وہ بھاگتی ہے[۱۲۹] اور پلٹتی ہے سب سپاہ
آواز دار و گیر کی[۱۳۰] گردوں پہ جاتی ہے
دونوں کے نیمچوں کی چمک یاں تک آتی ہے

۱۵۸ طبلِ ظفر پہ چوب لگی یک بہ یک اُدھر
ڈیوڑھی سے آئیں خیمے میں زینب جھکائے سر
عبّاس نے کہا شہِ والا سے دوڑ کر
چلیے حضور ، لٹ گیا بنتِ علیؑ کا گھر
گھبرا کے کشمکش میں دم ان کے نکل نہ جائیں
لاکھوں سوار ہیں ، کہیں بچے کچل نہ جائیں

۱۵۹ تلوار لے کے قاسمِ شیریں سخن بڑھے
عبّاس کیا بڑھے ، شہِ خیبر شکن بڑھے
مانندِ شیر ، اکبرِ گل پیرہن بڑھے
فرزند سے یہ کہہ کے امامِ زمن بڑھے
پردے میں اہلِ بیتِ نبی کے خلل نہ آئے
ڈیوڑھی پہ تم رہو ، کہیں زینب نکل نہ آئے

۱۶۰ پہنچے یہ تین شیر جو مقتل میں ایک بار
کیا پیدلوں کا ذکر ، فراری ہوئے سوار
ریتی پہ شہ کو یوں نظر آئے وہ گل عذار
بند آنکھیں ، منہ کھلے ہوئے ، ہونٹوں پہ جانِ زار
دنیا سے وقت کوچ بھی دونوں کا ساتھ ہے
گردن میں ایک بھائی کے بھائی کا ہاتھ ہے

۱۶۱ بچّوں کو جاں کنی میں جو پایا حُسین[۴] نے
بوسے لیے ، گلے سے لگایا حُسین[۴] نے
آنکھوں سے خوں جگر کا بہایا حُسین[۴] نے
ہاتھوں سے نیمچوں کو چھڑایا حُسین[۴] نے
آغوش میں بڑے کو شہنشاہ لے چلے
چھوٹے کی لاش قاسمِ ذی جاہ لے چلے

۱۶۲ پہنچے قریبِ خیمہ جو شاہِ فلک سریر
تھا غیر حال مر گئے رستے میں وہ صغیر
پردہ اُلٹ کے خیمے کا با حالتِ تغیر
فِضّہ پکاری ، اے حرمِ شاہِ قلعہ گیر
دوڑو ، حُسین خیمے میں لاشوں کو لاتے ہیں
دولھا بنے ہوئے مرے شہزادے آتے ہیں

۱۶۳ دوڑے ادھر سے چھاتیوں کو پیٹتے حرم
ڈیوڑھی سے پہلے آیا لچکتا ہوا علم
رایت کے نیچے بچوں کی تھیں میتّیں بہم
آ پہنچے لڑکھڑاتے ہوئے سرورِ اُمم
لاشوں کے آگے اکبرِ یوسف جمال تھے
کپڑے ہر اک کے خون سے بچوں کے لال تھے

۱۶۴ ماتم کی صف سے اُٹھ گئیں زینب یہ کہہ کے بات
لوگو ، کہو یہ کون سے دولھا کی ہے برات
لاشوں کو رکھ کے غش ہوئے سلطان کائنات
دوڑیں لٹا کے بچے کو بانوے خوش صفات
لڑکے بھی چھاتیوں کو بہم پیٹنے لگے
لاشوں کے گرد آ کے حرم پیٹنے لگے

۱۶۵ بیٹھی تھیں ایک گوشے میں زینب جو ننگے سر
واں جا کے بولیں بانوے ناشاد و نوحہ گر
پُرسے کو لوگ جمع ہیں چلیے ذرا اِدھر
فرمایا ، میں نہ جاؤں گی بچوں کی لاش پر
آنچ آتما کی دل کو جلائے تو کیا کروں
گر فرق میرے صبر میں آئے تو کیا کروں

۱۶۶ بس سن چکی کہ نام کیا ، خوب لڑ چکے
لاشوں پہ لاشیں لوٹ چکیں ، کھیت پڑ چکے
کنبہ تمام ہو چکا ، دو گھر اُجڑ چکے
گودی میں جو پلے تھے ، وہ بچے بچھڑ چکے
اب اُن کا غم ، نہ فکر مرے گھر کی چاہیے
بی بی ! سلامتی علی اکبر کی چاہیے

۱۶۷ بھائی کے آگے لاشوں پہ جا کر کروں میں بین ؟
بے صبر ہے ، یہ دل میں کہیں گے مجھے حسین
گر مر گئے تو مر گئے وہ دونوں نورِ عین
کیوں کر چلوں ، کھڑے ہیں شہنشاہ مشرقین
روؤں گی میں تو پھر علی اکبرؑ بھی روئیں گے
صدمہ یہ مجھ کو ہے کہ برادر بھی روئیں گے

۱۶۸ بھائی کا حق ادا ہوا ، احسانِ کردگار
رونا ہے واں بھی ، میں یہیں رو لوں گی زار زار
لاشوں کو دیکھ کر مرا دل ہوگا بے قرار
کی عرض ، آپ صاحبِ ماتم ہیں ، میں نثار
چلیے نہ ضبط کیجیے فریاد و آہ کو
لاشوں پہ بھانجوں کی غش آیا ہے شاہ کو

۱۶۹ لاشوں پہ لائیں بیبیاں زینب کو تھام کر
ماتم کی صف پہ گر پڑی وہ سوختہ جگر
بولیں بڑھا کے دستِ مبارک اِدھر اُدھر
بچے کدھر ہیں ، مجھ کو کچھ آتا نہیں نظر
کیسی دھڑا دھڑی ہے ، یہ کیوں بین ہوتے ہیں
لوگو ! نہ غل مچاؤ ، مرے لال سوتے ہیں

۱۷۰ ماں صدقے جائے لو مرے زانو پہ سر رکھو
اس بے کسی میں ماں کی بھی جانب نظر رکھو
لازم نہیں کہ ہاتھ سے تیغ و سپر رکھو
آفت میں ماموں جان کی اپنے خبر رکھو
دیکھو نہ آنچ آئے شہِ خوش خصال پر
فوجوں کی پھر چڑھائی ہے زہرا[۴] کے لال پر

۱۷۱ کیسی یہ نیند آج ہے پیارو ، اُٹھو اُٹھو !
ماموں کے ساتھ رن میں سدھارو ، اُٹھو اُٹھو !
کپڑے لہو بھرے یہ اُتارو ، اُٹھو اُٹھو !
گیسو[۱۳] الجھ گئے ہیں ، سنوارو ، اُٹھو اُٹھو !
ان پیاری پیاری آنکھوں پہ امّاں نثار ہو
انگڑائیاں تو لو کہ جگر کو قرار ہو

۱۷۲ سینوں سے تو زمیں پہ رکھو ہاتھ اتار کے
باندھو کھلے ہوئے یہ عمامے سنوار کے
اماں نثار گیسوؤں کے تار تار کے
چونکو ، اٹھو ، کلام کرو ماں سے پیار کے
نخلِ مراد میں نہ ثمر ہے ، نہ برگ ہے
اب سمجھی میں ، یہ نیند نہیں ، خوابِ مرگ ہے

۱۷۳ لاکھوں سے معرکے میں وغا کر کے آئے ہو
بچپن کی غفلتیں یہ نہیں ، مر کے آئے ہو
دولھا بنے ہو ، خون میں سب بھر کے آئے ہو
صدقے گئی ، رلانے کو مادر کے آئے ہو
مجھ سے بچھڑ کے تم اسی منزل میں رہ گئے
ارمان شادیوں کے مرے دل میں رہ گئے

۱۷۴ کیونکر ملے گا ماں کو تمھارا سراغ ، ہائے
لُوٹا اجل نے حیدر و جعفر کا باغ ، ہائے
یوں بجھ گئے ہماری لحد کے چراغ ، ہائے
میرا بڑھاپا اور یہ بچوں کے داغ ، ہائے
ہے ہے یہ گھر بھرا ہوا ویران کر گئے
اماں کی قبر بننے نہ پائی کہ مر گئے

۱۷۵ کس طرح دیکھوں خاک میں چہرے اٹے ہوئے
الجھے ہیں میرے ہاتھ کے گیسو بٹے ہوئے
سینے فگار ، چاند سے بازو کٹے ہوئے
ہے ہے ، کفن بنے یہی کپڑے پھٹے ہوئے
نہ کچھ تزک ، نہ غسل شہیدوں کو چاہیے
مرنا یونہی جہاں میں سعیدوں کو چاہیے

۱۷۶ تابوت اٹھاتی دھوم سے ، مرتے وطن میں گر
ہوتا پدر بھی ساتھ جنازے کے نوحہ گر
قبریں بناتی ماں کی لحد کے اِدھر اُدھر
کیا حشر ہوگا ، پہنچے گی یثرب میں جب خبر
ام البنین[1] پیٹتی روضے پہ جائیں گی
صغرا کے پاس بی بیاں پُرسے کو آئیں گی

۱۷۷ بچو ، تمھیں بتاؤ ! میں غربت میں کیا کروں
گھر ہے نہ یہ وطن ہے ، مصیبت میں کیا کروں
بھائی گھرا ہوا ہے اس آفت میں کیا کروں ؟
فاقوں میں ، تشنگی میں ، صعوبت میں کیا کروں
راحت نہ روح کو ، نہ کسی دل کو صبر ہے
پانی نہ غسل کو ، نہ کفن ہے ، نہ قبر ہے

۱۷۸ مجبور تم ہو[2] ، ماں بھی ہے ناچار ، میں نثار
تنہائی میں خدا ہے مددگار ، میں نثار
رستہ برا ہے ، باندھ لو ہتھیار ، میں نثار
چھوٹے مرے پسر سے خبردار ، میں نثار
اللہ ، اِس سفر کی بلاؤں کو رد کرے
کھٹکا جہاں ہو ، بھائی کی بھائی مدد کرے

۱۷۹ سنتی ہوں اس سفر میں خطر بے شمار ہیں
جانیں وہی اسے جو میانِ مزار ہیں
پرسش ہے ، روک ٹوک ہے ، جنگل ہے ، خار ہیں
وہ بھی ڈرے ہوئے ہیں جو طاعت گزار ہیں
منزل کا شب کی ، ماں کو پتہ دے کے جائیو
قربان جاؤں ، ساتھ مجھے لے کے جائیو

۱۸۰
دن ڈھل گیا ، قریب ہے شام ، اے مسافرو !
کس بن میں شب کو ہوگا قیام ، اے مسافرو !
کچھ تو کرو زباں سے کلام ، اے مسافرو !
بھیجو گے کب پیام و سلام ؟ اے مسافرو !
پیٹوں گی جنگلوں میں ، جو تم کو نہ پاؤں گی
میں شب کو ڈھونڈھتی ہوئی جنگل میں آؤں گی

۱۸۱
کہتا تھا باپ ، شب کو نہ بچے نکلنے پائیں
بھولے ہیں ، راستہ نہ کہیں گھر کا بھول جائیں
دربار میں بھی ہوں ، تو سویرے سے گھر میں آئیں
ہے ہے یہ دشت ظلم ، جو کرتا ہے سائیں سائیں
پہنچوں گی کس طرح میں جو ڈر ڈر کے رؤ گے
واری ، اندھیری رات میں کس طرح سوؤ گے

۱۸۲
شب کو خوشامدیں مری کرتے تھے بار بار
تا دودھ ہم کو بخش دے مادر جگر فگار
ان بھولی بھولی باتوں کے ماں ہو گئی نثار
باتیں وہ رات کی مجھے بھولیں گی ، نہ وہ پیار
اب واری ! سرخ رو ہوئے تم رب کے سامنے
لو دودھ میں نے بخش دیا سب کے سامنے

۱۸۳
یہ بین کرکے لاشوں سے لپٹی وہ نوحہ گر
غش آیا ، سانس الٹ گئی ، ٹکڑے ہوا جگر
اک حشر تھا ، کسی کو کسی کی نہ تھی خبر
بانو پکاری ، سوے علم دار دیکھ کر
بچوں کے ساتھ ماں بھی جہاں سے گزر نہ جائے
لاشے اٹھاؤ ، شاہ کی ہمشیر مر نہ جائے

۱۸۴ بس اے **انیس**! طول سے بہتر ہے اختصار
ہاں، ختم کرکے مرثیۂ شاہِ نام دار!
خالق سے، ہاتھ اٹھا کے، دعا کر بہ انکسار
قائم رہے جہاں میں یہ شاہِ[۱] فلک وقار
ہر دم زیادہ حشمت و اقبال و جاہ ہو
حامیِ جنابِ فاطمہ زہرا[۴] کا ماہ[۲] ہو

٦

پُھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح

۱۵۷ بند ، بحرِ مضارع

(جنگِ ازرق و شہادتِ حضرتِ قاسم)

مراجع

* مراثیِ انیس : جلد دوم ، نظامی پریس بدایوں ، ۱۹۳۶ع ، صفحہ ۸۶ ۔
* مرثیہِ میر انیس : جلد دوم ، مطبع منشی تیج کمار لکھنؤ ، ۱۹۵۸ع ، صفحہ ۲۵۱ ۔
* مراثیِ انیس : جلد سوم ، طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ، طبع اول ۱۹۵۹ع و طبع دوم ۱۹۶۷ع ، صفحہ ۳۷ ۔
* ارمغانِ انیس : طبع اول شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور ، ۱۹۵۰ع

تبصرہ

"پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح" انیس کا مشہور مرثیہ ہے۔ جس شگفتہ مطلع سے مرثیہ شروع ہوا ہے، اس سے میر صاحب کے شعور کی تازگی محسوس ہوتی ہے۔ یہ تازگیِ شعور صبح کی منظر نگاری بن گئی۔ صبح کے مناظر میر صاحب نے کئی جگہ پیش کیے ہیں اور ہر قلم پارے میں کوئی نہ کوئی خاص نزاکت اور نفاست ضرور ملے گی۔ مگر اِس مرثیے کے بعض حصے اردو شاعری کی فطرت نگاری کی مثالوں میں زباں زد خاص و عام ہو گئے ہیں۔ یہ بیت ملاحظہ فرمائیے:

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہُوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہُوا

یا

رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن سبزہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

چہرے کے سات بند ہیں اور ہر بند لاجواب ہے۔

چہرے کے بعد تمہید ہے۔ دشمن کی تیاری، فوج کا جماؤ، اہلِ حرم کا عالم، بہن بھائی کی باتیں، باپ بیٹی کی گفتگو، آمد اور

آمد میں یہ بیت :

چُوما ادب سے پائے امامِ انام کو
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

امام کے اعزہ و اصحاب کی تعریف ، جاں نثاروں کی صفوں کی درستی - امام سوار ہوئے اور میر صاحب نے گلدستہ بنایا :

باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گل عذار
جو صدرِ زیں پہ مصدرِ رحمت ہؤا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار
آگے بڑھے علم لیے عباسِ نام دار
پُھولا ہؤا چمن تھا امامِ اُمم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ علم کے ساتھ

یہاں "ہاشمی جوانوں کا غنچہ" حضرت قاسم کی طرف اشارہ ہے اور مرثیے کا موضوع بھی جنگ اور شہادتِ حضرت قاسم ہے - یکے بعد دیگرے انصار و عزیز شہید ہوتے جاتے ہیں اور انیس انتہائی حسن سے گریز کی راہ نکال کر جناب زینب کے کم سن فرزندوں کی شہادت اور لاشوں خیمے سے باہر لے جانے کی کیفیت بیان کرتے ہیں :

باہر امام لے گئے لاشے اٹھا کے جب
غیرت کا جوش آ گیا قاسمؑ کی ماں کو تب
مل مل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب
ہم شکلِ مصطفیٰؐ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

حضرت قاسم ابنِ حسن اپنی والدہ کے اکیلے سہارے ہیں - شاعر کے خیال کے مطابق ابھی ابھی ان کی شادی ہوئی ہے - ادھر جناب

زینب اپنے بچوں کو امام پر نثار کر چکی ہیں ۔ ان حالات میں بیوہ بھاوج کا جذبۂ ایثار ایک خاص انداز سے سامنے آتا ہے ۔ جناب ام فردہ نے ''قاسم کو اپنے پاس بلایا بصد ملال'' اور رو کر کہا :

جاری ہیں اشک خون مری چشمِ پُر آب سے
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

اور پھر دو بندوں کے بعد جواب کا یہ حصہ دیکھیے :

رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے ، کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم
اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ اُمم
رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم

جنابِ قاسم وہاں سے اٹھ کر دولھن کے پاس آئے ، پندرہ شعروں میں دولھن سے جنابِ قاسم کی بات چیت لکھتے لکھتے عجب قیامت کا شعر لکھا ہے :

آنکھوں پہ ہیں ہتیلیاں رقّت کا ہے وفور
نرگس کے پھول ہاتھوں سے ملنا ہے کیا ضرور

آٹھ بندوں کے بعد چار بندوں میں دولھن کا جواب لکھ کر گریز میں پھر ایک معرکے کا بند لکھا ہے :

باتیں یہ سن کے روتے تھے قاسم بحالِ زار
''ھَل مِن مُبارزٍ'' کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گل عذار!
موقع نہیں ہے دیر کا ، اُٹھو ، یہ ماں نثار
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

حضرت قاسم اس صدا کے ساتھ ہی رخصت ہوتے ہیں :

بند نمبر ٦۵ سے دوسرا مطلع ہے جس میں آمد ، اجازت ، سواری ، سراپا ، رجز اور دشمن کی فوج کا ٹھاٹھ ہے ۔ پسرِ سعد ایک بہادر کو حکم دیتا ہے :

جلدی سناں پہ اس کو اٹھا لے سمند سے

اس بہادر ازرق نامی کو غصہ آ گیا اور کہنے لگا :

تو آپ بے حواس ہے ، تقصیر ہو معاف

لڑکے سے کیا لڑنا :

ہاں تب لڑوں ، علیؑ اگر آئیں پئے مصاف

اور

بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں

یہاں مرثیے کا ایک ایک مصرع پڑھنے کے قابل ہے ۔ انیس کا قلم فنِ سپاہ گری اور رزم نگاری میں شاعرانہ نزاکت کا عجیب رنگ دکھاتا ہے ۔ در حقیقت یہ حصہ تعریف سے بالا اور بے مثال ہے ۔ افسوس ہے کہ مثالوں سے بات بڑھتی ہے ، مگر ایک دو مصرع دیکھیے :

نکلا وہ تیر توڑ کے سینے کے استخواں

اور

غل تھا قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

چار جوانوں سے قاسم کا معرکہ اور فتح لکھ کر ازرق کا سراپا ، اس کا غصہ اور حملہ ، اس کی آمد سے امام اور عزیزوں کا عالم ، خیمے میں خواتین کا پریشاں ہو کر دعا مانگنا ، ماں کا گھبرانا اور دولھن کی حالت بیان کی ہے ۔ پھر ازرق کا جھپٹنا ، رجز اور رجز میں یہ مصرع :

سرمہ کیا ہے دیو کو چٹکی میں پیس کے

اور اس کے بعد یہ یادگار بیت ہے :

لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچوں نے شیر کے

عین اس نازک موقع پر جب یہ نونہال اس پہاڑ سے ٹکر لینے والا ہے. حضرت عباس نمودار ہوتے ہیں۔ عباس ہمت بڑھاتے اور داؤ بیچ بتاتے ہیں۔ ازرق چلاتا ہے:

کیا ان کے ساتھ آپ بھی ہیں عازمِ وغا

عباس جواب دیتے ہیں:

دو ایک سے لڑیں، یہ ہمارا چلن نہیں

چوٹ پر چوٹ، ڈانڈ پر ڈانڈ، سناں پر سناں پڑی اور اس موقع پر حضرت قاسم نے ہاتھ کی ایسی پھرتی دکھائی کہ:

نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

مصرعوں کی برجستگی کا یہ عالم ہے جیسے سادہ و رواں نثر لکھ رہے ہیں۔ داؤ پر داؤ، کاٹ پر کاٹ، وار پر وار، دونوں بہادروں کی پھرتی، گھوڑے کی چستی، چلت پھرت، تلے اوپر کی لڑائی، لڑتے لڑتے گھوڑے سے گھوڑا اور سوار سے سوار ٹکراتا ہے اور انیس یہ مصرعہ اس بے ساختگی سے لکھتے ہیں کہ اچھے اچھے فن کاران کا لوہا مان لیں:

گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بصد جلال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اس کی سپر سے ڈھال

اور

اوجھڑ لگی کہ ہوش اڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیے سر پر سمند کے

پھر فتح مندی کے تاثرات، حضرت عباس کی آفریں اور جنابِ قاسم کی

انکساری کے بعد دشمنوں کی یلغار ، قاسم کی شہادت اور اہلِ حرم کے بَین فنکارانہ انداز میں قلم بند کئے ہیں -

حضرت قاسم کی شہادت پر انیس کے تین مرثیے اور بھی ہیں :

جب ہوئے عازمِ گلگشتِ شہادت قاسم ۵۲ بند

جب صبحِ شبِ عقدِ چراغِ حسن آئی ۹۸ بند

سب سے جدا روش مرے باغِ سخن کی ہے ۱۶۲ بند

(مراثیِ انیس ، جلد پنجم طبع کراچی)

آخر الذکر مرثیہ بحر ، موضوع ، خاکے اور انداز کے لحاظ سے زیرِ نظر مرثیے سے ملتا جلتا ہے - ''بزمیہ شاعری'' کے اعتبار سے شاید وہ کسی مرثیے سے کمتر نہیں - مرثیے کا چہرہ ، پھر شادی کا بیان ، آمد ، گھوڑے کی تعریف اور ٹھاٹھ ہر چیز معیاری ہے اور مرثیہ منتخب ہے -

ارزق کے لڑکوں کی جنگ اور ارزق کی لڑائی بھی خوب ہے ، لیکن زیرِ نظر مرثیے میں تیور ، آہنگ ، رزم کی شان اور سپاہیانہ فن کاری دوسرے مرثیے سے زیادہ نمایاں ہے - زیرِ نظر مرثیہ رزم اور مذکورہ مرثیہ بزم کا شہ پارہ ہے -

جلد پنجم کا مرثیہ بے مقطع ہے - یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ میر صاحب نے آخری بند لکھا ہی نہیں یا مرثیہ کسی اور کے لیے لکھا ہے لہٰذا مقطع نہیں کہا - مونس کا رنگ انیس سے بہت ملتا ہے - انیس کے مرثیے ان کے بھائی اور خاندان کے دوسرے افراد بھی استعمال کرتے تھے - ہو سکتا ہے کہ اس مرثیے کی نوعیت اسی طرح کی ہو -

ہم نے اپنے حواشی میں اس مرثیے کے بعض مقامات نقل کیے ہیں تاکہ تقابل کا فائدہ حاصل ہو -

مرتضیٰ حسین ، فاضل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱ پُھولا[۱] شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح
گلزارِ شب خزاں ہوا ، آئی بہارِ صبح
کرنے لگا فلک زرِ انجم نثارِ صبح
سرگرمِ ذکرِ حق ہوئے طاعت گزارِ صبح
تھا چرخِ اخضری[۲] پہ یہ رنگ آفتاب کا
کِھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا

۲ چلنا وہ بادِ صبح کے جھونکوں کا دم بہ دم
مرغانِ باغ کی وہ خوش‌الحانیاں بہم
وہ آب و تابِ نہر ، وہ موجوں کا پیچ و خم
سردی ہوا میں ، پر نہ زیادہ بہت ، نہ کم
کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

۳ وہ نورِ صبح ، اور وہ صحرا ، وہ سبزہ زار
تھے طائروں کے غول درختوں پہ بے شمار
چلنا نسیمِ صبح کا رہ رہ کے بار بار
کُوکُو وہ قمریوں کی ، وہ طاؤس کی پکار
وا تھے دریچے باغِ بہشتِ نعیم کے
ہر سُو رواں تھے دشت میں جھونکے نسیم کے

۴ آمد وہ آفتاب کی، وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں طاؤسِ آسماں
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سرِ کوہِ طور تھی
گویا فلک سے بارشِ بارانِ نور تھی

۵ اوجِ زمیں سے پست تھا چرخِ زبرجدی
کوسوں تھا سبزہ زار میں صحرا زمرّدی
ہر خشک و تر پہ تھا کرمِ بحرِ سرمدی
بے آب تھے مگر دُرِ دریائے احمدی[۲]
روکے ہوئے تھی نہر کو امّت رسول[۳] کی
سبزہ ہرا تھا، خشک تھی کھیتی بتول[۴] کی

۶ وہ پھولنا شفق کا، وہ مینائے لاجورد
مخمل سی وہ گیاہ، وہ گل سبز و سرخ و زرد
رکھتی تھی پھونک کر قدم اپنا ہوائے سرد
یہ خوف تھا کہ دامنِ گل پر پڑے نہ گرد
دھوتا تھا دل کے داغ چمن لالہ زار کا
سردی جگر کو دیتا تھا سبزہ کچھار کا

۷ تھا بس کہ روز قتلِ شہ آسماں جناب
نکلا تھا خوں ملے ہوئے چہرے پہ آفتاب
تھی نہرِ علقمہ بھی خجالت سے آب آب
روتا تھا پھوٹ پھوٹ کے دریا میں ہر حباب
پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

۸ تھا لشکرِ یزید میں سامانِ قتلِ شاہ
ہر سُو جما رہا تھا صفیں شمرِ رُو سیاہ
گیتی کو تھلکہ تھا ، یہ تھی کثرتِ سپاہ
ممکن نہ تھا کہ ہو گزرِ طائرِ نگاہ
سب مستعد تھے قتلِ شہ کائنات پر
طوفان آب تیغ اٹھا تھا فرات پر

۹ اک صف میں برچھیوں کی چمک تھی کہ الحذر
لچکا رہے تھے ڈانڈ سواران خیرہ سر
وہ بوڑیاں جو سنگ کے دل میں کریں گزر
انیاں وہ ، توڑ ڈالیں جو فولاد کا جگر
تھا اک گلا تو خنجرِ بے پیر کے لیے
وہ برچھیاں تھیں سب تنِ شبّیر کے لیے

۱۰ ناوک فگن لیے ہوئے حلقے کمان کے
چلّاتے تھے یہ چھاتیوں کو تان تان کے
دشمن ہیں بادشاہ دو عالم کی جان کے
دم لیں گے جسمِ شاہ کو تیروں سے چھان کے
ہرگز کریں گے پاس نہ احمدؐ کی آل کا
ریتی پہ خوں بہائیں گے زہراؑ کے لال کا

۱۱ جب بندھ چکیں صفیں تو عَلم کھل گئے تمام
غل پڑ گیا کہ جنگ کو نکلیں شہ انام
حلقے میں اہل بیت کے روتے تھے یاں امام
لپٹی ہوئی تھی قدموں سے بانوے نیک نام
بکھرائے سر کے بال حرم ساتھ ساتھ تھے
پٹکے میں شاہِ دیں کے سکینہ کے ہاتھ تھے

۱۲ زینب بلک رہی تھی ، پریشاں تھے سر کے بال
نعلین کا نہ ہوش ، نہ چادر کا تھا خیال
سینہ کبود ، چاک گریباں ، شکستہ حال
کہتی تھی ، مجھ پر رحم کر اے فاطمہؑ کے لال
پوچھے گا کون ، ساتھ چھٹے گا جو آپ کا
نے ماں کا آسرا ہے مجھے اب ، نہ باپ کا

۱۳ زینب کے اضطراب پہ شہ روئے زار زار
فرمایا : اے بہن ! تری الفت کے میں نثار
یاد آ گیا حسینؑ کو اس وقت ماں کا پیار
لیکن میں کیا کروں ، نہیں کچھ میرا اختیار
واللہ ، اپنے قول کا ہر دم خیال ہے
بھینا ! حسینؑ مخبرِ صادقؐ کا لال ہے

۱۴ بچپن میں جو زباں سے کہا ہے ، کریں گے ہم
کھائیں گے تیرِ ظلم ، لہو میں بھریں گے ہم
حلق اپنا زیرِ خنجرِ قاتل دھریں گے ہم
امت کے بخشوانے کو پیاسے مریں گے ہم
اب ہاتھ اٹھاؤ فاطمہؑ کے نورِ عین سے
ہو گی کبھی نہ وعدہ خلافی حسینؑ سے

۱۵ یہ سن کے گر پڑی جو قدم پر وہ نوحہ گر
لپٹا لیا گلے سے بہن کو بہ چشمِ تر
رو کر کہا کہ ہوتا ہے ٹکڑے مرا جگر
زینب ! خدا کے واسطے پیٹو نہ اپنا سر
خاصانِ حق کا خلق میں رتبہ بلند ہے
صابر رہو ، کہ صبر خدا کو پسند ہے

۱۶ فرما کے یہ سکینہ کے منہ پر نگاہ کی
گودی میں لے لیا اُسے اور دل سے آہ کی
بولی بلائیں لے کے وہ رُخسارِ شاہ کی
سمجھی میں ، آخری یہ نگاہیں ہیں چاہ کی
رونا یہ بے سبب نہیں منہ موڑ موڑ کے
مرنے چلے ہیں آپ مجھے گھر میں چھوڑ کے

۱۷ معلوم ہو گیا ، نہ اب آئیے گا آپ
چھاتی پہ سونے والی کو تڑپائیے گا آپ
چھوڑا اگر مجھے تو نہ اب پائیے گا آپ
میں اپنی جان دوں گی اگر جائیے گا آپ
فرقت میں مجھ کو جی سے گزرنا قبول ہے
اچھا سدھارو گر مرا مرنا قبول ہے

۱۸ منہ چُوم کے یہ کہنے لگے شاہِ خوش خصال
صدقے عقیقِ لب پہ ترے فاطمہؑ کا لال
معلوم ہے حسینؑ کو بی بی تمھارا حال
کیونکر نہ روؤں میں کہ قلق ہے مجھے کمال
ان برگِ گل سے ہونٹوں کے صدقے امام ہو
سوکھے پھر ہوے ہیں کہ تم تشنہ کام ہو

۱۹ تدبیر اک نکالی ہے ، آنسو نہ اب بہاؤ
ہم پانی لینے جاتے ہیں ، تم ماں کے پاس جاؤ
سُوکھی زباں دکھا کے نہ شپیر کو رلاؤ
بی بی ! دعا کے واسطے ننھے سے ہاتھ اُٹھاؤ
حق سے کہو بتول کے جانی پہ رحم کر !
یا رب ! ہماری تشنہ دہانی پہ رحم کر !

۲۰ ناچار شہ کی گودی سے اتری وہ رشک حور
روتے ہوئے محل سے برآمد ہوئے حضور
پھیلی زمیں پہ روشنیِ آفتابِ نور
پڑھنے لگے درود رفیقانِ ذی شعور
چوما ادب سے پائے امامِ انام کو
خم ہو گئے تمام نمازی سلام کو

۲۱ حق کے ولی ، مصاحبِ سردارِ انس و جن[3]
کوئی جواں ، کوئی متوسّط ، کوئی مُسن
فاقوں میں باحواس ، لڑائی میں مطمئن
کہتے تھے روزِ قتل ہمیں عید کا ہے دن
مانگو دعا کہ آج یہ مرنا سعید ہو
قربان ہوں حسین[4] پہ رن میں تو عید ہو

۲۲ وہ گورے گورے جسم ، قبائیں وہ تنگ تنگ
جن کی صفا کو دیکھ کے ہو آئنہ بھی دنگ
زیور کی طرح جسم پہ زیبا سلاحِ جنگ
جرأت کا تھا یہ جوش کہ چہرے تھے لالہ رنگ
کہتے تھے سب چڑھائے ہوئے آستین کو
آقا ابھی کہیں تو الٹ دیں زمین کو

۲۳ تھے اک طرف عزیزِ شہ آسماں وقار
تھا جن کی چاہ میں دلِ یوسف بھی بے قرار
جاں باز ، سرفروش ، بہادر ، وفا شعار
ایک ایک رونقِ چمنستانِ روزگار
ہر چند باغِ دہر کو کیا کیا ملا نہیں
اب تک تو اِس روش کا کوئی گل کھلا نہیں

۲۴ خُلق و مروتِ حَسنی اُن پہ ختم تھی
حُسن اُن پہ ختم ، گل‌بدنی اُن پہ ختم تھی
زور اُن پہ ختم ، تیغ زنی اُن پہ ختم تھی
ہر معرکے میں صف شکنی اُن پہ ختم تھی
غازی تھے ، صف شکن تھے ، جری تھے ، دلیر تھے
جس میں علیؑ رہے اُسی بیشے کے شیر تھے

۲۵ اُن سب گلوں میں اک علی اکبر سا گل بدن
تھا جس کی جامہ زیبی کا شہرہ چمن چمن
رخسار سے بہم تھے جو گیسوے پُر شکن
حیران تھے سب کہ مل گئے کیونکر حلَب خُتن
سرخی تھی لب پہ ، گو کہ نہ پانی نصیب تھا
دیکھا جوؑ غور سے تو یمن بھی قریب تھا

۲۶ کہتے تھے مسکرا کے پدر سے یہ دم بہ دم
عرصہ ہے کیا ، سوار ہوں اب قبلۂ اُمم ؟
آمادۂ وغا ہے اُدھر لشکرِ ستم
دشمن اگر بہت ہیں تو ہم بھی نہیں ہیں کم
نامرد برقِ تیغ سے جل جائیں ، تو سہی
دب دب کے مورچوں سے نکل جائیں ، تو سہی

۲۷ کہتے تھے اشک بھر کے امامِ فلک جناب
صدقے ترے جلال کے اے میرے آفتاب !
دو روز سے ملا نہیں میرے چمن کو آب
جی بھر کے دیکھ لوں علی اکبر ترا شباب
طاقت نہیں کلیجے میں شیروں کے داغ کی
پیارے ! میں دیکھتا ہوں بہار اپنے باغ کی

۲۸ قربانِ احتشامِ علم دار حق پژوہ
لرزاں تھا جس جری کے تہوّر سے دشت و کوہ
سردار صفدروں کا، دلیروں کا سرگروہ
حمزہ کا دبدبہ، اسد اللہ کی شکوہ
دل کانپتے تھے دیکھ کے تیور دلیر کے
گویا سپاہِ شام تھی پنجے میں شیر کے

۲۹ اک سو چراغِ محفلِ شبّر[6] تھا جلوہ گر
وشن تھے جس کے چہرۂ انور سے دشت و در
تیرہ برس کا تھا ابھی وہ غیرتِ قمر
تن تن کے جھومتا تھا مگر مثلِ شیرِ نر
جرأت نثار ہوتی تھی اُس سرفروش پر
شملہ چھٹا تھا سبز عمامے کا دوش پر

۳۰ تلوار تول تول کے دستِ حنائی میں
کہتے تھے خوں بہائیں گے ہم اِس لڑائی میں
حاصل تھا ہاتھ کو یدِ بیضا[7] صفائی میں
اختر کی ضو دکھاتا تھا کنگنا[8] کلائی میں
ساعد فروغ دیتے تھے تارِ نگاہ کو
دکھلاتی تھیں ہتھیلیاں آئینہ ماہ کو

۳۱ تھے پہلوئے حسین[4] میں زینب کے دونوں لال
گویا قرینِ بدر تھے دو نجمِ بے مثال
کاندھوں پہ نیمچے نظر آتے تھے دو ہلال
ظاہر تھا چتونوں سے یداللہ کا جلال
نو دس کا سن تھا ان کا مگر کیا دلیر تھے
بچّے بھی شیرِ حق کے گھرانے کے شیر تھے

۳۲ دونوں یتیمِ حضرتِ مسلم تھے کیا عقیل
حاضر تھے با ادب عقبِ سرورِ جلیل
آپس میں کہتے تھے کہ پدر تو ہوئے قتیل
ہم کوفیوں کو ماریں گے ، عمریں ہیں گو قلیل
گھر سے طلب کیا تھا اِسی اعتقاد پر
لعنت خدا کی مذہبِ ابنِ زیاد پر

۳۳ مہماں سے یہ سلوک ! مسافر سے یہ دغا !
یہ ظلم اک غریب پہ ، بے کس پہ یہ جفا !
لے جا کے[۹] بام پر سرِ انور کیا جدا
خندق میں تن کو پھینک دیا وا مصیبتا !
ایسی کبھی وکیل پہ آفت پڑی نہیں
سنتے ہیں ہم کہ لاش بھی اب تک گڑی نہیں

۳۴ اس فوج میں یقیں ہے کہ ہووے وہ روسیاہ
مارا ہمارے بھائیوں کو جس نے بے گناہ
منّت پہ اُن غریبوں کی مطلق نہ کی نگاہ
سر چھوٹے چھوٹے کاٹ لیے سنگ دل نے ، آہ !
پائیں ابھی تو کشتۂ تیغِ دو دم کریں
ہم نیمچوں سے ہاتھوں کو اُس کے قلم کریں

۳۵ باتیں ابھی یہ کرتے تھے باہم وہ گل عذار
جو صدرِ زیں پہ مصدرِ رحمت[۱۰] ہؤا سوار
چڑھ چڑھ کے مرکبوں پہ چلے سب رفیق و یار
آگے بڑھے عَلم لیے عبّاسِ نام دار
پُھولا ہوا چمن تھا امامِ اُمم کے ساتھ
تھا ہاشمی جوانوں کا غنچہ[۱۱] عَلم کے ساتھ

۳۶ اللہ رے فیضِ جلوۂ ابنِ شہِ نجف
رن کی زمیں کو حق نے دیا خلعتِ شرف
کس شان سے کھڑے تھے نمازی جمائے صف
بس یک بیک بجا دہلِ جنگ اُس طرف
گیتی لرز گئی ، دلِ اوتاد[12] ہل گئے
تیرِ ستم کمانوں کے چِلّوں سے چل گئے

۳۷ لشکر سے تب بڑھا پسرِ سعد چند گام
چِلّے میں رکھ کے تیر ، یہ سب سے کیا کلام
شاہد رہیں تمام دلیرانِ فوجِ شام
میں پہلے پھینکتا ہوں یہ ناوک سوئے امام
ہے شاق مجھ کو خلق میں جینا حسین[4] کا
کیا شاد ہوں ہدف ہو جو سینہ حسین[4] کا

۳۸ لکھا ہے جب لگا کے وہ ناوک ہٹا شریر
یک بار فوجِ شہ پہ چلے دس ہزار تیر
بے جاں ہوئے پچاس رفیقانِ بے نظیر
لاشوں پہ اُن کے روئے امامِ فلک سریر
افتادہ خاک و خوں میں وہ اہلِ تمیز تھے
یاں کچھ رفیق باقی تھے اور کچھ عزیز تھے

۳۹ جس وقت خاتمہ رفقا کا ہوا بخیر
تھے پھر تو سب عزیز ، نہ تھا اُن میں کوئی غیر
روتے تھے حالِ فخرِ سلیماں پہ وحش و طیر[13]
کرنے لگے عزیز بھی ملکِ عدم کی سیر
ماتم ہوا حرم میں امامِ جلیل کے
تیغوں سے ٹکڑے ہو گئے پوتے عقیل کے

۳۰ راہی سوے عدم ہوئے جس دم وہ بے پدر
نکلے وغا کو زینبِ ذی جاہ کے پسر
مانند شیرِ حق کیے حملے اِدھر اُدھر
کٹ کٹ کے نیمچوں سے گرے سرکشوں کے سر
اُلٹی صفیں، جدھر وہ دم جنگ پھر پڑے
آخر زمیں پہ برچھیاں کھا کھا کے گر پڑے

۳۱ ناگاہ گھر میں آن کے فضّہ نے دی خبر
لو کام آئے زینبِ ناشاد کے پسر
رن میں گئے ہیں اکبر و عبّاسِ نامور
روتے ہیں بھانجوں کے لیے شاہ بحر و بر
رن سے بہن کے بیٹوں کو شبّیر لائیں گے
صف ماتمی بچھاؤ کہ لاشے پہ آئیں گے

۳۲ دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل بہ اشک و آہ
آنکھوں کے سامنے ہوئے بےدم وہ رشکِ ماہ
مُردوں کو بھانجوں کے اُٹھا لائے گھر میں شاہ
سر پیٹے اہلِ بیت رسولِؐ فلک پناہ
زینب مگر نہ روئی ادب سے امام کے
چپ رہ گئی کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

۳۳ باہر امام لے گئے لاشے اُٹھا کے جب
غیرت کا جوش آ گیا قاسم کی ماں کو تب
مَل مَل کے ہاتھ کہتی تھی دل سے کہ ہے غضب
ہم شکلِ مصطفیٰؐ کہیں مرنے نہ جائے اب
اولاد اپنی آج کے دن گر بچاؤں گی
میں فاطمہؑ کو حشر میں کیا منہ دکھاؤں گی

٤٤ دل میں یہ سوچتی ہوئی اٹھی وہ خوش خصال
قاسم[14] کو اپنے پاس بلایا بہ صد ملال
رو کر کہا کہ اے حسنِ مجتبیٰ کے لال
کچھ اِس ضعیف ماں کی بھی عزّت کا ہے خیال ؟
جاری ہیں اشکِ خوں مری چشمِ پُر آب سے
زینب کے آگے جا نہیں سکتی حجاب سے

٤٥ گھر لٹ رہا ہے فاطمہ زہرا[4] کا ہائے ہائے
دشمن وہ دوست ہے جو نہ اِس دکھ میں کام آئے
غیروں نے یاں حسین[4] کے قدموں پہ سر کٹائے
کیا قہر ہے کہ بھائی کا جایا[15] نہ مرنے جائے
گھیرا ہے بے وطن کو عدو کی سپاہ نے
منہ[16] دیکھنے کو کیا تمھیں پالا تھا شاہ نے ؟

٤٦ سب مر چکے امامِ دو عالم کے اقربا
باقی ہے کون اکبر و عبّاس کے سوا
حضرت کے تن کی جان ہیں وہ دونوں مہ لقا
سر اُن کے کٹ گئے تو قیامت ہوئی بپا
تم بھی خجل رہو گے سدا جد کے سامنے
شرمائیں گے حسن[4] بھی محمدؐ کے سامنے

٤٧ جو مرد ہیں وہ دیتے ہیں مردانگی کی داد
کچھ اپنے باپ کی بھی وصیّت ہے تم کو یاد ؟
جلدی دُلھن سے مل کے سدھارو پئے جہاد
قربان ہو چچا پہ ، یہی ماں کی ہے مراد
بیاہا تمھیں ، بر آئی ہر اک آرزو مری
اب وہ کرو کہ جس میں رہے آبرو مری

۴۸
مادر کے منہ کو دیکھ کے بولا وہ گل عذار
ایسے ہیں ہم کہ بیٹھ رہیں وقتِ کارزار؟
جانیں ہزار ہوں تو چچا پر کریں نثار
رخصت ہی وہ نہ دیں تو ہے کیا اپنا اختیار
رن میں چلے تھے مرنے کو پہلے ہی سب سے ہم
روکا چچا نے، کہہ نہ سکے کچھ ادب سے ہم

۴۹
اب بھی اگر نہ دیں گے رضا سرورِ اُمم
رکھ لیں گے تیغ کھینچ کے اپنے گلے پہ ہم
امّاں! مزارِ کشتۂ سم[۱۷] کی ہمیں قسم
زیرِ قدم ہے اب کوئی دم میں رہِ عدم
کیا دخل ہم سے آگے جو وہ شہ سوار ہوں
عبّاس ہوں کہ اکبرِ عالی وقار ہوں

۵۰
یہ کہہ کے آئے سر کو جھکائے دُلھن کے پاس
آنکھوں میں اشک، درد کلیجے میں، دل اداس
فرمایا، ہم کو ہائے یہ شادی نہ آئی راس
سب مر گئے عزیزِ شہنشاہِ حق شناس
بستی تمام لٹ گئی، ویرانہ ہو گیا
شادی کا گھر جو تھا وہ عزاخانہ ہو گیا

۵۱
کس سے کہیں جو حالِ دلِ دردناک ہے
تلوار چل رہی ہے، جگر چاک چاک ہے
اِس زندگی پہ حیف ہے، دنیا پہ خاک ہے
اب کوئی دم میں دلبرِ زہرا ہلاک ہے
آئی تباہی آلِ نبی ص کے جہاز پر
نرغا ہے شامیوں کا امامِ حجاز پر

۵۲ تم بھی کچھ اپنے باپ کی اِس دم کرو مدد
آفت میں آج ہے پسرِ ضیغمِ صمد
دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے یہ روزِ بد
صدقے کرو ہمیں کہ بلا اُن کی ہووے رد
راضی رضائے حق پہ بہ صد آرزو رہو
حیدر[۴] سے ہم ، بتول[۴] سے تم سرخ رو رہو

۵۳ واللہ قتل ہوں گے جو عبّاسِ نامور
صدمے سے ٹوٹ جائے گی شبّیر کی کمر
اکبر خدا نخواستہ مارے گئے اگر
مر جائیں گے تڑپ کے شہنشاہِ بحر و بر
وہ مستعد ہیں حلق کٹانے کے واسطے
ہم کیا پلے ہیں لاش اُٹھانے کے واسطے ؟

۵۴ سوچو تمھیں ، گلا نہ کٹائیں تو کیا کریں
فریادِ فاطمہ[۴] کی صدائیں سنا کریں ؟
رخصت کرو تو فوجِ ستم سے وغا کریں
کھولو جو لعلِ لب تو گُہر ہم فدا کریں
صاحب ! ہمیں سپردِ عروسِ اجل کرو
مشکل کشا کی پوتی ہو ، مشکل کو حل کرو

۵۵ گھونگھٹ ہٹا کے ہم کو دکھاؤ تو رخ کا نور
پاس اب نہ آ سکیں گے کہ ہوتے ہیں تم سے دور
آنکھوں پہ ہیں ہتیلیاں ، رقّت کا ہے وفور
نرگس[۱۸] کے پھول ہاتھوں سے مَلنا یہ کیا ضرور
جینے کی اِس چمن میں خوشی دل سے فوت ہے
بلبل جو گل کی شکل نہ دیکھے تو موت ہے

۵۶ صاحب ! بھلا عدم کے مسافر سے کیا حجاب
ہم یوں ہیں جس طرح کہ سرِ آب ہو حباب
ایسی روا روی میں ٹھہرنے کی کب ہے تاب
کہتی ہے موت گور کی جانب چلو شتاب
رستہ ہے پُر خطر ، کہیں وقفہ ذرا نہ ہو
منزل بہت کڑی ہے یہ ، جلدی روانہ ہو

۵۷ اک دم کی بھی ہمیں تو جدائی ہے تم سے شاق
کیا کیجیے ، نصیب میں تھا صدمۂ فراق
لائی اجل پکڑ کے گریباں سوے عراق
بولو زباں سے کچھ کہ نہ رہ جائے اشتیاق
چپکی یوں ہی رہوگی تنِ پاش پاش پر ؟
کیا بین بھی کرو گی نہ دولھا کی لاش پر ؟

۵۸ جب یہ سنے کلام تو جی سنسنا گیا
دل پر چُھری چلی کہ جگر تھرتھرا گیا
منہ پر دُلھن کے صاف رنڈاپا سا چھا گیا
جوشِ بُکا میں کچھ نہ زباں سے کہا گیا
دولھا کو اِتنی بات سنا کر اک آہ کی
صورت بتاتے جاؤ ہمارے نباہ کی

۵۹ سمجھی کہ جیتے اب نہیں پھرنے کے رن سے تم
پیاسا گلا کٹا کے ملو گے حسن[۴] سے تم
سوؤ گے منہ چھپا کے لحد میں کفن سے تم
اچّھا سلوک کرتے ہو صاحب دُلھن سے تم
اک رات کی بنی پہ جفا یوں ہی چاہیے
اے شمعِ بزمِ سہر و وفا ! یوں ہی چاہیے

۶۰ فرماؤ[۱۹] کیا کریں جو نہ روئیں بہ درد و یاس
نے باپ کی ، نہ بھائیوں کی ، نے چچا کی آس
سہاں[۲۰] ہیں کوئی دم کے جہاں میں وہ حق شناس
سونپا تھا آپ کو سو رہے آپ بھی نہ پاس
وارث ہے کون پھر جو گلے سب کے کٹ گئے
تم کیا کرو ، نصیب ہمارے اُلٹ گئے

۶۱ میں کون ہوں بھلا جو کہوں گی کہ تم نہ جاؤ
راضی ہیں ماں تمھاری تو جاؤ گلا کٹاؤ
گھر تو اُجاڑ ہو چکا ، جنگل کو اب بساؤ
نبھ جائے گا ، ہمارے رنڈاپے کا غم نہ کھاؤ
مسکن کریں گے رن میں تنِ پاش پاش پر
ہم بھی فقیر ہوئیں گے صاحب کی لاش پر

۶۲ باتیں یہ سن کے روتے تھے قاسم بہ حالِ زار
''ھل مِن مُبارزٍ''[۲۱] کی صدا آئی ایک بار
ماں نے کیا اشارہ کہ اے میرے گل عذار !
موقع نہیں ہے دیر کا ، اُٹھو ، یہ ماں نثار
کیا جانے ہوگا قبر میں کیا حال باپ کا
جی لگ گیا عروس کی باتوں میں آپ کا

۶۳ فرما کے الوداع ، اُٹھا دلبر حسن[۴]
برہم ہوئی وہ بزم ، وہ صحبت ، وہ انجمن
غل ہو گیا[۲۲] کہ لٹتی ہے اک رات کی دُلھن
اُس وقت سب سے دولھا کی ماں کا تھا یہ سخن
جاتی ہے اب برات مرے نونہال کی
رخصت ہے بی بیو ! زنِ بیوہ کے لال کی

۶۴ جاتا ہے سر کٹانے کو رن میں یہ رشکِ ماہ
لو میں نے دودھ بخش دیا، سب رہیں گواہ
دنیا میں یادگار رہا حشر تک یہ بیاہ
دو رانڈیں ایک جا ہوں، یہ تھی مرضیٔ اِلٰہ
سمجھے نہ اب کوئی کہ دُلھن کی عزیز ہوں
کل تک تھی ساس، آج سے اس کی کنیز ہوں

مطلع دوم

۶۵ جب خیمۂ حُسین سے نکلا حَسن کا لال
دیکھا کہ در پہ روتے ہیں سرور بہ صد ملال
بس گر پڑا قدم پہ یہ کہہ کر وہ خوش خصال
دیجے رضائے حرب مجھے بہرِ ذوالجلال
چلّائی ماں کہ سبطِ پیمبرؐ! نہ روکیو
شبّر نے دی صدا کہ برادر! نہ روکیو

۶۶ لپٹا کے اُس کو چھاتی سے بولے شہِ اُمم
پیارے! تمھارا داغ بھی دل پر سہیں گے ہم
یہ پیش و پس ہے منزلِ ہستی میں کوئی دم
تم آگے چند گام تو ہم پیچھے دو قدم
کچھ غم نہیں جو راہ ہے خنجر کی دھار پر
ہر دم خدا کا فضل ہے اِس خاکسار پر

۶۷ یہ کہہ کے دل قلق سے بھر آیا جو ایک بار
روئے مثالِ ابر شہِ آسماں وقار
تر آنسوؤں سے ہو گئی ریشِ خضاب دار
تسلیم کرکے قاسمِ گل رُو ہوا سوار
دولھا کے نورِ رخ کی ضیا چرخ تک گئی
جولاں کیا فرس کو تو بجلی چمک گئی

۶۸ پہنچا جو رزم گاہ میں وہ غیرتِ قمر
نیزہ پکڑ کے گھوڑے کو پھیرا اِدھر اُدھر
بولے عدو ، یہ کوئی فرشتہ ہے یا بشر ؟
خورشیدِ خاوری کی بھی خیرہ ہے یاں نظر
اَللہ رے چمک رخِ پُر آب و تاب کی
سہرا بنا ہوا ہے کرن آفتاب کی

۶۹ کیوں[۲۳] وصفِ لعلِ لب میں حلاوت نہ پائے لب
ہے مدح خواں کو قندِ مکرّر ثنائے لب
شیریں لبوں کے ہیں لبِ شیریں فدائے لب
دیکھے یہ لب تو یوسفِ مصری چبائے لب
ترکِ ادب ہے اُس کی ثنا اِس طریق سے
دھونا زباں کو چاہیے آبِ عقیق سے

۷۰ دنداں محیطِ نور کے ہیں گوہرِ خوش آب
برّاق اِس قدر ہیں کہ ہے برق کو حجاب
ان سے مقابلے کی نہیں اختروں کو تاب
بتّیس موتیوں کی یہ سمرن[۲۴] ہے انتخاب
حیراں ہے چشمِ حور ظہور اُن کا دیکھ کر
دانا درود پڑھتے ہیں نور اُن کا دیکھ کر

۷۱ ناگہ[۲۵] رجز یہ پڑھنے لگے قاسمِ جری
عالَم میں کون ہے جو کرے ہم سے ہمسری
ہم حیدری ہیں ، ہم میں ہے زورِ غضنفری
ہم سے ہے اوجِ پایۂ اورنگِ صفدری
شُہرہ ہے حرب و ضربِ شہِ خاص و عام کا
سِکّہ ہے شش جہت میں ہمارے ہی نام کا

۷۲ جد ہے مرا امیرِ عرب ، شحنۂ نجف
ضرغامِ دیں ، معینِ رسولانِ ماسلف
دادی جنابِ فاطمہِ زہرا[۴] سی ذی شرف
عمّو حسین[۴] ، صاحبِ لولاک کا خلف
میں پارۂ دلِ حسنِ[۴] خوش خصال ہوں
پہلے سے جو شہید ہوا اُس کا لال ہوں

۷۳ اُس کا پسر ہوں اے سپہِ مصر و روم و شام
گلزارِ فاطمہ[۴] کا ہے جو سروِ سبز فام
واللہ اُس کا لختِ جگر ہوں میں تشنہ کام
تابوت جس کا تیروں سے چھلنی ہوا تمام
جاں اُس کی ہوں میں جس کو نہ جا گیرِ جد ملی
پہلو میں مصطفٰی ؐ کے نہ جس کو لحد ملی

۷۴ ناگاہ فوجِ شام سے تیرِ ستم چلے
تیر و سناں و نیزہ و خنجر بہم چلے
قاسم بھی یاں سے کھینچ کے تیغِ دودم چلے
اعدا پہ چھیڑ کر فرسِ خوش قدم چلے
پیدل تو اُس قطار کے تھے کس قطار میں
دو دو سوار کٹ گئے ایک ایک وار میں

۷۵ ڈھالیں اٹھیں کہ دن شبِ دیجور[۲۶] ہو گیا
لامع جو برقِ تیغ ہوئی ، نور ہو گیا
حیراں ہر ایک ظالمِ مقہور ہو گیا
چہروں کا رنگ خوف سے کافور ہو گیا
آئی ہنسی اجل کو بھی اِس طرح مر گئے
گھوڑوں پہ تن چڑھے رہے اور سر اُتر گئے

۷۶ تھا[۲۷] ابنِ سعدِ شوم کو اُس دم بہت ہراس
غرقِ سلاحِ ازرقِ شامی کھڑا تھا پاس
اُس سے کہا کہ فوج نہایت ہے بے حواس
تو جا کے لڑ تو قتل ہو شاید یہ حق شناس
رُکتا ہے برچھیوں سے ، نہ دامِ کمند سے
جلدی سناں پہ اس کو اٹھا لے سمند سے

۷۷ کہنے لگا بگڑ کے وہ با صد غرور و لاف
تو آپ بے حواس ہے ، تقصیر ہو معاف
یہ امر ، اے امیر ، شجاعت کے ہے خلاف
ہاں تب لڑوں ، علی[۴] اگر آئیں پئے مصاف
فرق آئے گا نہ میری کبھی آن بان میں
لڑکے سے لڑ کے نام مٹا دوں جہان میں ؟

۷۸ ڈرتے ہیں سب جری مری جنگ و جدال سے
رستم کا زور آگے مرے کم ہے زال سے
رکتی نہیں یہ تیغ تہمتن کی ڈھال سے
ناداں ہوں کیا لڑوں میں جو اس خرد سال سے
بیٹوں کو میرے بھیج کہ چاروں دلیر ہیں
جنگ آزما ہیں ، سور ہیں ، صفدر ہیں ، شیر ہیں

۷۹ لکھا ہے چار تھے پسرِ ازرقِ پلید
دشمن تو آلِ پاک کے ، شیطان کے مرید
بولا یہ اُن کو دیکھ کے وہ پیروِ یزید
ہاں جا کے اس یتیم کو جلدی کرو شہید
رُلواؤ قبر میں حسنِ دل ملول کو
بیوہ بنا دو دخترِ سبطِ رسول کو

۸۰ یہ چاند مجتبٰی کا ہے ، خوں میں اسے ڈُباؤ
تلواریں مارو ، ذبح کرو ، برچھیاں لگاؤ
انعام دوں ، یہ جنگ اگر فتح کرکے آؤ
سہرے سمیت کاٹ کے دولھا کے سر کو لاؤ
خلعت ملیں گے ، جاؤ گے جس دم سلام کو
سر اِس کا نذر دیجو تمھیں میرِ شام کو

۸۱ نکلا یہ بات سنتے ہی اُن میں سے ایک یَل
پیچھے چلی شریر کے ہنستی ہوئی اجل
نعرہ کیا یہ غیظ سے موذی نے کھا کے بل
ہاں اے حسن کے لال ! خبردار ہو ، سنبھل !
کام آئے کچھ تو نامِ شہِ ذوالفقار لے
پُشتی پہ ہو کوئی تو مدد کو پکار لے

۸۲ قاسم یہ نعرہ زن ہوئے چمکا کے راہوار
امداد وقتِ جنگ ہے شیروں کو ناگوار
کافی ہے بس ہمیں سپرِ حفظِ کردگار
او خیرہ سر ! اجل تری گردن پہ ہے سوار
دشمن کو اپنی ضرب ، طمانچہ قضا کا ہے
آ کوئی وار کر جو ارادہ وغا کا ہے

۸۳ یہ سنتے ہی کماں کو اٹھا کر بڑھا شریر
چلے میں تین بھال کا جوڑا شقی نے تیر
تھا بس کہ تیز دست حسن[۴] کا مہِ منیر
بجلی سی آئی کوند کے شمشیرِ بے نظیر
یوں قطع انگلیاں ہوئیں اُس تیرہ بخت کی
جیسے کوئی قلم کرے شاخیں درخت کی

۸۴ اک ہاتھ میں جو کٹ کے گرے دستِ نابکار
بولے کمر میں رکھ کے یہ شمشیرِ آبدار
اب دیکھ میرے تیر کا توڑ[۲۸] ، او خطا شعار
ٹکڑا کماں کے قبضے کو یہ کہہ کے استوار
چلہ جو کھینچنے لگے سرکش کو تاک کے
رُستم کی روح چھپ گئی تودے میں خاک کے

۸۵ چٹکی سے چھوٹ کر جو چلا تیرِ بے اماں
قربان تیرے ہاتھ کے ، چِلائی یہ کماں
بچتی ہے کب خدنگِ اجل سے کسی کی جاں
نکلا وہ تیر توڑ کے سینے کے استخواں
اک دم میں دی شکست خطا کو[۲۹] صواب نے
غُل تھا ، قفس کی تیلیاں توڑیں عقاب نے

۸۶ مرکب سے گر کے مر گیا جب وہ عدوے دیں
نکلا اُدھر سے تب پسرِ ثانی[۳۰] لعیں
نیزے کو تولتا ہوا مغرور و خشم گیں
ابرو پہ بَل ، نگاہ میں قہر اور جبیں پہ چیں
ہمراہ اُس کے تیغ بکف سَو سوار تھے
اور اِس طرف مدد کو شہِ ذوالفقار تھے

۸۷ نیزے کا وار کرنے لگا جب وہ خود پسند
بجلی سا کوندنے لگا دولھا کا بھی سمند
نیزہ اڑا کے نیزے سے ، کی یہ صدا بلند
کیوں تو نے دیکھے نیزۂ مشکل کشا کے بند ؟
یہ سن کے اس نے ڈھال کو چہرے پہ گو لیا
پتلی کو بے حیا کی سناں میں پرو لیا

۸۸ بے کار ہو کے کور ہوا جب وہ خیرہ سر
پٹکے میں ہاتھ ڈال کے پٹکا زمین پر
آواز دی زمیں نے کہ "فی النّارِ والسّقر[۳۱]"
جا تو بھی ، ہے برادرِ عینی[۳۲] ترا جدھر
جز موت کچھ شقی کو نہ اس دم نظر پڑا
آنکھیں کھلیں تو قعرِ جہنّم نظر پڑا

۸۹ جھپٹا برادرِ سوم اس کا بہ کرّ و فر
تانے ہوے وہ گرزِ گراں سر ، کہ الحذر
یاں بہرِ حفظ دستِ یداللہ تھے سپر
تیغِ دو دم کو شیر نے تولا بچا کے سر
یوں دو کیا عمودِ سرِ نابکار کو
جس طرح تیغِ تیز اڑا دے خیار[۳۳] کو

۹۰ مرتے ہی اس کے فوج سے چوتھا پسر بڑھا
قاسم پکارے ، او یلِ خود سر ! کدھر بڑھا ؟
سنتے ہی یہ ، وہ تیغِ دودم کھینچ کر بڑھا
جھنجلا کے مجتبیٰ کا بھی لختِ جگر بڑھا
لڑتا وہ کیا کہ تیرِ اجل کا نشانہ تھا
اک ہاتھ میں نہ سر تھا ، نہ بازو ، نہ شانہ تھا

۹۱ بے جاں ہوئے نبرد میں بیٹے جو اُس کے چار
ازرق کا دل ہوا صفتِ لالہ داغ دار
جوشِ غضب سے سرخ ہوئیں چشمِ نابکار
مثلِ تنور منہ سے نکلنے لگا بخار
جیبِ قبا کو مثلِ کفن پھاڑتا ہوا
نکلا پرے سے دیو سا چنگھاڑتا ہوا

۹۲ شانے پہ تھی شقی کے وہ دو ٹانک[۳۴] کی کماں
ارجن بھی جس سے سہم کے گوشے میں ہو نہاں
چار آئنہ وہ پہنے تھا بر میں کہ الاماں
دب جائیں جس کے بوجھ سے رستم کے استخواں
کہتی تھی یہ زرہ بدنِ بدخصال میں
جکڑا ہے پیلِ مست کو لوہے کے جال میں

۹۳ آمد شقی کی دیکھ کے گھبرا گئے امام
عبّاسِ نامور سے یہ رو کر کیا کلام
لو بھائی جنگ ہو چکی، قصہ ہوا تمام
آیا سوے یتیمِ حسن[۴] موت کا پیام
ہم شکلِ مجتبیٰ کو بلا لو پکار کے
مانگو دعا سروں سے عمامے اتار کے

۹۴ یہ کہہ کے قبلہ رُو ہوئے سلطان کائنات
درگاہِ کبریا میں دُعا کی اٹھا کے ہات
اے خالقِ زمین و زماں، ربِ پاک ذات!
ازرق کے ہاتھ سے مرے قاسم کو دے نجات
تو حافظِ جہاں ہے، کریم و رحیم ہے
یا رب! بچا اِسے کہ یہ لڑکا یتیم ہے

۹۵ فضّہ پکاری خیمے میں آ کر بہ چشمِ تر
لوگو! تمھیں یتیمِ حسنؑ کی بھی ہے خبر؟
آیا ہے لڑنے ازرقِ ملعونِ خیرہ سر
کھولو سروں کو اے حرمِ شاہِ بحر و بر!
عبّاس روتے ہیں، علی اکبر اداس ہیں
ایسا ہے کچھ کہ سبطِ نبیؐ بے حواس ہیں

۹۶ نکلا یہ سب کے منہ سے کہ ہے ہے حسن کے لال
زینب نے اٹھ کے کھول دیے اپنے سر کے بال
سینے میں ہل گیا دلِ بانوے خوش خصال
چلّائی ماں، گزر گیا کیا میرا نونہال؟
عابد کا تپ میں گرم بدن سرد ہو گیا
قاسم کے چھوٹے بھائی کا منہ زرد ہو گیا

۹۷ چلّائی رو کے زوجۂ عبّاسِ نوجواں
یا رب! ہے تُو یتیمِ حسنؑ کا نگاہباں
سُن کر یہ غُل دُلھن کے بھی آنسو ہوئے رواں
لے کر بلائیں ساس پکاری کہ میری جاں
خالق کرے گا رحم، نہ آہ و بُکا کرو
دولھا پہ آ بنی ہے، میں صدقے دُعا کرو

۹۸ اِس اضطراب میں جو سنا ساس کا سُخن
زانو سے سر اٹھا کے ہوئی قبلہ رُو دُلھن
آہستہ کی یہ عرض کہ اے ربِ ذوالمنن[۳۵]
دشمن پہ فتح یاب ہو لختِ دلِ حسنؑ
لڑنے گئے ہیں تشنہ دہن تیری راہ میں
رکھ میرے ابنِ عم کو تو اپنی پناہ میں

۹۹ یا رب ! دُلھن بنے مجھے گزری ہے ایک شب
دولھا جو مر گیا تو مجھے کیا کہیں گے سب
اب تک تو شرم سے نہ ہلائے تھے میں نے لب
پر کیا کروں کہ اب ہے مری روح پر تعب[۳۶]
شبیرؑ کے آفتاب کا وقتِ غروب ہے
دولھا سے پہلے مجھ کو اُٹھا لے تو خوب ہے

۱۰۰ سہرے کے پھول بھی ابھی سوکھے نہیں ہیں ، آہ !
جو آ گیا پیام رنڈاپے کا یا اللہ !
یہ عقد تھا کہ موت تھی ، ماتم تھا یہ کہ بیاہ
بعد اُن کے ہو گا خلق میں کیونکر مرا نباہ
اُٹھوں جہاں سے دلبرِ شبیر کے سامنے
عورت کی موت خوب ہے شوہر کے سامنے

۱۰۱ فوجیں اِدھر دعا کی چلیں سوئے آسماں
بل کھا کے اُس طرف یہ پکارا وہ بد زباں
رستم بھی ہو تو کھنچ نہیں سکتی مری کماں
جوشن کو توڑتا ہے مرا تیرِ بے اماں
ہے اُس کی فتح ، ساتھ ہوں میں جس رئیس کے
سُرمہ کیا ہے دیو کو چٹکی میں پیس کے

۱۰۲ قاسم نے دی صدا کہ بس اب کر زباں کو بند
اللہ کو غرور و تکبّر ہے نا پسند
حق نے فروتنی سے کیا ہم کو سربلند
نیزے کا بند باندھ کوئی چھیڑ کر سمند
دیکھیں بلند کون ہے اور پست کون ہے
کھل جائے گا ابھی کہ زبردست کون ہے

۱۰۳ کیا زور تیرا اور تیری ضرب ، او ذلیل!
تعریف اپنی خود ، یہ سفاہت کی ہے دلیل
جوہر خود اُس کے کھلتے ہیں جو تیغ ہے اصیل
کاٹے ہماری تیغ نے بازوے جبرئیل
جرأت میں ہم کسی کو بھلا کیا سمجھتے ہیں
مضبوط جو ہیں وہ تجھے بودا سمجھتے ہیں

۱۰۴ یہ گُرز سیلِ راہِ سفر ہے ترے لیے
دستِ اجل ترا یہ تبر ہے ترے لیے
برچھی کا پھل قضا کا ثمر ہے ترے لیے
کالی بلا تری یہ سپر ہے ترے لیے
ضربت نہ چل سکے گی جو ماریں گے ہم تجھے
بے آبرو کرے گی یہ تیغِ دو دم تجھے

۱۰۵ کیا ہو سکے گا تجھ سے بھلا وقتِ دار و گیر
دستانے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہیں او شریر
حلقہ کہیں کہاں کا نہ کر لے تجھے اسیر
دشمن ہیں سب ترے جنھیں سمجھا ہوا ہے تیر
او تیرہ رُو ، بھلا یہ سپر کیوں لگائے ہے
آ ہوش میں کہ تجھ کو سیاہی دبائے ہے

۱۰۶ گو اسلحہ ہے زیورِ مردانِ سر گزار
سب حربے چل سکیں گے بھلا وقتِ گیرو دار
ہے دم میں فیصلہ جو کھنچی تیغِ آبدار
لادے ہوئے ہے تن پہ عبث ایک خر کا بار
چھپتے نہیں ہزار میں تیور دلیر کے
یہ تُو نہیں ہے، کلب ہے برقع میں شیر کے

۱۰۷ بیٹوں کے غم نے کر دیے مختل[۲۷] ترے حواس
گھبرا نہ ، بھیجتے ہیں تجھے بھی انھی کے پاس
فاقہ ہے ہم پہ اور ہے سولہ پہر کی پیاس
آنکھیں ملا کے دیکھ ، بھلا ہے کہیں ہراس ؟
گم ہیں جو نورِ عین تو آنکھیں چرائے ہے
ثابت ہوا جھلم[۲۸] سے کہ منہ کو چھپائے ہے

۱۰۸ آگے ہمارے دعویٰ جرأت ، خدا کی شان !
گدی سے کھینچ لوں ابھی بڑھ کر تری زبان
مغرور اس پہ ہے کہ میں لڑکا ہوں تو جوان
لے میان سے کہ اِس کا بھی ہو جائے امتحان
ہیں شیر شیرخوار جنابِ امیر کے
جھولے سے پھینک دیتے ہیں اژدر کو چیر

۱۰۹ بارہ برس کے سن میں لڑے شاہِ ذوالفقار
مرحب[۲۹] سا پہلوان نہ بچا وقتِ کارزار
ہے دیکھنے کا یہ تن و توش او زبوں شعار !
گینڈے کی ڈھال کاٹتی ہے تیغِ آبدار
لڑکوں سے فوجیں بھاگی ہیں منہ پھیر پھیر کے
ہاتھی کو مار ڈالا ہے بچّوں نے شیر کے

۱۱۰ قائل کیا جو مصحفِ ناطق کے لال نے
تر کر دیا اسے عرقِ انفعال نے
برچھا اٹھایا ہاتھ میں اُس بدخصال نے
چھیڑا فرس کو قاسمِ یوسف جمال نے
تکنے لگے صفوں سے جواں سب لڑے ہوئے
عبّاسِ نامدار قریب آ کھڑے ہوئے

۱۱۱ قاسم نے عرض کی کہ بہت دھوپ ہے حضور
رہیے چچا کے پاس ، یہ تکلیف کیا ضرور
فرمایا ، صدقے میں تری ہمّت کے اے غیُور
دشمن کو پاس آنے نہ دو ، ہم کھڑے ہیں دور
ہشیار جانِ عم ! کہ دمِ کارزار ہے
جاتا ہے اب کہاں ، یہ تمھارا شکار ہے

۱۱۲ کیوں تیغ تول تول کے بڑھتے ہو بار بار
بیٹا ! سپر تو ہاتھ میں لے لو ، چچا نثار
صدقے ترے حواس کے ، اے میرے شہسوار !
ہاں[۴۰] دونوں پاؤں رکھیو رکابوں میں استوار
آنے دو اس کو ، تیغ ابھی دم بھر تھمی رہے
گھوڑا نہ بد مزاج ہو ، پٹری جمی رہے

۱۱۳ فارس ہے تم سا کون ، تہِ چرخِ چنبری
دکھلا رہے ہو صاحبِ دُلدُل کی بھگدری[۴۱]
صدقے میں اے نہنگِ محیطِ دلاوری
دکھلا دے ضربِ تیغِ جہانگیرِ حیدری
ابرو پہ بل ہو ، آنکھوں سے آنکھیں لڑی رہیں
بھاری زرہ وہ پہنے ہے ، چوٹیں کڑی رہیں

۱۱۴ بیٹا ! تمھیں خدا نے دیا ہے علیؑ کا زور
گو پیل ہے ، پہ ہم تو سمجھتے ہیں اس کو مور
بہرام کی طرح سے چلا اب میانِ گور
دیکھو گے ، دیکھنے کا فقط ہے یہ زور و شور
چتلے ہیں جتنے سانپ وہ ڈستے نہیں کبھی
گرجے ہیں جو بہت ، وہ برستے نہیں کبھی

۱۱۵ سن کر صدائے شیر پکارا وہ بزدلا
کیا اِن کے ساتھ آپ بھی ہیں ، عازمِ وغا ؟
تیوری چڑھا کے حضرتِ عبّاس نے کہا
بس ہے تجھے یہ طفل ، مری احتیاج کیا
کچھ تجھ سے کم نبیرۂ خیبر شکن نہیں
دو ایک سے لڑیں ، یہ ہمارا چلن نہیں

۱۱۶ نیزہ ہلا کے جانبِ قاسم بڑھا وہ یَل
دولھا نے مسکرا کے صَدا دی سنبھل سنبھل !
گھوڑا نہ گر پڑے ترے لنگر سے منہ کے بل
تو ہے فرس پہ اور تری گردن پہ ہے اجل
ضیغم ہیں بیشۂ اسدِ ذوالجلال کے
کیجو سناں کے وار ذرا دیکھ بھال کے

۱۱۷ یہ کہہ کے اپنے چھوٹے سے نیزے کو دی تکاں
چمکی انی تو تیغ پکاری کہ ''الاماں''
اک بند باندھ کے جو فرس سے کہا کہ ہاں
ڈانڈ آئی ڈانڈ پر تو سناں سے لڑی سناں
بل کیا کرے کہ زور ہی موذی کا گھٹ گیا
غل تھا کہ اژدہے سے وہ افعی[۴۲] لپٹ گیا

۱۱۸ قاسم نے زور سے جو انی پر رکھی انی
بھاگا شقی کے جسم سے زورِ تہمتنی[۴۳]
بگڑا جو ڈھنگ جان پہ ظالم کی آ بنی
تھی اک سناں کی نوک کہ ہیرے کی تھی کنی[۴۴]
اُڑ کر گری زمیں پہ سناں اِس تکان سے
گرتا ہے جیسے تیرِ شہاب آسمان سے

۱۱۹
جھنجلا کے چوبِ نیزہ کو لایا وہ فرق پر
قاسم نے ڈانڈ ڈانڈ پہ مارا بچا کے سر
دو انگلیوں میں نیزۂ دشمن کو تھام کر
جھٹکا دیا کہ جھک گئی گھوڑے کی بھی کمر
نیزہ بھی دب کے ٹوٹ گیا نابکار کا
دو انگلیوں سے کام لیا ذوالفقار کا

۱۲۰
سنبھلا وہ بے شعور یہ جھٹکا اٹھا کے جب
قبضے میں لی کمانِ کیانی بہ صد غضب
چِلّے میں تیر جوڑ چکا جب وہ بے ادب
تیوری چڑھائی قاسمِ نوشاہ نے بھی تب
تیرِ نگاہ سے وہ خطاکار ڈر گیا
کانپے یہ دونوں ہاتھ کہ چِلّہ اتر گیا

۱۲۱
بولا یہ مسکرا کے جگر گوشۂ حسن[۴]
رخ پھیریو نہ او ستم ایجاد و پیل تن
چِلّائے بڑھ کے حضرتِ عبّاسِ صف شکن
کیا خوب تجھ کو یاد ہیں تیر افگنی کے فن
دیکھا ہمارے شیر کی چتون کی شان کو
دعویٰ ہے کچھ ابھی تو چڑھا لے کمان کو

۱۲۲
کندہ[۵] و گدازِ تیرِ نظر پر بھی کی نظر
ظالم عقابِ تیر کے بھی اڑ گئے ہیں پر
شیروں نے کاٹ ڈالے ہیں روئیں تنوں کے سر
ہاں اب بتا صواب کدھر ہے، خطا کدھر؟
ترکش کو پھینک دے جو حمیّت کا جوش ہو
چٹکی سے لو کو تھام کے حلقہ بگوش ہو

۱۲۳ دو سمت سے چلے جو ملامت کے اس پہ تیر
چِلّایا تیغِ تیز عَلم کر کے وہ شریر
ہاں اے حسن[۴] کے لعلِ بدخشاں[۴۶] ! بدہ ، بگیر
نکلی چمک کے یاں سے بھی تیغِ قضا نظیر
چمکا کے تیغِ تیز جو قاسم سنبھل گئے
سمجھا جو کچھ فرس کے بھی تیور بدل گئے

۱۲۴ مانندِ شیر غیظ میں آیا وہ پیل تن
آنکھیں اُبل پڑیں صفتِ آہوے ختن
ماری زمیں پہ ٹاپ کہ لرزا تمام بن
چِلّائے سب کہ گھوڑے پہ بھی لو چڑھا ہے رن !
میخیں زمیں کی آس کی تگاپو سے مل گئیں
دونوں کنوتیاں بھی کھڑی ہو کے مل گئیں

۱۲۵ فرفر نفس کی آتی تھی نتھنوں سے جب صدا
کہتے تھے لوگ سب کہ ہے رفرف[۴۷] یہ بادپا
دشمن کو گھورتا ہے ، دہانا چبا چبا
غل تھا کہ بس فرس ہو تو ایسا ہو باوفا
دشمن[۴۲] کو کیا نبرد میں بچنے کی آس ہو
لڑ لے[۴۸] کٹاریاں یہ فرس جس کے پاس ہو

۱۲۶ چھل بل دکھائی فوج کو ، دوڑا ، تھا ، اُڑا
صورت بنائی جست کی ، سمٹا ، جا ، اُڑا
دیکھی زمیں کبھی ، کبھی سوئے سما اُڑا
مثلِ سمندِ بادشہِ اِنّما[۴۹] اُڑا
جن تھا ، پری تھا ، سحر تھا ، آہو شکار تھا
گویا ہوا کے گھوڑے پہ گھوڑا سوار تھا

۱۲۷ دونوں طرف سے چلنے لگے وار یک بہ یک
دو بجلیاں دکھانے لگیں ایک جا چمک
تکنے لگے فلک کے دریچوں سے سب ملک
اک زلزلہ تھا اوجِ ثریّا سے تا سمک
چہرے پہ آفتاب کے مقتل کی گرد تھی
یہ خوف تھا کہ دھوپ کی رنگت بھی زرد تھی

۱۲۸ ہر بار جانبَین سے ہوتے تھے وار رد
تھا حرب و ضرب میں وہ شقی بھی بلائے بد
جب بڑھ کے وار کرتا تھا وہ بانیِ حسد
کہتا تھا بازوئے شہِ دیں "یا علی مدد"!
یوں روکتے تھے ڈھال پہ تیغِ جہول[۵۰] کو
جس طرح روک لے کوئی شہ زور پھول کو

۱۲۹ لایا[۵۱] جو حرفِ سخت زباں پر وہ بد خصال
جھپٹا مثالِ شیرِ درندہ حسن[ع] کا لال
گھوڑے سے بس ملا دیا گھوڑا بہ صد جلال
اتنے بڑھے کہ لڑ گئی اُس کی سپر سے ڈھال
آوجھڑ[۵۲] لگی کہ ہوش اُڑے خود پسند کے
گھوڑے نے پاؤں رکھ دیے سر پر سمند کے

۱۳۰ عبّاسِ نام دار نے پہلو سے دی صدا
ہاں اب نہ جانے دیجیو "احسنت، مرحبا"[۵۳]!
دشمن کے مار ڈالنے کی بس یہی ہے جا
سنتے ہی یہ، فرس سے فرس کو کیا جدا
گھوڑا بھی اِس طرف کو اُدھر ہو کے پھر پڑا
مارا کمر پہ ہاتھ کہ دو ہو کے گر پڑا

۱۳۱ غازی نے دی صدا کہ وہ مارا ذلیل کو
بچے نے آج پست[۵۴] کیا مست پیل کو
کیا منہدم کیا رہِ عصیاں کے میل کو
لو کوفیو ! گرا دیا حرفِ ثقیل[۵۵] کو
دو ہو گئی کمر نہیں تسمہ لگا ہوا
دیکھو تو آ کے لاش کے ٹکڑے ، یہ کیا ہوا

۱۳۲ قاسم سے پھر کہا کہ مبارک تمھیں ظفر
تسلیم کی ادب سے چچا کو جھکا کے سر
اور عرض کی یہ دور سے ہاتھوں کو جوڑ کر
اقبال آپ کا کہ مہم ہو گئی یہ سر
پشتی پہ آپ جب ہوں تو پھر کیا ہراس ہو
کام آئے کیوں نہ راس جو استاد پاس ہو

۱۳۳ فرمایا جانِ عم یہ بشر تھا کہ دیو زاد
ڈھایا ہے تم نے کفر کا گھر ، خانۂ عناد
آؤ کہ تم پہ پھونک دیں پڑھ کر "و اِن یکاد"[۵۶]
چلائی در سے ماں کہ بر آئی مری مراد
بیوہ کا لال بچ گیا ، صدقے حسینؑ پر
اسپند[۵۷] کوئی کر دے مرے نورِ عین پر

۱۳۴ عباسِ نام دار تو ہنستے چلے اُدھر
یعنی خوشی کی جا کے شہِ دیں کو دوں خبر
اس غم کدے میں دہر کے شادی کہاں مگر
یاں آس ٹوٹنے پہ ٹوٹ پڑے لاکھ اہلِ شر
لاکھوں سے لڑ کے پیاس سے مجبور ہو گئے
حربے ہزارہا جو چلے ، چور ہو گئے

۱۳۵ کیوں کر تمام فوج سے اک تشنہ لب لڑے
اک اک لڑا نہ آہ، بہم ہو کے سب لڑے
کھا کھا کے زخم مثل امیرِ عرب لڑے
جاں بازیاں ستم کی دکھائیں، غضب لڑے
جلوہ میانِ تشنہ دہانی دکھا دیا
بچپن میں لڑ کے زور جوانی دکھا دیا

۱۳۶ للکارا جس نے بس وہیں گھوڑا ڈپٹ کے آئے
یوں آئے جیسے شیرِ درندہ جھپٹ کے آئے
بجلی اُدھر گری یہ جدھر کو پلٹ کے آئے
صف کو بچھا کے آئے پرے کو اُلٹ کے آئے
منہ سرخ تھا، کھلے ہوئے تھے زخم سینے کے
بن کر لہو ٹپکتے تھے قطرے پسینے کے

۱۳۷ کاٹے رسالے تیغ سے کارِ قلم لیا
دستِ یمیں[۵۸] نے جنگ میں آرام کم لیا
پھر دستِ چپ میں تیغ و سپر کو بہم لیا
تیورائے، سنبھلے، منہ سے لہو ڈالا، دم لیا
یاں بند ہو کے آنکھ کھلی جتنی دیر میں
سو تیر دل کو توڑ گئے اتنی دیر میں

۱۳۸ آخر گھرا سپاہ میں وہ چودھویں کا ماہ
روکے تھی فوج تیروں سے اور برچھیوں سے راہ
لشکر کے ساتھ تھا پسرِ سعد رو سیاہ
تلوار چل رہی تھی کہ اللہ کی پناہ
غل تھا کہ روند ڈالا ہے لشکر کے باغ کو
ہاں غازیو! بجھا دو حسن[۴] کے چراغ کو

۱۳۹ تیغیں چڑھائی تھیں جو لعینوں نے سان پر
پڑتی تھیں وہ قریب سے اس ناتوان پر
تیروں پہ تیر تھے تو کمانیں کمان پر
ہلّہ تمام فوج کا تھا ایک جان پر
یوں برچھیاں تھیں چار طرف اس جناب کے
جیسے کرن نکلتی ہے گرد آفتاب کے

۱۴۰ غش میں جھکا فرس پہ جو وہ غیرتِ قمر
مارا کسی نے فرق پہ اک گرزِ گاؤ سر
برچھی لگی جو سینے پہ، ٹکڑے ہوا جگر
گرتے تھے اسپ سے کہ کمر پر لگا تبر
طارق کی تیغ کھا کے پکارے امام کو
فریاد یا حسینؑ! بچاؤ غلام کو

۱۴۱ سنتے ہی استغاثہ[۵۹] داماد کی صدا
دوڑے حسینؑ جانبِ مقتل برہنہ پا
گھبرا کے بولے حضرتِ عبّاس با وفا
تلوار کس پہ چل گئی، ہے ہے یہ کیا ہوا
چلّائی ماں ارے مری بستی اجڑ گئی
اے بھائی دوڑو، بن کے لڑائی بگڑ گئی

۱۴۲ جھپٹے[۶۰] جو شاہ فوج پہ چمکا کے ذوالفقار
بجلی گری یزید کے لشکر پہ ایک بار
آس غیظ میں یمیں سے جو آئے سوے یسار
بھاگے پھرا کے گھوڑوں کی باگوں کو سب سوار
بھاگڑ میں خوں سے رن کی زمیں لال ہو گئی
دولھا کی لاش گھوڑوں سے پامال ہو گئی

۱۴۳ دیکھا امام نے کہ رگڑتے ہیں ایڑیاں
سوکھے ہوئے لبوں پہ ہے اینٹھی ہوئی زباں
داماد سے لپٹ گئے حضرت بہ صد فغاں
بے جان ہوا حسینؑ کے آگے وہ نیم جاں
جب لاش اٹھائی شہ نے تو چور استخوان تھے
سب چاند سے بدن پہ سُموں کے نشان تھے

۱۴۴ ڈیوڑھی پہ لاش لائے جو سلطانِ بحر و بر
پردہ اٹھایا ڈیوڑھی کا فضّہ نے دوڑ کر
لاشے[1] کے پاؤں تھامے تھا کوئی تو کوئی سر
چادر کمر کی تھامے تھے عبّاسِ نامور
لٹکی تھیں دونوں خاک میں زلفیں اٹی ہوئی
رخ پر پڑی تھیں سہرے کی لڑیاں کٹی، ہوئی

۱۴۵ لاشہ ادھر سے لے کے چلے شاہِ کربلا
دوڑے اُدھر سے پیٹتے ناموسِ مصطفٰےؐ
فضّہ تھی آگے آگے کھلے سر، برہنہ پا
آئی جو صحن میں تو یہ رانڈوں کو دی صدا
چھپ جائے جس سے دور کا ناتا ہے صاحبو!
دولھا دُلھن کے لینے کو آتا ہے صاحبو!

۱۴۶ بہنیں کدھر ہیں، ڈالنے آنچل بنے پہ آئیں
اب دیر کیا ہے حجرے سے باہر دُلھن کو لائیں
رخصت ہوں جلد تا کہ براتی بھی چین پائیں
جاگے ہیں ساری رات کے اپنے گھروں کو جائیں
دل پر سہے فراق کی شمشیرِ تیز کو
ماں سے کہو دُلھن کے نکالے جہیز کو

۱۴۷ ناگاہ لاش صحن تک آئی لہو میں تر
پیٹے جو سب ، عروس کو بھی ہو گئی خبر
تھا سامنا کہ لاش پہ بھی جا پڑی نظر
گھبرا کے تب سکینہ سے بولی وہ نوحہ گر
دولھا کی لاش آتی ہے سہرے کو توڑ دو
مسند الٹ دو حجرے کے پردے کو چھوڑ دو

۱۴۸ یہ کہہ کے نوچنے لگی سہرا وہ سوگوار
افشاں چھڑا کے خاک ملی منہ پہ چند بار
کہنے لگی لپٹ کے سکینہ جگر فگار
ہے ہے بہن بڑھاؤ نہ سہرے کو ، میں نثار
وہ کہتی تھی کہ جاگ کے تقدیر سو گئی
بی بی ! نہ پکڑو ہاتھ کہ میں رانڈ ہو گئی

۱۴۹ یہ کہہ کے غش ہوئی جو قلق سے وہ نوحہ گر
حجرے سے دوڑی بالی سکینہ برہنہ سر
آ کر قریبِ صحن پکاری بہ چشمِ تر
اے بی بیو ! کسی کو دُلھن کی بھی ہے خبر ؟
کیسی دھڑا دھڑی ہے یہ اماں کدھر گئیں
دوڑو پُھپھی ، جہان سے کُبرا[۶۲] گزر گئیں

۱۵۰ رو کر بہن سے کہنے لگے شاہِ بحر و بر
اس بے نصیب رانڈ کو لے آؤ لاش پر
بیٹی لٹے گی یوں ، ہمیں اس کی نہ تھی خبر
اب شرم کیا ہے دیکھ لو دولھا کو اک نظر
زخمی بھی ہے ، شہید بھی ہے ، بے پدر بھی ہے
دولھا بھی نام کو ہے ، چچا کا پسر بھی ہے

۱۵۱ حضرت یہ کہہ کے ہٹ گئے با چشمِ اشک بار
پیٹی یہ سر کہ غش ہوئی بانوے دل فگار
چادر سپید اڑھا کے دُلھن کو بحال زار
گودی میں لائی زینبِ غمگین و سوگوار
چلّائی ماں یہ گر کے تنِ پاش پاش پر
قاسم بنے اٹھو دُلھن آئی ہے لاش پر

۱۵۲ صدقے گئی ، چچی کو نہ ہووے کہیں ملال
رکھو دُلھن کی پیٹھ پہ ہاتھ اے حسن[۴] کے لال
واری ، بس اب اٹھو کہ پریشاں ہے میرا حال
کیسا یہ خواب ہے کہ دُلھن کا نہیں خیال
کروٹ تو لو کہ ماں کے جگر کو قرار ہو
اس بچپنے کی نیند پہ امّاں نثار ہو

۱۵۳ جس دم دُلھن نے لاش کے ٹکڑوں پہ کی نگاہ
نکلی لہو میں ڈوبی ہوئی اک جگر سے آہ
قدموں پہ سر جھکا کے پکاری وہ رشکِ ماہ
میرا قصور عفو ہو[۶۳] اے میرے بادشاہ !
بولی نہ تھی حجاب سے تقصیروار ہوں
اب حکم ہو تو لاش پہ آٹھ کر نثار ہوں

۱۵۴ اے پارۂ دلِ حسن[۴] ، اے فدیۂ حسین[۴]
کل وہ خوشی تھی آج یہ برپا ہے شور و شین
کیا کہہ کے روؤں آٹھ گیا اب تو جہاں سے چین
بیوہ کوئی سکھائے تو صاحب کروں میں بین
چھوڑا دُلھن کو لاش پہ رونے کے واسطے
دولھا بنے تھے قبر میں سونے کے واسطے ؟

۱۵۵ صاحب! بتا تو دو تمھیں رونے میں کیا کہوں
بے کس کہوں کہ فدیۂ راہِ خدا کہوں
پیاسا کہوں، شہید کہوں یا بنا کہوں
دولھا کہوں کہ قاسمِ گلگوں قبا کہوں
ماتم بھی یوں تو ہوتا ہے شادی بھی ہوتی ہے
اک شب کی رانڈ دولھا کو کیا کہہ کے روتی ہے

۱۵۶ کیوں رونے والو! سنتے ہو آوازِ شور و شین
اس بزمِ پاک میں ہیں یہاں نوحہ گر حسینؑ
منبر کے پاس فاطمہؑ روتی ہیں کرکے بین
ماتم کرو کہ مر گیا حضرت کا نورِ عین
شبّر کو بھی قلق ہے، شہِ بے وطن کو بھی
پرسا امام کو بھی دو تم اور حسنؑ کو بھی[۶۴]

۱۵۷ لکھے انیس میں نے بہ سرعت یہ چند بند
لے جائے شوق سے جسے مضموں ہو جو پسند
اک جا ہے شیر و شکر و شہد و نبات و قند
اُس کے کرم سے ہوگا یہ دریا کبھی نہ بند
نہریں رواں ہیں فیضِ شہِ مشرقین کی
پیاسو! پیو سبیل ہے نذرِ حسینؑ کی

———

۷

جب رن میں سربلند علیؑ کا علم ہوا

(جنگ اور شہادتِ حضرتِ عباس)

بند ۱۷۰، بحرِ مضارع

مراجع

* روحِ انیس : انتخاب و تصحیح پروفیسر مسعود حسن ادیب
طبع دوم ، صفحہ ۱۰۹ -
* مراثیِ انیس : جلد دوم ، طبع نظامی پریس ، بدایوں ، صفحہ ۱۶۹ ،
بہ تصحیح علی حیدر نظم طباطبائی -
* مراثیِ انیس : جلد دوم ، طبع نول کشور پریس لکھنؤ ، ۱۹۱۶ء ،
صفحہ ۲۶۹ ، بہ تصحیح تصدق حسین ، طبع تیج کمار لکھنؤ ،
۱۹۵۸ء ، صفحہ ۲۸۷ -
* مراثیِ انیس : جلد دوم ، طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ،
۱۹۵۹ء ، صفحہ ۱۹۷ ، تصحیح نائب حسین نقوی -
* قلمی : از قلم و انتخاب سید حامد نقوی ایم - اے ، ۱۴ بند ،
محررہ ۷ محرم ۱۳۵۳ھ ، ۲۰ اپریل ۱۹۳۴ء -

تبصرہ

یہ مرثیہ میر انیس نے اپنی آخری عمر میں لکھا ہے۔ فنی کمال شاعرانہ چابک دستی، استادانہ مہارت کا یہ مرصع مرقع، اوصاف نگاری، جذبات نویسی، درد انگیزی، فطرت کی عکاسی، لطافتِ بیان اور قدرتِ اظہار، روانی و سلاستِ زبان کا مثالی نمونہ ہے۔ ایک سو ستر بند ہیں جو بیانیہ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ خطیبانہ لہجہ اور فلسفیانہ انداز نہیں ہے۔

مرثیے کے اجزا:

(الف) آمد (ب) علم (ج) سراپا (د) تلوار (ہ) گھوڑا (و) رخصت (ز) رجز (ح) جنگ (ط) فوج یزید میں بھگدڑ (ی) شہادت (ک) بین۔

مسائل و موضوعات و جزئیات:

مرثیے کے بنیادی کردار: امام حسینؑ و حضرت عباس۔

ذیلی کردار: علی اکبر، عون و محمد، قاسم، جناب زینب اور زوجۂ حضرت عباس۔

جذبات: استقبال، منصب کا حصول، بہادری و جاں فروشی، فراق، راضی برضا، فتح، وفا، خوشی، غم، رقت اور بین۔

میر انیس نے یہ مرثیہ آٹھ محرم کی کسی مجلس میں پڑھنے کے لیے لکھا ہے۔ اس لیے اس میں باغ و بہار، تشبیب اور تغزل کے بجائے دوسری فضا قائم کی ہے۔ معزز افراد، بہادر سردار اور جاں نثار عزیزوں کے پہلودار اوصاف لکھنے سے ایک خشک المیہ میں کسی حد تک طربیہ کی

معتدل فضا نے مرثیے کو عام مطالعے کے لیے دل کش بنا دیا ہے:

قربانِ احتشامِ علم دارِ نام ور
رخ پر جلالتِ شہِ مرداں تھی سر بہ سر
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر کی نظر
قبضے میں تیغ، بر میں زرہ، دوش پر سپر
چھایا تھا رعب لشکرِ ابنِ زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

وہ اوج، وہ جلال، وہ اقبال، وہ حشم
وہ نور، وہ شکوہ، وہ توقیر، وہ کرم
پنجے کی وہ چمک، وہ سرافرازیِ علم
گرتی تھی برق فوجِ مخالف پہ دم بہ دم
کیا رفعتِ نشانِ سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

غرفوں سے جھانک کے بولی ہر ایک حور
"صلّ علیٰ" علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
یا رب! رہے نگاہِ بد اِس کی ضیا سے دور
پنجہ ہے یہ کہ ایک جگہ پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمدؐ و حیدرؑ کی شان کے
قربان اِس جواں کے، نثار اِس نشان کے

شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا
قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا
یوسف ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سنتے ہیں ہم کہ عالم ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے

اس قسم کے متعدد چہرے ، الگ الگ اور اجتماعی طور پر ، پھیلے ہوئے ہیں - ان میں رنگینی بھی ہے اور تقدس بھی - اس رنگینی اور دل کشی کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ اچھے شاعر کو خیال آفرینی کے لیے ادنیٰ موضوعات اور سطحی مضامین کی ضرورت نہیں ہے - اعلیٰ درجے کا شاعر وہ ہے جو پاکیزہ اخلاق ، اونچے خیالات اور لطیف جذبات سے وابستہ رہ کر بھی اچھے سے اچھا شعر ، عمدہ سے عمدہ استعارہ اور خوب سے خوب تر کی جلوہ نمائی کر سکتا ہے - حسن و زیبائی ، دل کشی اور مقناطیسی اثرات کے لیے تصنّع سے زیادہ فطری لطافت کام آسکتی ہے بشرطیکہ شاعر اسے پاکیزہ نگاہی کے ساتھ دیکھے - دنیا کی ہر وہ شے حسین ہے جسے فطری خلوص ، قدرتی حسن اور طبعی پاکیزگی حاصل ہو - صرف روشنیِ نظر کی ضرورت ہوتی ہے - یہی رعنائی انیس دکھاتے اور گلدستۂ رنگ و بو یا ستاروں کا جھومر بنا کر پیش کرتے ہیں -

'روحِ انیس' میں اس مرثیے کے ایک سو چھیاسٹھ بند ہیں اور مراثیٔ مطبوعہ کی جلد دوم میں ایک سو باسٹھ بند ہیں - مرثیے پر میر صاحب نے کئی مرتبہ نظر ڈالی ہوگی اور جو نسخہ مسعود حسن صاحب کے پاس ہوگا بظاہر مستند ہوگا - نول کشوری ایڈیشن کے مصحّح کے سامنے بھی معاصر نسخے تھے - ہم نے ان میں سے ہر ایک کے محذوف بند اپنے اس نسخے میں جمع کرکے ماٰخذ کی نشان دہی کر دی ہے -

یہ مرثیہ انیس کے عمدہ اور منتخب مراثی میں شمار ہوتا چلا آیا ہے اور یہ واقعہ ہے کہ اس میں انیس کے کمالِ فن کا ایک رخ پوری طرح محفوظ ہے -

مرتضیٰ حسین ، فاضل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱

جب رن میں سربلند علیؑ کا عَلم ہوا
فوجِ خدا پہ سایۂ ابرِ کرم ہوا
چرخِ زبرجدی پئے تسلیم خم ہوا
پنجے پہ سات بار تصدّق حشم ہوا
دیکھا نہ تھا کبھی جو عَلم[1] اس نمود کا
دونوں طرف کی فوج میں غل تھا درود کا

۲

وہ شان اس عَلم کی، وہ عبّاس کا جلال
نخلِ زمرّدی[2] کے تلے تھا علیؑ کا لال
پرچم[3] پہ جان دیتی تھیں پریوں کا تھا یہ حال
غل تھا کہ دوشِ حور پہ بکھرے ہوئے ہیں بال
ہر لہر آبدار تھی کوثر کی موج سے
طوبیٰ بھی دب گیا تھا پھریرے کے اوج سے

۳

تھا پنجتن کا نور جو پنجے میں[4] جلوہ گر
اعمیٰ[5] کی پُتلیوں میں بھی تھا روشنی کا گھر
ذرے نثار کرتے تھے اٹھ اٹھ کے اپنا زر
تکتے تھے فوق سے تو ملک، تحت سے بشر
اللہ ری چمک عَلمِ بوتراب کی
تارِ نظر بنی تھی کرن آفتاب کی

۴ قربانِ احتشامِ علم دارِ نام ور
رخ پر جلالتِ شہِ مرداں تھی سربسر
چہرہ تو آفتاب سا اور شیر کی نظر
قبضے میں تیغ ، بر میں زرہ ، دوش پر سپر
چھایا تھا رعب لشکرِ ابنِ زیاد پر
غل تھا چڑھے ہیں شیرِ الٰہی جہاد پر

۵ وہ اوج ، وہ جلال ، وہ اقبال ، وہ حشم
وہ نور ، وہ شکوہ ، وہ توقیر ، وہ کرم
پنجے کی وہ چمک ، وہ سرافرازیِ علم
گرتی تھی برق فوجِ مخالف پہ دم بہ دم
کیا رفعتِ نشانِ سعادت نشان تھی
سائے میں جس نشان کے طوبیٰ کی شان تھی

۶ پنجہ اٹھا کے ہاتھ یہ کہتا تھا بار بار
عالم میں پنجتن کی بزرگی ہے آشکار
یہ شش جہت انھی کے قدم سے ہے برقرار
کیوں ہفتہ دوست ہوتے ہو اے قوم نابکار !
آٹھوں بہشت ملتے ہیں مولیٰ کے نام سے
بیعت کرو حسین علیہ السلام سے

۷ غرفوں سے جھانک کے بولی ہر ایک حور
صلِّ علیٰ علم کی چمک ہے کہ برقِ طور
یا ربّ ! رہے نگاہِ بد اِس کی ضیا سے دور
پنجہ ہے یہ کہ ایک جگہ پنجتن کا نور
جلوے ہیں سب محمدؐ و حیدرؑ کی شان کے
قربان اِس جواں کے ، نثار اِس نشان کے

۸ آگے کبھی نہ دیکھی تھی اِس حسن کی سپاہ
دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ!
دیکھیں کسے کسے کہ ہے اِک ایک رشکِ ماہ
جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انھی دموں سے ہے رونق زمین کو
چن کر حسینؑ[۸] لائے ہیں کس کس حسینؑ[۹] کو

۹ شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا
قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا
یوسفؑ ہے ایک ایک جواں اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم کہ عالمِ ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کِھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے

۱۰ ہم شکلِ مصطفیٰؐ کا ہے کیا حُسن، کیا جمال
صبحِ جبیں[۹] بھی اور شب گیسو بھی بے مثال
یہ لب، یہ خط، یہ چشم، یہ اَبرو، یہ رخ، یہ خال
یاقوت و مُشک و نرگس و نجم و مہ و ہلال
اک گل پہ یاں ہزار طرح کی بہار ہے
چہرہ نہ کہیے، قدرتِ پروردگار ہے

۱۱ لختِ دلِ حسنؑ بھی ہے کس مرتبہ حسیں!
جس کے چراغِ حُسن سے روشن ہے سب زمیں
یہ زلفِ مشک بیز، یہ آئینۂ جبیں
سرمایۂ خُطا و خُتن، کائنات چیں[۱۰]
رخ کی بلائیں لیتی ہیں پریاں کھڑی ہوئی
سہرے کی ہر لڑی[۱۱] سے ہیں آنکھیں لڑی ہوئی

۱۲ نامِ خدا ہیں عون و محمد بھی کیا شکیل
اک مہرِ بے نظیر ہے ، اک بدرِ بے عدیل
افروختہ ہیں رخ ، یہ شجاعت کی ہے دلیل
ہمت بڑی ہے ، گو کہ ہیں عمریں ابھی قلیل
مثلِ علی[ع] ہیں جنگ و جدل پر تلے ہوئے
دونوں کے نیمچوں کے ہیں ڈورے کھلے ہوئے

۱۳ عباسِ نامور بھی عجب سج کا ہے جواں
نازاں ہے جس کے دوشِ منور پہ خود نشاں
حمزہ کا رعب ، صولتِ جعفر ، علی[ع] کی شان
ہاشم کا دل ، حسین کا بازو ، حسن[ع] کی جان
کیونکر نہ عشق ہو شہِ گردوں جناب کو
حاصل ہیں سینکڑوں شرف[۱۲] اِس آفتاب کو

۱۴ اُس مہر کو تو دیکھو یہ ذرے ہیں جس کے سب
سرتاجِ آسمان و زمیں نورِ عرشِ رب
ابرِ کرم ، خدیوِ عجم ، خسروِ عرب
عالی ہمم ، امامِ اُمم ، شاہِ تشنہ لب
جنباں زبانِ خشک ہے ذکرِ الٰہ میں
گویا کھڑے ہیں ختمِ رسل رزم گاہ میں

۱۵ کیا فوج تھی حسین[ع] کی اُس فوج کے نثار
ایک ایک آبروے عرب ، فخرِ روزگار
جرار و دیں پناہ و نمودار و نام دار
لڑکوں میں سبز رنگ کوئی ، کوئی گل عذار
فوجیں کوئی سماتی تھیں ان کی نگاہ میں ؟
وہ سب پلے تھے بیشۂ شیرِ الٰہ میں

۱۶ اک ایک ملکِ جرأت و ہمّت کا بادشاہ
کیواں خدم ، سپہر حشم ، عرش بارگاہ
آنکھیں غزال[۱۳] رشک ، مگر شیر کی نگاہ
وہ رعب چتونوں میں کہ اللہ کی پناہ
دیکھا تو دل کو توڑ کے برچھی نکل گئی
ابرو ذرا جو بل گئے ، تلوار چل گئی

۱۷ وہ اشتیاقِ جنگ میں لڑکوں[۱۴] کے ولولے
بے تاب تھے کہ دیکھیے تلوار کب چلے
چہرے وہ آفتاب سے ، وہ چاند سے گلے
سب فاطمہ[ع] کی بیٹیوں کی گود کے پلے
اک اک رسولِ[ص] حق کی لحد کا چراغ تھا
جس پر علی[ع] نے کی تھی ریاضت وہ باغ تھا

۱۸ اکبر سے عرض کرتے تھے سینہ سپر کیے
یہ نیمچے نہ لیویں گے دم ، بے لہو پیے
گر آج مر گئے تو قیامت تلک جیے
صدقے ہوں اس قدم پہ، یہ سر ہیں اسی لیے
آقا کے آگے لطف ہے تیغ آزمائی کا
آج آپ دیکھیے گا تماشا لڑائی کا

۱۹ بچپن پہ خادمانِ اولوالعزم کے نہ جائیں
جب چاہیں معرکے میں ہمیں آپ آزمائیں
تن تن کے روکیں برچھیاں، ہنس ہنس کے زخم کھائیں
بجلی گرے تو منہ پہ جھجک کر سپر نہ لائیں
جھپکے پلک کسی سے[۱۵] تو آنکھیں نکالیے
بڑھ کر ہٹیں جو پاؤں تو سر کاٹ ڈالیے

۲۰ کہتے تھے مسکرا کے یہ زینب کے دونوں لال
کھلتے ہیں خود دلیروں کے جوہر دمِ جدال
ہر وقت چاہیے مددِ شیرِ ذوالجلال
نعرہ ابھی کریں تو ہلے عرصۂ قتال
اتری[16] ہے تیغ جن کے لیے وہ دلیر ہیں
سب ہم کو جانتے ہیں کہ شیروں کے شیر ہیں

۲۱ یہ چھیڑ چھاڑ جو کرتے تھے باہم وہ گل عذار
شبیرؑ دیکھتے تھے کنکھیوں سے بار بار
پاس آ کے عرض کرتے تھے عباسِ نام دار
سنتے ہیں آپ ، کہتے ہیں جو کچھ یہ جاں نثار؟
جرأت ٹپک رہی ہے ہر اک کے کلام سے
یہ نیمچے رُکیں گے بھلا فوج شام سے؟

۲۲ یہ سِن ، یہ زور شور ، یہ عمریں ، یہ آن بان
یہ بھولے بھولے منہ ، یہ جواں مردیاں ، یہ شان
باتیں رجز[17] سے کم نہیں ، اللہ رے خوش بیان
چلتی ہے ذوالفقارِ علیؑ کی طرح زبان
کس دبدبے سے کاندھوں پہ نیزے سنبھالے ہیں
گویا چلن لڑائی کے سب دیکھے بھالے ہیں

۲۳ زینبؑ کے لاڈلوں کی طرف دیکھیے حضور!
مثلِ عرق ٹپکتا ہے پیشانیوں سے نور
رُخ پر جلالِ شیرِ خدا کا ہے سب ظہور
پرتو گلوں کا ہے کہ چمکتی ہے برقِ طور
دونوں میں صاف حیدر و جعفر کے طور ہیں
اللہ کی پناہ ، یہ تیور ہی اور ہیں

۲۴ یہ ذکر تھا کہ بجنے لگا طبل اُس طرف
مشکل کشا کی فوج نے باندھی اِدھر بھی صف
تیروں نے رخ کیا سُوے ابنِ شہِ نجف
سینوں کو غازیوں نے اِدھر کر دیا ہدف
تھا بس کہ شوقِ جنگ ہر اک رشکِ ماہ کو
جوش آ گیا وغا کا حسینی سپاہ کو

۲۵ غُصّے سے آفتاب ہوے مہ وشوں کے رنگ
فوجوں پہ جا پڑیں، یہ دلوں کو ہوئی امنگ
تن تن کے برچھیاں جو سنبھالیں برائے جنگ
بے چین ہو گئے فرسِ ابلق و سرنگ
پاس ادب سے شاہ کے، صف بڑھ کے تھم گئی
پٹری ہر اک سوار کی گھوڑے پہ جم گئی

۲۶ تنتنا ہوا بڑھا کوئی قبضے کو چوم کے
بھالا کسی نے رکھ لیا کاندھے پہ جُھوم[۱۸] کے
بولا کوئی یہ غول ہیں کیا شام و روم کے
ٹکڑے اڑائیں گے عمر و شمر شوم کے
نا مرد ہیں جو آنکھ چراتے ہیں مرد سے
دونوں کو چار کرکے پھریں گے نبرد سے

۲۷ دو لاکھ سے نظر کسی غازی کی لڑ گئی
بل کھا کے رخ پہ زلف کسی کی اکڑ گئی
چتون کسی کی شورِ دُہل سے بگڑ گئی
منہ سرخ ہو گیا، شکن ابرو پہ پڑ گئی
نکلا کوئی سمند کو رانوں میں داب کے
غصّے سے رہ گیا کوئی ہونٹوں کو چاب کے

۲۸ بڑھ کر کسی نے تیر ملایا کہاں سے
نیزہ کوئی ہلانے لگا آن بان سے
نعرہ کسی کا پار ہوا آسمان سے
تلوار کھینچ لی کسی صفدر نے میان سے
اک شور تھا کہ تلخ کیا ہے حیات کو
لاشوں سے چل کے پاٹ دو نہرِ فرات کو

۲۹ سنتے ہی یہ کلامِ جوانانِ نام ور
لڑکے الگ کھڑے ہوئے غول اپنا باندھ کر
کہتے تھے نیمچے لیے وہ غیرتِ قمر
یا رب شکست کوفیوں کو دے ، ہمیں ظفر
سر کے نہ پھر جو بڑھ کے وغا میں قدم گڑے
جا کر درِ یزید پہ اپنا علم گڑے

۳۰ عبّاس شہ سے کہتے تھے بپھرے ہوئے ہیں شیر
تیر اُس طرف سے آ چکے اب کس لیے ہے دیر
دو دن کی بھوک پیاس میں ہیں زندگی سے سیر
مولا ! غلام سے نہیں رکنے کے یہ دلیر
پاسِ ادب سے غیظ کو ٹالے ہوئے ہیں یہ
شیرِ خدا کی گود کے پالے ہوئے ہیں یہ

۳۱ کس کو ہٹائیے ، کس کو سنبھالے یہ جاں نثار
مرنے پہ ایک دل ہیں بہتّر وفا شعار
ہو مصلحت تو دیجیے اب اِذنِ کارزار
ایسا نہ ہو کہ جا پڑیں لشکر پہ ایک بار
برہم ہیں سرکشی پہ سوارانِ شام کی
اکبر کی بات مانتے ہیں ، نہ غلام کی

۳۲ جب روکتا ہوں میں انھیں اے آسماں سریر!
کہتے ہیں کیوں امام کی جانب لگائے تیر
باندھے ہے[20] سرکشی پہ کمر لشکرِ شریر
ہنگامِ جنگ شیر کے بچے ہوں گوشہ گیر؟
کس قہر کی نظر سے لعینوں کو تکتے ہیں
بچّوں کو ہے یہ غیظ کہ آنسو ٹپکتے ہیں

۳۳ اک اک جری کو نشۂ جرأت کا جوش ہے
عالم ہے بے خودی کا پہ مرنے کا ہوش ہے
ہر صف میں "یا علیِّ ولی" کا خروش ہے
کہتے ہیں بار بار کہ سر بارِ دوش ہے
مشتاق ہیں وہ پیاس میں تیغوں کے گھاٹ کے
ڈر ہے کہ مر نہ جائیں گلے کاٹ کاٹ کے

۳۴ حسرت سے کی سوے رفقا شاہ نے نظر
بولے حبیب نذر کو حاضر ہیں سب کے سر
فرمایا شہ نے ہم بھی ہیں آمادۂ سفر
اچھا بڑھے جہاد کو ایک ایک نام ور
یہ راہِ حق ہے، جو قدم آگے بڑھائے گا
دربارِ مصطفےٰؐ میں وہی پہلے جائے گا

۳۵ مژدہ یہ سن کے شاد ہوئے غازیانِ دیں
اک اک دلیر جانے لگا سوئے فوجِ کیں
جب نعرہ زن ہوئے صِفتِ شیرِ خشم گیں
تھرّائے آسماں کے طبق، ہل گئی زمیں
برپا تھا شورِ حشر دلیروں کی حرب سے
فوجیں تو کیا، جہاں تہ و بالا تھا ضرب سے

۳۶ الله رے جہادِ حبیب و زُہیر قین[۲۱]
گویا بپا تھا معرکۂ خندق و حنین
جب مر گئے وہ عاشقِ سلطانِ مشرقین
مقتل میں پیٹتے ہوئے دوڑے گئے حُسین
یوں جا کے روئے ان کے تنِ پاش پاش پر
جس طرح بھائی روتا ہے بھائی کی لاش پر

۳۷ خالی ہوا قدیم رفیقوں کا جب پرا
کانپا سپہر، شہ نے دمِ سرد یوں بھرا
کٹنے لگا عزیزوں کا بھی جب چمن ہرا
گہ روئے آپ، ہاتھ جگر پر کبھی دھرا
لڑکے جو یک بہ یک کئی ہاتھوں سے کھو گئے
ٹکڑے حسن[۴] کی طرح[۲۲] کلیجے کے ہو گئے

۳۸ تھی قہرِ حق عقیل کے پوتوں[۲۳] کی کارزار
شمشیرِ حیدری کا نمونہ تھے جن کے وار
عزت عرب کی رکھ[۲۴] گئے جعفر کی یادگار
تھے تین چار شیر کہ جھپٹے سوئے شکار
فتح و ظفر تھی مثلِ علی[۴] اختیار میں
پنجے میں تھا وہی جسے تاکا ہزار میں

۳۹ نکلے برادرانِ علم دارِ صف شکن[۲۵]
دکھلا دیے علی[۴] کی لڑائی کے سب چلن
بے سر تھے مورچوں میں جوانانِ پیل تن
لاشوں پہ لاشیں گرتی تھیں پڑتا تھا رن پہ رن
آنکھوں میں پھر رہی تھی چمک ذوالفقار کی
عباس داد دیتے تھے ایک ایک وار کی

۴۰ تھا چھوٹے بھائیوں کے لیے مضطرب جو دل
گہ شہ[۲۶] کے پاس تھے، کبھی لشکر کے متّصل
نعرہ یہ تھا کہ شیر ہے ماں کا تمھیں بحل[۲۷]
شیرو رُکے نہ ہاتھ، بدن گو ہے مضمحل
یہ وقت آبرو ہے بڑی جدّو کد کرو
ہاں بھائیو! امام کی اپنے مدد کرو

۴۱ الٹو پروں کو، بڑھ کے صفوں کو بچھا کے آؤ
ساحل کے پاس خون کا دریا بہا کے آؤ
جب باگ اٹھاؤ، فوج کے اس پار جا کے آؤ
یا مر کے آؤ یا انھیں رن سے بھگا کے آؤ
ہاں صفدرو! نشاں نہ رہے فوجِ شام کا
بیٹوں کو پاس چاہیے بابا کے نام کا

۴۲ رو کر حسین[ع] کہتے تھے بھائی سے دم بہ دم
دولت پدر کی لُٹتی ہے اور دیکھتے ہیں ہم
جینے نہ دے گا آہ! ہمیں بھائیوں کا غم
عبّاس عرض کرتے تھے اے قبلۂ اُمم!
اب باپ کی جگہ شہِ عالی مقام ہیں
صدقے نہ کس طرح ہوں کہ ہم سب غلام ہیں

۴۳ بے جاں ہوئے جو راہ خدا میں وہ شیرِ نر
حضرت ضعیف ہوگئے، خم ہوگئی کمر
ماتم میں تھے کہ موت نے لُوٹا حسن[ع] کا گھر[۲۸]
اک دم میں قتل ہوگئے دونوں جواں پسر
سب چل بسے، نبی[ص] و علی[ع] پاس رہ گئے
ستّر دو تن میں اکبر[ع] و عبّاس رہ گئے

۴۴ آیا نظر جو لاشۂ نوشاہ[۲۹] نیک خو
اکبر کی چشمِ تر سے ٹپکنے لگا لہو
کی غیظ کی نظر طرفِ لشکرِ عدو
پہلو سے آئے روتے ہوئے شہ کے روبرو
نکلی یہ بات جوشِ بُکا میں زبان سے
قاسم کے ساتھ جائیں گے ہم بھی جہان سے

۴۵ بچپن سے ہم سے یہ نہ ہوئے تھے کبھی جدا
سوئے تو ایک فرش پہ ، کھیلے تو ایک جا
طفلی کا ساتھ چھوٹ گیا ، وا مصیبتا!
مر جائے ایسا بھائی تو جینے کا لطف کیا[۳۰]
حسرت یہ ہے کہ تیغوں سے تن پاش پاش ہو
پہلو میں ابنِ عم کے ہماری بھی لاش ہو

۴۶ شہ نے کہا کہ سچ ہے یہ ایسا ہی ہے الم
خالق جہاں میں بھائی کو بھائی کا دے نہ غم
بازو کا ٹوٹنا اجل آنے سے کیا ہے کم
مر مر کے غم میں بھائی حسنؑ کے جیے ہیں ہم
تازہ تھا غم پدر کا ، خوشی دل سے فوت تھی
عبّاسِ نام دار نہ ہوتے تو موت تھی

۴۷ بھائی کے بعد ان سے ملی لذّتِ حیات
بیکس کے غمگسار تھے یہ ، یا خدا کی ذات
خالی نہ پائی مہر و مروت سے کوئی بات
سویا جو میں تو ان کو کٹی جاگنے میں رات
صدمے بھلائے دل سے حسنؑ کی جدائی کے
رونے نہیں دیا مجھے ماتم میں بھائی کے

۴۸
تھا ان کے اتحاد کا سب سے جُدا مزہ
بیٹے کا لطف، بھائی کا حظ، باپ کا مزہ
ملتا ہے بات بات[31] میں ہردم نیا مزہ
اوجھل یہ آنکھ سے ہوں تو جینے کا کیا مزہ
قائم رکھے خدا کہ علیؑ کے نشان ہیں
مالک یہی ہیں گھر کے، یہی تن کی جان ہیں

۴۹
قوّت جگر کی تم ہو تو یہ بازوؤں کا زور
بچھڑا جو دو میں ایک تو ہم ہیں کنارِ گور
ہوتا ہے زخمِ دل پہ نمک آنسوؤں کا شور
جب پُتلیاں جدا ہوں تو چشمِ بشر ہے کور
تم پہلوؤں میں تھے جو یہ بیکس سنبھل گیا
پھر خاتمہ ہے جسم سے جب دم نکل گیا

۵۰
[32]بس دیکھ کر نہال ہوے گلشنِ جہاں
اٹھ جائے جلد خلق سے یہ پیرِ ناتواں
گزرے بہارِ عمر کے دن، آ گئی خزاں
پھولو پھلو، جیو کہ ابھی تم ہو نوجواں
عمریں بھی ہیں قلیل، کچھ ایسے مُسن نہیں
دونوں کا ہے شباب، یہ مرنے کے دن نہیں

۵۱
آن سے نشاں علیؑ کا ہے، تم سے ہمارا نام
گھر مٹ گیا نبیؐ کا جو دونوں ہوئے تمام
میّت کے دفن کا بھی مقدّم ہے اہتمام
مرنے کے بعد کوئی تو آئے ہمارے کام
تربت پہ تم سے گل ہوں تو دل باغ باغ ہو
اندھیر ہے جو قبرِ پدر بے چراغ ہو

۵۲ کیجو نہ ذکرِ ہجر، یہ صدمہ ہے دل خراش
بہرِ پدر کرو کفن و گور کی تلاش
ہوگا یہ جسم ظلم کی تیغوں سے پاش پاش
دو شخص چاہییے کہ اٹھائیں ہماری لاش
رونے کو کوئی دوست نہ یاور سرھانے ہو
فرزند پائنتی ہو، برادر سرھانے ہو

۵۳ اکبر نے سن کے باپ سے یہ اشکِ خوں بہائے
عبّاس بول اٹھے نہ خدا وہ گھڑی دکھائے
ہے زندگی یہی کہ ہمیں پہلے موت آئے
خاک اُس غلام پر کہ جو آقا کی لاش اُٹھائے
دستِ قوی ہیں نیزہ و صمصام کے لیے
پائے ہیں کیا یہ ہاتھ اسی کام کے لیے

۵۴ بس گر پڑا یہ کہہ کے قدم پر وہ باوفا
جھک کر کہا حسینؑ نے بھائی یہ کیا یہ کیا
قاسم کا ذکر کرتے تھے ہم شکلِ مصطفیٰؐ
باتیں تو ان سے تھیں، تمھیں کیوں غیظ آ گیا
ہم تم تو ساتھ گلشنِ ہستی سے جائیں گے
اچّھا! ہماری لاش کو اکبر اُٹھائیں گے

۵۵ اٹھیے قدم سے، آپ کی الفت کے میں نثار
غصّے میں بھول جاتے ہو بھیّا ہمارا پیار
آنکھیں قدم پہ مل کے یہ بولا وہ نامدار
بے اذنِ جنگ سر نہ اٹھائے گا خاکسار
ایسا نہ ہو خجل ہوں رسالت مآبؐ سے
پہلے مروں گا اکبرِ عالی جناب سے

۵۶ صدقہ علیؑ کی روح کا اکبر کو روکیے
دے کر قسم ، شبیہِ پیمبر کو روکیے
نورِ نگاہِ بانوے بے پر کو روکیے
اے آفتابِ دیں ! مہ انور کو روکیے
پہلے رضا ملے تو بہت نیک نام ہوں
آقا ! یہ شاہزادہ ہے اور میں غلام ہوں

۵۷ شہ نے کہا کہ سر تو قدم سے اٹھائیے
لیجے رضائے جنگ ، نہ آنسو بہائیے
فرقت میں ہم مریں[۳۳] کہ جئیں خیر جائیے
اپنی سکینہ جان سے جا کر مل آئیے
زوجہ کو پیٹتے ہوئے سر دیکھ لیجیے
بچّوں کو اور ایک نظر دیکھ لیجیے

۵۸ عبّاس شہ کے گرد پھرے آٹھ کے سات بار
بھائی کو گھر میں لے کے چلے شاہِ ذی وقار
بولا یہ پیکِ شاطرِ فوجِ ستم شعار
لو اذنِ جنگ پا چکے عبّاسِ نام دار
خود دیکھ کر یہ حال پھرا ہوں میں راہ سے
ملنے گئے ہیں خیمے میں ناموسِ شاہ سے

۵۹ تھے آگے آگے ہاتھوں سے تھامے کمر امام
نعرہ یہ دم بہ دم تھا کہ اب ہم ہوے تمام
تیغوں سے گھاٹ روک لو ، آیا وہ نیک نام
اب معرکہ ہے قہر کا ، اے ساکنانِ شام
دیکھو بچے رہو کہ لڑائی ہے شیر سے
چھوٹے گی مشکلوں میں ترائی دلیر سے

۶۰ دل ہل گئے سپاہ کے سنتے ہی یہ خبر
کانپے مثالِ بید جوانانِ پُر جگر
ہل چل میں اِس طرف کے پرے ہو گئے اُدھر
ساحل سے ہٹ کے نہر پکاری کہ الحذر
پیچھے ہٹیں صفیں ، یہ تلاطم عیاں ہوا
دریا جو باڑھ پر تھا ، وہ اُلٹا رواں ہوا

۶۱ ٹوٹے وہ مورچے جو بندھے تھے پئے جدال
برچھی گری زمیں پہ کسی کی ، کسی کی ڈھال
اللہ ری ہیبتِ خلفِ شیرِ ذوالجلال
کانپی زمیں ، کھڑے ہوئے روئیں تنوں کے بال
منہ زرد ہو کے رہ گیا ہر نوجوان کا
دشتِ نبرد کھیت بنا زعفران کا

۶۲ تھا شش جہت میں غل کہ یہ ہے روزِ انقلاب
اُلٹے[۳۴] گا اس زمیں کا ورق اِبنِ بوتراب
اس شیر پر نہ ہوگی کوئی فوج فتح یاب
بس اب بنائے عالمِ امکاں ہوئی خراب
حملہ غضب ہے بازوے شاہِ حجاز کا
لنگر نہ ٹوٹ جائے زمیں کے جہاز کا

۶۳ ڈر سے ہوا تھی ایک طرف ، گَرد اک طرف
بھرتے تھے خیبری بھی دمِ سرد اک طرف
سمٹے ہوئے تھے کوفے کے نامرد اک طرف
تھے روسیاہ شام کے سب زرد اک طرف
بھاگے تھے نیزہ باز لڑائی کو چھوڑ کے
ضیغم نکل گئے تھے ترائی کو چھوڑ کے

۶۴ تھی ابتری سپاہِ ضلالت شعار میں
اِس صف میں تھی وہ صف، یہ قطار اُس قطار میں
سو بار جو لڑے تھے اکیلے ہزار میں
وہ جائے امن ڈھونڈھتے تھے کارزار میں
چہرے تھے زرد خوف سے حیدر[۴] کے لال کے
نامرد منہ چھپائے تھے گھونگھٹ[۳۵] میں ڈھال کے

۶۵ سرکردہائے فوجِ مخالف تھے بے حواس
کچھ شمر کے قریب گئے، کچھ عمر[۳۶] کے پاس
سب کا یہ قول تھا کہ ہوئی زندگی سے یاس
ضربِ علی[۴] ہے، ضربِ علم دارِ حق شناس
طاقت سے ہیں بھرے ہوئے بازو دلیر کے
خیبر کشا کا زور ہے پنجے میں شیر کے

۶۶ اُس فوج میں تو ہے[۳۷] یہ تزلزل، یہ انتشار
ہتھیار اِدھر لگاتے ہیں عبّاسِ نام دار
مضطر ہیں بیبیاں، شہ والا ہیں بے قرار
بھائی کے منہ کو دیکھ کے روتے ہیں زار زار
بیٹا کھڑا ہے چاک گریباں کیے ہوے
روتی ہے سُوکھی مشک سکینہ لیے ہوے

۶۷ منہ دیکھتی ہے باپ کا جب وہ بہ چشمِ تر
کہتے ہیں یہ اشارے سے سلطانِ بحر و بر
لٹتا ہے باپ، تم کو سکینہ نہیں خبر
جانے نہ دو چچا کو، ہمیں چاہتی ہو گر
آنسو بہا بہا کے نہ پانی کا نام لو
دامن قبا کا ننّھے سے ہاتھوں سے تھام لو

۶۸ بھائی کے اضطراب سے زینب کا ہے یہ حال
ڈھلکی ہوئی ہے سر سے ردا اور کھلے ہیں بال
عبّاس سے یہ کہتی ہے رو کر بہ صد ملال
چھوڑو نہ شہ کو اے اسدِ کبریا کے لال
کیا کہتے ہو سکینہ سے منہ موڑ موڑ کے
بھیّا! کدھر چلے مرے بھائی کو چھوڑ کے

۶۹ دیکھو تو حالِ سبطِ رسولِؐ فلک اساس
بیٹے کا غم، بھتیجے کا ماتم، ہجومِ یاس
ہے کثرتِ سپاہ میں تنہا وہ حق شناس
قربان جاؤں، تم تو رہو بے وطن کے پاس
عاشق ہو دلبرِ اسدِ ذوالجلال کے
بازو قوی تمھیں سے ہیں زہرا کے لال کے

۷۰ عبّاس کہتے ہیں کہ نہ جاؤں تو کیا کروں
کیونکر نہ حق امامِ زماں کا ادا کروں
اُلٹوں صفیں، ہزاروں سے تنہا وغا کروں
یہ سر ہے اِس لیے کہ قدم پر فدا کروں
پہنچا ہے فیض سیّدِ خوش خو کے ہاتھ سے
دنیا میں کچھ تو کام ہو بازو[۳۸] کے ہاتھ سے

۷۱ رخصت طلب ہے شاہ سے اکبر سا لالہ فام
شہزادہ مرنے جائے، سلامت رہے غلام؟
للہ روکیے نہ اب اے خواہرِ امام!
وہ امر کیجیے کہ بڑھے جس سے میرا نام
بیکس ہوں، ساتھ ماں نہیں، سر پر پدر نہیں
میں آپ کا غلام تو ہوں، گو پسر نہیں

۷۲ باتیں یہ سن کے روتی ہیں زینب جھکائے سر
تھرّا رہی ہے زوجۂ عبّاسِ نام ور
چہرہ تو فق ہے، گود میں ہے چاند سا پسر
مانع ہے شرم، روتی ہے منہ پھیر پھیر کر
موقع نہ روکنے کا ہے، نہ بول سکتی ہے
حضرت کے منہ کو نرگسی آنکھوں سے تکتی ہے۔

۷۳ کہتی ہے رو کے بانوئے عالم سے بار بار
ہم کو تباہ کرتے ہیں عبّاسِ نام دار
ہے لونڈیوں کے باب میں بی بی کو اختیار
کچھ آپ بولتی نہیں اِس وقت میں نثار
کہیے جو روکنے کی کوئی ان کے راہ ہو
اب عنقریب ہے کہ مرا گھر تباہ ہو

۷۴ اکبر کا واسطہ، کوئی تدبیر کیجیے
امداد بہرِ حضرتِ شبّیر کیجیے
کچھ دل کو ہو قرار، وہ تدبیر کیجیے
پٹکا وہ باندھتے ہیں، نہ تاخیر کیجیے
اک دل ہے میرا اور کئی غم کے تیر ہیں
بی بی! میں کیا کروں مرے بچّے صغیر ہیں

۷۵ عبّاس دیکھتے ہیں جو زوجہ کا اضطرار
ہوتا ہے تیرِ غم جگرِ ناتواں کے پار
روتے ہیں خود، مگر یہ اشارہ ہے بار بار
شوہر کے غم میں، یوں کوئی ہوتا ہے بے قرار!
آؤ ادب سے دلبرِ زہرا[۴] کے سامنے
روتی ہیں لونڈیاں کہیں آقا کے سامنے؟

۷۶ کھولا ہے گوندھے بالوں کو ، صاحب یہ کیا کیا ؟
پیٹو نہ سر کو ، روتا ہے فرزندِ مہ لقا
خیرالنسا کے لال پہ ہوتے ہیں ہم فدا
شادی کا ہے مقام کہ ماتم کی ہے یہ جا !
ایذا میں صبر صاحبِ ہمت کا کام ہے
میری بھی آبرو ہے ، تمھارا بھی نام ہے

۷۷ لو پوچھ ڈالو آنسوؤں کو بہرِ ذوالجلال
دیکھو ، زیادہ رونے سے ہوگا ہمیں ملال
میری مفارقت کا نہ کیجو کبھی خیال
قائم تمھارے سر پہ رہے فاطمہؑ کا لال
غم چاہیے نہ آہ و بُکا چاہیے تمھیں
شہ کی سلامتی کی دعا چاہیے تمھیں

۷۸ صدقے ہیں ابنِ فاطمہؑ پر مجھ سے سو غلام
دیکھو ، نہ روتے دیکھ لیں تم کو کہیں امام
کیا اشکِ خوں بہا کے بگاڑو گی میرا کام ؟
ہم ہاتھ جوڑتے ہیں ، یہ ہے صبر کا مقام
پوچھیں حضور گر کہ تمھیں کیا قبول ہے
صاحب ! یہ کہیو تم کہ رنڈاپا قبول ہے

۷۹ دیکھو کہ گھر میں اور بھی رانڈیں ہیں تین چار
آدابِ شہ سے چپ ہیں ، نہیں کوئی بے قرار
رہ جائے بات ، کرتے ہیں وہ امر ہوشیار
دنیا ہے بے ثبات ، زمانہ ہے بے مدار
کیا کیا[۲۹] نہ تفرقے ہوئے ایک ایک آن میں
صاحب ! سدا کوئی بھی جیا ہے جہان میں ؟

۸۰ قاسم کو دیکھو، جانب کبُریٰ[ع] کرو نگاہ
گزری جو شب تو صبح کو گھر ہو گیا تباہ
دشمن کو بھی دکھائے نہ اللہ ایسا بیاہ
کیا صابرہ ہے دخترِ شبّیر، واہ واہ!
سہتے ہیں یوں جہاں میں جفا رانڈ ہونے کی
آواز بھی بھلا کوئی سنتا ہے رونے کی؟

۸۱ آفت میں صبر کرتی ہیں اس طرح بیبیاں
ہوتا ہے صابروں کا مصیبت میں امتحاں
جل جائے دل مگر نہ اٹھے آہ کا دھؤاں
اُف کیجیو نہ منہ سے جو پہنچے لبوں پہ جاں
چرچا رہے کہ وقت پہ کیا کام کر گئی
چھوٹی بہو علی[ع] کا بڑا نام کر گئی

۸۲ شوہر نے یہ کلام کیے جب بہ چشمِ تر
چُپ ہو گئی وہ صاحبِ ہمّت جھکا کے سر
ہتھیار سج کے حضرتِ عبّاسِ نام ور
آئے قریبِ لختِ دلِ سیّدالبشر
صدمے سے رنگِ سبطِ نبی زرد ہو گیا
کانپے یہ دست و پا کہ بدن سرد ہو گیا

۸۳ جوں جوں قریب آتے تھے عبّاسِ نام ور
بیتاب تھے حسین[ع] سنبھالے ہوئے جگر
کہتے تھے اضطراب میں جھک کر اِدھر اُدھر[ع]
جینے نہ دے گا آہ! ہمیں صدمۂ کمر
ہے زیست تلخ، فاطمہ[ع] کے نورِ عین کو
زینب! کہاں ہو، آ کے سنبھالو حسین[ع] کو

۸۴ سب گھر کی بیبیوں سے کہو میرے پاس آئیں
بانو کہاں ہیں ؟ زوجۂ عبّاس کو بلائیں
گودی میں تشنہ کام سکینہ کو جلد لائیں
کوچ اب جہاں سے ہے ہمیں سب آکے دیکھ جائیں
یہ نوجواں سنبھالے گا گھر ، جب مروں گا میں
عبّاس سے ہر اک کی سفارش کروں گا میں

۸۵ یہ سن کے ، ساری بیبیاں آئیں بحالِ زار
بولے قدم پہ جھک کے یہ عبّاسِ نام دار
اے آفتابِ عالمیاں[۴۲] ، نورِ کردگار
"ھَل مِن مُبارِز[۴۳]" کا اُدھر غل ہے بار بار
ہیں ذرہ پروری کے چلن آفتاب میں
آقا ! یہ دیر کس لیے خادم کے باب میں !

۸۶ لڑکوں نے معرکے میں کیے اپنے اپنے نام
کیا میں غلامِ خاص نہیں یا شہِ انام[۴۴]
ایسا دن اور بھی کوئی ہوئے گا یا امام ؟
کس کام کا جو آج نہ کام آئے یہ غلام
مشکل ہے ایسے وقت میں رکنا دلیر کا
آخر پسر ہوں شیرِ الٰہی سے شیر کا

۸۷ ہوتا جو سب سے پہلے فدا خادمِ جناب
خوش ہوتی خاکسار سے روحِ ابو تراب
اب ہوں ہر اک کے آگے خجالت سے آب آب
زہرا سے بھی حجاب ہے ، شبّر[۴۵] سے بھی حجاب
اب بھی نہ تیغ و تیر اگر تن پہ کھاؤں گا
مولا ! بتائیے کسے پھر منہ دکھاؤں گا ؟

۸۸ ساتھ آپ کے سہوں گا نہ گر قتل کی جفا
مجھ سے رسولِ پاکؐ خوشی ہوں گے یا خفا ؟
بیزار کیا نہ ہوگا دلِ شاہِ لا فتا[۴۶] ؟
پھر فاطمہؑ کہیں گی مجھے صاحبِ وفا ؟
مرنے کا حظ، نہ جینے کا مطلق مزا رہا
انساں کی آبرو نہ رہی جب تو کیا رہا ؟

۸۹ پالا ہے مجھ کو یا شہِ دلگیر آپ نے
کی ہے ہمیشہ پیار سے تقریر آپ نے
بندھوائی ہے کمر سے یہ شمشیر آپ نے
بخشی ہے سب میں[۴۷] عزت و توقیر آپ نے
وقتِ مدد ہے آج بھی امداد کیجیے
بندہ سمجھ کے، اب مجھے آزاد کیجیے

۹۰ گردن ہلا کے شہ نے کہا، آہ کیا کروں
مشکل ہے سخت، اے مرے اللہ! کیا کروں
جینے نہ دے گا یہ غمِ جاں کاہ، کیا کروں
چھٹتا ہے اب برادرِ ذی جاہ، کیا کروں
دم بھر کی زندگی مجھے دشوار ہو گئی
سب تو خفا تھے، موت بھی بیزار ہو گئی

۹۱ غازی نے رکھ دیا قدمِ شاہِ دیں پہ سر
بولے گلے لگا کے شہنشاہِ بحر و بر
اے تن کی جان! اے سببِ قوتِ جگر!
یوں ہے خوشی تو خیر، جہاں سے کرو سفر
بھائی نہ ہو تو بھائی کی مٹی خراب ہے
اچھا تمھارا کوچ مرا پا تراب[۴۸] ہے

۹۲ روتا ہوا جھکا پئے تسلیم وہ جری
سب روئے ، مشک[۴۹] دوشِ مبارک پہ جب دھری
اک آہِ سرد زوجۂ عبّاس نے بھری
صدمے سے رنگ زرد تھا اور تن میں تھرتھری
سر سے ردا بھی دوش تلک آ کے گر پڑی
بانو کے پاس خاک پہ غش کھا کے گر پڑی

۹۳ نکلا وہ شیر خیمے سے باہر علم لیے
مُجرے کو آئی فتح ، سپاہِ حشم لیے
جرأت نے بڑھ کے بوسۂ تیغِ دو دم لیے
نصرت نے چومے ہاتھ ، ظفر نے قدم لیے
خورشید کا جلال نگاہوں سے گر گیا
اقبال سر کے گرد ہُما بن کے پھر گیا

۹۴ آیا سجا ہوا وہ سمندِ براق سیر
تھا جو فلک پہ اڑنے کو تیّار مثلِ طیر
ہوتا تھا اس کے ڈر سے غزالوں کا حال غیر
رن میں سپاہِ شر آسے روکے تو یہ بخیر
صرصر قدم کی گرد کو پاتی نہیں کبھی
ڈھونڈھیں بشر پری نظر آتی نہیں کبھی

۹۵ وہ زیب و زینِ زین کی ، وہ ساز کی پھبن
زیور سے جیسے ہوتی ہے آراستہ دُلھن
چشمِ سیاہ دیدۂ آہو پہ طعنہ زن
سرعت یہ تھی کہ بھولتے تھے چوکڑی ہرن
جادو تھا ، معجزہ تھا ، پری تھا ، طلسم تھ
پاکھر[۵۰] نہ تھی ، زرہ میں تہمتن[۱] کا جسم تھا

۹۶ رکھا قدم رکاب میں حیدر[۴] کے لال نے
نعلینِ پا کو فخر سے چوما ہلال نے
بخشی جو صدرِ زیں کو ضیا خوش جمال نے
دُم کو چنور کیا فرسِ بے مثال نے
کس ناز سے وہ رشکِ غزالِ ختن چلا
طاؤس تھا کہ سیر کو سوے چمن چلا

۹۷ خوشبو سے ارضِ پاک ریاضِ جناں بنی
گرد آڑ کے غازۂ رخِ لیلی وشاں بنی
جلوے سے راہ دشتِ بلا کہکشاں بنی
ذرے بنے نجوم ، زمیں آسماں بنی
سُم بدر تھے تو نعل بھی چاروں ہلال تھے
نقشِ سُمِ فرس سے ہزاروں ہلال تھے

۹۸ وہ دبدبہ ، وہ سطوتِ شاہانہ ، وہ شباب
تھرا رہا تھا جس کی جلالت سے آفتاب
وہ رعبِ حق کہ شیر کا زہرہ ہو آب آب
صولت میں فرد دفترِ جرأت میں انتخاب
تیور[۱۰] میں سارے طور خدا کے ولی کے ہیں
شوکت پکارتی ہے کہ بیٹے علی کے ہیں

(۷)

۹۹ پہنچے جو دشتِ کیں میں اڑاتے ہوئے فرس
گھوڑے کو ہاتھ اٹھا کے یہ آواز دی کہ بس
دیکھیں صفیں جمی جو چپ و راس و پیش و پس
نعرہ کیا کہ نہر پہ جانے کی ہے ہوس
روکے گا جو وہ موت کے پنجے میں آئے گا
ہٹ جاؤ سب کہ شیر ترائی میں جائے گا

۱۰۰ ²بولے یہ بڑھ کے فوجِ مخالف سے پہلوان
دیکھا نہیں کبھی کہ ہٹے لشکرِ گراں
یاں سب ہیں روم و شام کے جنگ آزما جواں
ہاں ، آئیے تو کھینچ کے تیغِ شرر فشاں
بودے نہیں ہیں کچھ جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
سر پھینک دیں گے نہر میں خنجر سے کاٹ کے

۱۰۱ ³سنتے ہی یہ جلال میں آیا علی[۴] کا شیر
نعرہ کیا کہ تم ہمیں روکو گے ؟ کیا مجال !
یہ مورچے ہیں کیا ہمیں جن کا ہو کچھ خیال
اک دم میں چیونٹیوں کی طرح ہوں گے پائمال
بھاگو گے پھینک پھینک کے تیغیں لڑائی سے
لو مرد ہو تو اب نہ سرکنا ترائی سے

۱۰۲ روکے ہمیں نکل کے جو طاقت کسی میں ہو
لے تیغ میان سے جو شجاعت کسی میں ہو
گرمائے رخش کو جو حرارت کسی میں ہو
آئے جو حرب و ضرب کی قدرت کسی میں ہو
دو ہاتھ میں علی کے پسر وار پار ہیں
دریا نہیں کہ رک گیا ، ہم ذوالفقار ہیں

۱۰۳ تم کیا ، پہاڑ بیچ میں گر ہو تو ٹال دیں
شیروں کو ہم ترائی سے باہر نکال دیں
مہلت نہ ایک کو دم جنگ و جدال دیں
پانی تو کیا ہے ، آگ میں گھوڑے کو ڈال دیں
منہ دیکھتے رہیں جو نگہباں ہیں گھاٹ کے
لے جائیں گھر پہ تیغ سے دریا کو کاٹ کے

۱۰۴ سرکش ہیں سب ہماری زبردستیوں سے زیر
دادا شجاع ، باپ اُلوالعزم ، ہم دلیر
جب رن پڑا ہے کر دیے ہیں زخمیوں کے ڈھیر
لائے ہیں جا کے آگ سے پانی خدا کے شیر
عفریت بھاگتے ہیں وہ چوٹیں ہماری ہیں
بیرالعلم[۵۴] میں کود کے تلواریں ماری ہیں

۱۰۵ جُرأت جلو میں رہتی ہے نُصرت رکاب میں
لیتے ہیں گھاٹ پیر کے تیغوں کے آب میں
لکھے ہوے ہیں شیروں کے حملے کتاب میں
فصلیں ہیں اپنے زور کی خیبر کے باب میں
ناصر ہیں بادشاہِ فلک بارگاہ کے
دفتر اُلٹ دیے ہیں عرب کی سپاہ کے

۱۰٦ بے مشک کے بھرے ہمیں آتا ہے چین کب
گرمی میں پیاس سے کئی بچے ہیں جاں بلب
اصغر کو گودیوں میں تڑپتے کٹی ہے شب
کیا وقت ہے حُسین کے بچوں پہ ، ہے غضب !
لالے پڑے ہوئے ہیں سکینہ کی جان کے
کانٹے مجھے دکھائے تھے سوکھی زبان کے

۱۰۷ عبرت کی یہ جگہ ہے کہ ہم اور سوالِ آب
سقا[۵۵] بنے ہیں ، دیکھ کے بچوں کا اضطراب
اس مشک نے کیا ہمیں عُقبیٰ میں کامیاب
اللہ ری آبرو کہ بہشتی ملا خطاب
شہ سے نشانِ فوجِ پیمبر بھی مل گیا
طوبیٰ[۵٦] کے ساتھ چشمۂ کوثر بھی مل گیا

۱۰۸
یہ ذکر تھا کہ فوج کی جانب سے تیر آئے
نیزے اُٹھا کے شیر کے منہ پر شریر آئے
یہ بھی جھپٹ کے مثل شہِ قلعہ گیر آئے
گیتی ہلی ، غضب میں جنابِ امیر آئے
گھوڑا اڑا[۵۷] پروں کو سواروں کے توڑ کے
لپکی صفوں پہ سیف بھی کاٹھی[۵۸] کو چھوڑ کے

۱۰۹
آمد تھی تیغ کی کہ اجل کا پیام تھا
یہ صف اخیر تھی ، وہ رسالہ تمام تھا
بجلی سا ہر جگہ فرسِ تیز گام تھا
ششدر تھی موت ، چار طرف قتلِ عام تھا
اِس غول پر کبھی تھی ، کبھی اُس قطار پر
پڑتا تھا ایک تیغ کا سایہ ہزار پر

۱۱۰
وہ تیغ کی چمک ، وہ تڑپ راہوار کی
رفرف[۵۹] کی اک شبیہ تو اک ذوالفقار کی
شوکت سوار میں شہِ دُلدل[۶۰] سوار کی
حملوں میں شان سب اسدِ کردگار کی
چتون وہی ، غضب وہی ، بیباکیاں وہی
پُھرتی وہی ، جھپٹ وہی ، چالاکیاں وہی

۱۱۱
توڑا یہ مورچہ ، وہ صف اُلٹی ، اُدھر پھرے
تلوار خوں میں ، آپ پسینے میں تر پھرے
یوں خاک پر گرا کے لعینوں کے سر ، پھرے
جیسے شکار کھیلے ہوئے شیرِ نر پھرے
تھی قہر کی نگاہ ، غضب کا جلال تھا
آنکھیں بھی سرخ سرخ تھیں ، چہرہ بھی لال تھا

۱۱۲ منہ پھر گیا[۶۱] سپاہ کا رخ جس طرف کیا
یاں آئے ، واں گئے ، اُسے مارا ، اِسے لیا
باقی[۶۲] رہے ہزار میں دس ، سو میں اِک جیا
اللہ رے دم ، لہو پہ لہو تیغ نے پیا
اِس پر بھی تشنگی میں نہ تسکیں ذری ہوئی
گویا تھی آگ پیٹ میں اُس کے بھری ہوئی

۱۱۳ بے شک تھا ان کا ہاتھ امیرِ عرب کا ہاتھ
پہنچا وغا میں سو طرف اک تشنہ لب کا ہاتھ
آئی اجل ، اٹھا جو کسی بے ادب کا ہاتھ
شیرِ خدا کے شیر نے مارا غضب کا ہاتھ
بازو پہ آئی تیغ دو دم شانہ کاٹ کے
پہنچے کو بھی قلم کیا دستانہ کاٹ کے

۱۱۴ چلتا تھا مثل برق یمین و یسار ہاتھ
ڈر ڈر کے جوڑتے تھے ضلالت شعار ہاتھ
اِن[۶۳] کی نہ ایک ضرب ، نہ اُن کے ہزار ہاتھ
کافی تھے سب کو تیغِ دو دستی کے چار ہاتھ
آواز شش جہت میں "بگیر و بزن" کی تھی
اللہ کا کرم تھا ، مدد پنجتن کی تھی

۱۱۵ نعرہ جدا صدائے بگیر و بِدہ جدا
گوشے کہاں سے دور تو گوشوں سے زہ جدا
بکتر جدا زمین پہ ٹکڑے زرہ جدا
نیزوں کو دیکھیے تو گرہ سے گرہ جدا
اللہ رے فرق گردن و سر بھی بہم نہ تھے
کشتوں کا ذکر کیا ہے کہ تیغوں میں دم نہ تھے

۱۱٦ جس کی طرف نظر دمِ جنگ و جدل پھری
کچھ ہٹ کے تیغ سے اسی جانب اجل پھری
رہوار یوں پھرا کہ اشارے میں کل[٦۴] پھری
تلوار بھی گلوں کی طرف بر محل پھری
ایسے جری سے کس کو مجالِ مصاف[٦٥] تھی
یوں پھر کے صف کی صف کو جو دیکھا تو صاف تھی

۱۱۷ چل پھر کے کاٹتی تھی وہ تلوار ہاتھ پاؤں
ڈر سے بڑھا نہ سکتے تھے خونخوار ہاتھ پاؤں
سر بچ گیا تو ہو گئے بیکار ہاتھ پاؤں
چمکی ، گری تو آٹھ ہوئے چار ہاتھ پاؤں
روحیں پکاریں ، تیغ پھر آئی نکل چلو
بولی اجل ، اب آٹھ کے تو پنجوں کے بل چلو

۱۱۸ نیزے آدھر قلم تو اِدھر برچھیاں قلم
ترکش دو نیم ، ٹکڑے کمانیں ، نشاں قلم
ہر ہاتھ میں قلم کی طرح استخواں قلم
منہ تیغ کا خراب ، سناں کی زباں قلم
جب تن سے آئی سر پہ کسی بد خصال کے
گویا سموم چل گئی پھولوں پہ ڈھال کے

۱۱۹ کی جس نے سرکشی ، وہیں فتنہ فرو ہوا
ظالم ہزار میں تھا جو یکتا ، وہ دو ہوا
افشاں لہو سے شیر کا دستِ نکو ہوا
ٹھنڈا وہی تھا جنگ میں سرگرم جو ہوا
تھا خاتمہ سپاہِ جہنم مقام کا
شعلے بجھائے دیتا تھا پانی حسام کا

۱۲۰ وہ تیغ کھول دیتی تھی لوہے کا بھی حصار
تھا اس کے ہاتھ سے دلِ چارآئنہ فگار
آری تھیں[۶۶] منہ پہ تیغوں کے ایسے پڑے تھے وار
خود[۶۷] اپنے سر پٹکتے تھے گر گر کے بار بار
پانی وہ زہر تھا کہ پیا اور فنا ہوا
ہے آج تک زرہ کا کلیجا چھنا ہوا

۱۲۱ جاتی[۶۸] تھی ہر پرے کی طرف سَن سے بار بار
چڑھ کر سوار گرتے تھے توسن سے بار بار
اٹھتی تھی الاماں کی صدا رن سے بار بار
ہر سر کا بار اترتا تھا گردن سے بار بار
غارت ہوئے ، تباہ ہوئے ، بے تزک ہوئے
ضرب گراں جو اٹھ نہ سکی ، کیا سبک ہوئے

۱۲۲ ثابت رہی نہَ ڈھال ، نہ مغفر ، نہ سر بچا
سینے میں دل کو کاٹ گئیَ ، گر جگر بچا
دو ٹکڑے ہو گیا وہ ادھر جو اِدھر بچا
بے زخم کھائے ایک نہ بیدادگر بچا
تلوار سے کوئی ، کوئی ڈر سے ہلاک تھا
سالم تھا جس کا جسم ، جگر اس کا چاک تھا

۱۲۳ سر سے کمر میں تھی تو کمر سے تہہ فرس
آفت کا منہ تھا ، قہر کا دم خم ، ستم کاَ کس
کشتے تڑپ رہے تھے چپ و راس و پیش و پس
دو تھے اگر تو چار ہوئے ، پانچ تھے تو دس
ُغل تھا ، وہی لڑے جسے سر تن پہ بار ہو
آفت بپا ہے ، کون اجل سے دو چار ہو

۱۲۴ غل تھا شرارتوں سے اس آتش زبان کی
پریاں پکارتی تھیں کہ ہو خیر[۶۹] جان کی
دنیا میں شعلہ بار ہے آگ اس جہان کی
بدلی ہوئی ہے آج ہوا آسمان کی
بجلی خجل ہے ، ناز یہ اس شعلہ خو کے ہیں
بوچھار ہے سروں کی ، دڑیڑے[۷۰] لہو کے ہیں

۱۲۵ جب بڑھ کے سن سے صورتِ تیغِ علی چلی
ثابت ہوا کہ ضربتِ دستِ ولی چلی
دل پر خفی چلی تو گلوں پر جلی چلی
تن سے نکل کے روح پکاری ''چلی چلی''
دی تیغ نے صدا کہ ارادہ کدھر کا ہے ؟
چلّائی موت ، چل یہی رستہ سقر کا ہے

۱۲۶ خشکی میں تھی جو آب تو آتش تری میں تھی
ہم نامِ ذوالفقار علی صفدری میں تھی
تلوار تھی کہ برق لباسِ پری میں تھی
بے باک اس لیے تھی کہ دستِ جری میں تھی
خوں بھی اسے حلال ، دیت[۷۱] بھی معاف تھی
کاٹا تھا سو گلوں کو مگر پاک صاف تھی

۱۲۷ سارے رسالہ دار تباہی میں پڑ گئے
اب منہ کسے دکھائیں کہ چہرے بگڑ گئے
نامی جو تھے جواں ، قدم اُن کے اُکھڑ گئے
بھاگے جو سب ، نشاں بھی خجالت سے گڑ گئے
علموں کے پاس ڈھیر پھریروں کے رن میں تھے
ریتی پہ بیرقیں تھیں کہ مُردے کفن میں تھے

۱۲۸ پہنے ہوئے تھے جسم میں زرہیں جو چست چست
چوٹیں کڑی پڑیں تو ہوئے وہ بھی سخت سست
خوفِ اجل سے بھول گئے وعدۂ نخست
ٹوٹی صفوں میں ہوش کسی کے نہ تھے درست
اک شور تھا کہ جان گئی اس لڑائی میں
گھوڑے بھگاؤ ، آگ لگی ہے ترائی میں

۱۲۹ مغفر نہ سر کے پاس ، نہ خنجر کمر کے پاس
بیٹے کے پاس باپ ، نہ بیٹا پدر کے پاس
قبضے کے پاس تیغ ، نہ دستہ تبر کے پاس
کڑیاں زرہ کے پاس ، نہ دامن سپر کے پاس
بوڑی[۷۲] سناں پر تھی ، نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھا ، نہ چلّہ کماں پر

۱۳۰ نہ وہ عَلم سیاہ ، نہ وہ رُوسیاہ تھے
تیغ و سپر بھی پاس نہ تھی ، بے پناہ[۷۳] تھے
بے سر تھے وہ جو فوج میں صاحب کلاہ تھے
سب چھاؤنی اجاڑ ، محلّے تباہ تھے
دکھلا دیا تھا خالقِ عادل کے قہر کو
گویا غنیم لوٹتا پھرتا تھا شہر کو

۱۳۱ بولی سپر سے تیغ کہ تجھ میں پناہ ہے
اس نے کہا کہ بھاگ زمانہ سیاہ ہے
ہر جا پہ برقِ شعلہ فشاں سدّ راہ ہے
اِس معرکے میں کوہ بھی گر ہو تو کاہ ہے
جنّات ڈر کے ہاتھوں سے منہ ڈھانپتے ہیں آج
مَیں کیا ہوں ، جبرئیل کے پر کانپتے ہیں آج

۱۳۲ ڈر ڈر کے پچھلے پاؤں سپاہِ لعیں ہٹی
یہ صف سوئے یسار[۷۴] ، وہ سوئے یمیں ہٹی
سرکے جبال ، نہر کہیں سے کہیں ہٹی
دہشت سے آسماں ہوا اونچا ، زمیں ہٹی
بھاگڑ پڑی کہ ایک سے ایک آگے بڑھ گیا
دریا لہو کا کشتیِ گردوں پر چڑھ گیا

۱۳۳ اللہ ری جنگِ شیرِ نیستانِ[۷۵] کربلا
چیونٹی بھی مورچوں[۷۶] میں نہ تھی ، آدمی تو کیا
پہنچے جو گھاٹ پر تو یہ اعدا کو دی صدا
کیوں اب یہ نہر کس کی ہے اے قومِ اشقیا ؟
اک آن میں شکست ہزاروں کو دیتے ہیں
دیکھو ! اسد ترائی کو یوں چھین لیتے ہیں

۱۳۴ رستے کھلے ہوئے ہیں کدھر[۷۷] ہے وہ بندوبست ؟ !
کس نے یہ روم و شام کی فوجوں کو دی شکست؟
کیا ہو گئے ترائی سے ، وہ سب ہوا پرست
کیوں ؟ سربلند کون ہے اب اور کون پست ؟
فوجوں میں یوں کسی نے بھی گھوڑے اڑائے ہیں؟
دیکھو تو ہم کہاں سے کہاں لڑتے[۷۸] آئے ہیں

۱۳۵ دُنیا جو اک طرف ہو تو ہم پر ظفر نہ پائے
فاقوں میں شیر بھی ہو مقابل تو منہ کی کھائے
کس دبدبے سے جوہرِ تیغِ علیؑ دکھائے
اب کچھ الم نہیں ، اجل آئے کہ جان جائے
بس ہم نے گھاٹ چھین لیا ، مشک بھر چکے
شیروں نے جو زباں سے کہا تھا وہ کر چکے

۱۳۶ لب تشنہ تین دن سے ہیں اور ہے فرات پاس
چاہیں ابھی تو ہاتھ بڑھا کر بجھا لیں پیاس
پر زہر ہے بغیرِ شہِ آسماں اساس
مرتے ہیں آبرو پہ غلامانِ حق شناس
آقا کی تشنگی پہ جگر چاک چاک ہے
بے اُن کے آبِ خضر بھی گر ہو تو خاک ہے

۱۳۷ فرما کے یہ، سمند کو ڈالا فرات میں
گویا خضر اُتر گئے آبِ حیات میں
دریا دل ایسا کون ہوا کائنات میں
تسمہ پکڑ کے مشک بھری ایک ہات میں
سیراب جب تلک کہ شہِ بحر و بر نہ ہوں
منظور تھا کہ ہاتھ بھی پانی سے تر نہ ہوں

۱۳۸ گرمی میں تشنگی سے کلیجہ تھا آب آب
تڑپا رہا تھا قلب کو موجوں کا پیچ و تاب
آ جاتے تھے قریب جو ساغر بکف حباب
کہتا تھا منہ کو پھیر کے وہ آسماں جناب
عبّاس! آبرو میں تری فرق آئے گا
پانی پیا تو نامِ وفا ڈوب جائے گا

۱۳۹ دریا سے مشک بھر کے جو نکلا وہ تشنہ کام
اُمڈی سیہ گھٹا کی طرح سب سپاہِ شام
یوں ڈوب کر نکلتا تھا وہ آسماں مقام
ظاہر ہو جیسے ابر میں چھپ کر مہِ تمام
موجیں تھیں رودِ نیل کی، فوجوں کا دل نہ تھا
پر واہ رے حواس کہ ابرو پہ بل نہ تھا

۱۴۰ چلتی تھی بڑھ کے چار طرف تیغِ برق دم
کاندھے پہ مشکِ آب تھی ، پنجے میں تھا عَلم
دامن سے لگ کے ہاتھ الجھتا تھا دم بدم
کرتا تھا جا بجا تگ و دو اسپِ خوش قدم
اڑ اڑ کے برچھیوں جو اترتا تھا کھیت میں
گھوڑے کے چاروں پاؤں در آتے تھے ریت میں

۱۴۱ جب مُشک کی طرف کوئی آتا تھا سن سے تیر
کہتے تھے یا حفیظ کبھی ، گاہ یا قدیر
چِلّا رہا تھا شمرِ جفا پیشہ و شریر
جانے نہ پائے لختِ دلِ شاہِ قلعہ گیر
رخ اس جری کا خیمے کی جانب سے موڑ دو
ہاں برچھیوں سے شیر کے سینے کو توڑ دو

۱۴۲ سن کر زباں درازیِ شمرِ ستم شعار
عبّاس مثلِ شیر جھپٹتے تھے بار بار
تلواریں سینکڑوں تھیں ، ہزاروں تھے نیزہ دار
توڑی یہ صف اگر تو جمی دوسری قطار
تنہا سنبھالے مُشک و عَلم یا وغا کرے
بلوہ ہو ساری فوج کا جس پر وہ کیا کرے

۱۴۳ مشہور ہے کہ ایک پہ بھاری ہیں دو بشر
درپے تھے اک جواں کے لیے لاکھ اہلِ شر
کھائے اِدھر سے زخم جو کی اُس طرف نظر
کس کس کا وار رد کریں ، دیکھیں کدھر کدھر
جب دم لیا تو سینے پہ سو تیر چل گئے
پہلو کو توڑ توڑ کے نیزے نکل گئے

۱۴۴

سینہ سپر تھا مشک پہ ، روکے ہوئے تھے ڈھال
لڑنے میں بھی حسینؑ کے بچّوں کا تھا خیال
کہتا تھا ڈگمگا کے فرس پر وہ خوش خصال
فرزند کو سنبھالیے یا شیر ذوالجلال
جا پہنچوں مشک لے کے جو تھوڑی سی راہ ہو
ایسا نہ ہو کہ پیاسوں کی کشتی تباہ ہو

۱۴۵

یہ کہتے تھے کہ ٹوٹ پڑا لشکر کثیر
بس چور ہو گیا پسرِ شاہِ قلعہ گیر
آ کر لگا میانِ دو ابرو جو ایک تیر
تیورا گیا علیؑ ولی کا مہِ منیر
چھوٹی جو باگ پاؤں فرس کے بھی رک گئے
پھیلا کے ہاتھ مشک سکینہ پہ جھک گئے

۱۴۶

اب یاں تو خاتمہ ہے ، سنو اُس طرف کا حال
ڈیوڑھی پہ ننگے سر ہے رسولؐ خدا کا لال
غم سے کمر جھکی ہوئی ، رخ زرد ، جی نڈھال
یہ کرب ہے کہ ہوتا ہے جو وقتِ انتقال
گر کر اُٹھے ، تڑپ کے اِدھر سے اُدھر گئے
جب آہ کی تو سب نے یہ جانا کہ مر گئے

۱۴۷

فریاد کرکے دل کبھی تھاما ، جگر کبھی
پکڑی طناب خیمہ کبھی ، اور کمر کبھی
گھبرا کے پیارے بھائی کی پوچھی خبر کبھی
روئے پسر کے دوش پہ رکھ رکھ کے سر کبھی
کی آہ سامنے کبھی زہراؑ کی جائی کے
رو کر کبھی لپٹ گئے بیٹے سے بھائی کے

۱۴۸ فرماتے تھے کراہ کے بیٹے سے بار بار
شانے دباؤ اے علی اکبر ، پدر نثار
کیسا یہ درد ہے کہ جگر کو نہیں قرار
بازو کا زور لے گئے عبّاسِ نام دار
وا حسرتا ! کہ بے کس و بے یار ہو گئے
سر پیٹیں کس سے ، ہاتھ تو بیکار ہو گئے

۱۴۹ چلّاتے تھے کہ جانِ برادر بس اب پھر آؤ
پہنچا ہے دم لبوں پہ ، ہمیں آ کے دیکھ جاؤ
بھیّا ! خدا کے واسطے اب برچھیاں نہ کھاؤ
عبّاس ! ہم اخیر ہیں ، تشریف جلد لاؤ
پیاری تمھاری ننّھے سے ہاتھوں کو ملتی ہے
لو تم کو ڈھونڈھنے کو سکینہ نکلتی ہے

۱۵۰ حضرت تو پیٹتے ہیں یہ کہہ کر بصد ملال
خیمے میں غش ہے زوجۂ عبّاسِ خوش خصال
ڈیوڑھی پہ اہلِ بیت ہیں سب کھولے سر کے بال
پردے سے منہ نکالے ہیں اطفالِ خورد سال
لب اُن کے اودے اودے ہیں ، منہ گورے گورے ہیں
آنکھوں میں اشک ، ہاتھوں میں خالی کٹورے ہیں

۱۵۱ کہتے ہیں سب لبوں پہ زبانوں کو پھیر کر
اب پانی لے کے آتے ہیں عبّاس نام ور
حضرت سے پوچھتی ہے سکینہ بہ چشمِ تر
میرے چچا کب آئیں گے یا شاہِ بحر و بر ؟
کیا میں سفر کروں گی جہاں سے تب آئیں گے ؟
فرماتے ہیں حسین کہ بی بی ! اب آئیں گے

١٥٢
گھیرے ہیں اُن کو لاکھ ستم گار ، ہائے ہائے
مانگو دعا کہ بھائی کو میرے خدا بچائے
وہ کہتی ہے مَیں پانی سے گزری ، نہ مَشک آئے
ہے ہے بس اب چچا کو مرے کوئی پھیر لائے
رکھتے خدا جہاں میں علیؑ کی نشانی کو
میں کیا کروں گی ، آگ لگے ایسے پانی کو

١٥٣
یہ ذکر تھا کہ فتح کے باجے بجے اُدھر
تڑپے زمیں پہ گر کے شہنشاہِ بحر و بر
چِلّائے بڑھ کے فوج سے دو چار اہلِ شر
حضرت کہاں ہیں ، مر گئے عبّاسِ نام ور
کیا کیا چلی ہیں تیغوں پہ تیغیں لڑائی میں
وہ زخم کھائے شیر پڑا ہے ترائی میں

١٥٤
افشاں ہے سر کے خون کے چھینٹوں سے سب نشان
عبّاس کانپ جاتے تھے ، جھکتا تھا جب نشان
نام اوروں نے آج مٹایا عجب نشان
کیوں اے حسین ، کون اٹھائے گا اب نشان ؟
لاش ان کی پائمال ہوئی ، زخم پھٹ گئے
جن میں علیؑ کا زور تھا ، وہ ہاتھ کٹ گئے

١٥٥
آئی صدا یہ نہر کی جانب سے ایک بار
آقا ! تمام ہوتا ہے یہ عبدِ جاں نثار
تن سے نکل کے آنکھوں میں اٹکی ہے جانِ زار
اب ہے فقط حضور کے آنے کا انتظار
بابا کے ساتھ خلد سے تشریف لائی ہیں
حضرت کی والدہ٨٠ مرے لینے کو آئی ہیں

۱۵۶
شہ دوڑ کر پکارے کہ آتا ہوں بھائی جان !
گھر لٹ گیا ہے ، خاک اُڑاتا ہوں بھائی جان !
طاقت بدن میں اب نہیں پاتا ہوں بھائی جان !
اِک اِک قدم پہ ٹھوکریں کھاتا ہوں بھائی جان !
دستِ شکستہ بیٹے کی گردن میں ڈالے ہیں
بھیّا ! ہمیں تو اکبرِ مہ رو سنبھالے ہیں

۱۵۷
دیکھا جو در سے بنتِ علیؑ نے یہ شہ کا حال
ڈیوڑھی سے نکلی چند قدم ، کھولے سر کے بال
چلّائی کون قتل ہوا اے علیؑ کے لال ؟
مُڑ کر کہا حسینؑ نے ، عبّاسِ خوش خصال
دریا پہ فوجِ شام نے مارا دلیر کو
زینب ! اجل نے چھین لیا میرے شیر کو

۱۵۸
خورشیدِ مشرقین زمانے سے اُٹھ گیا
سیّد کا نورِ عین زمانے سے اُٹھ گیا
وہ عاشقِ حسینؑ زمانے سے اُٹھ گیا
زینب ! ہمارا چین زمانے سے اُٹھ گیا
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو
دریا پہ رونے جاتے ہیں خدمت گزار کو

۱۵۹
اکبر کو ہاتھ اُٹھا کے پکاری وہ سوگوار
ہے ہے حسینؑ ہو گئے بے یار و غم گسار
ماتم جوان بھائی کا ہے ، تم پہ میں نثار
اکبر ! خدا کے واسطے بابا سے ہوشیار
گرنے لگیں تو حیدرِ صفدرؑ کا نام لو
بیٹا ! پدر کے ہاتھ کو مضبوط تھام لو

۱۶۰ اکبر پدر کو تھامے ہوئے نہر پر جو لائے
غلطاں لہو میں بازوے سرور کے ہاتھ پائے
چلّائے شاہ : لاش کدھر ہے ؟ کوئی بتائے
فرق آ گیا ہماری بصارت میں ، ہائے ہائے
رو لیں گلے لگا کے تنِ پاش پاش کو
اکبر ! تمھیں دکھا دو برادر کی لاش کو

۱۶۱ اکبر نے شہ کے ہاتھ پکڑ کر بصد بُکا
رکھے چچا کے سینے پہ اور رو کے یہ کہا
لیجیے یہی ہے لاشِ علم دارِ باوفا
چلّائے جھک کے لاش پہ سلطانِ کربلا
ٹوٹی ہوئی کمر ہے ، سنبھالو حسین[ع] کو
بھیّا ! ذرا گلے سے لگا لو حسین کو

۱۶۲ عبّاس ! ہاتھ کٹ گئے شانوں سے ہے غضب
ریتی پہ دو طرف یہ تمھارا لہو ہے سب
لوٹا ہمیں رسول[ص] کی اُمّت نے بے سبب
بھیّا ! ہماری جان نکلتی ہے تن سے اب
مر جائیں گے ، جلادو ہمیں منہ سے بول کر
دو باتیں کر لو بھائی سے آنکھوں کو کھول کر

۱۶۳ کیوں خاک پر دھرے ہو یہ رخسار خوں میں تر
آؤ ہم اپنے زانو پہ رکھیں تمھارا سر
لیتے ہو کیوں کراہ کے کروٹ اِدھر اُدھر
ثابت ہوا کہ جلد ہے دنیا سے اب سفر
ہے ہے ، دلیلِ مرگ ہے لکنت زبان کی
ہچکی نہیں یہ ، جسم سے رخصت ہے جان کی

۱٦۴
غش میں سنی جو گریۂ شبیر کی صدا
چونکے تڑپ کے حضرتِ عباسِ باوفا
آہستہ کی یہ عرض کہ اے سبطِ مصطفیٰ
اِس پیار کے نثار ، اِس الطاف کے فدا
زیبا ہے نکلے جان اگر پیشوائی کو
گویا رسولؐ آئے ہیں مشکل کشائی کو

۱٦۵
یہ کہہ کے رُوئے شہ کی طرف کی نظر بہ غور
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیّا کہو کچھ اور
تڑپا قدم پہ شہ کے وہ مقتولِ ظلم و جور
لیں ہچکیاں ، بگڑنے لگے تیوروں کے طور
پتھرا کے چشمِ اشک فشاں بند ہو گئی
تھرّائے دونوں ہونٹ ، زباں بند ہو گئی

۱٦٦
اکبر نے عرض کی کہ چچا جان مر گئے
جھک کر پکارے شاہ کہ بھیّا کدھر گئے
منہ تو اٹھاؤ خاک سے رخسار بھر گئے
وا حسرتا ! حسینؑ کو بے آس کر گئے
اب کون دے گا دکھ میں نبیؐ کے پسر کا ساتھ
دم بھر میں تم نے چھوڑ دیا عمر بھر کا ساتھ

۱٦۷
ہاں روؤ مومنو ! یہ بُکا کا مقام ہے
تم میں شریک روحِ رسولِؐ انام ہے
اب رخصتِ حسین علیہ السلام ہے
تاریخ آٹھویں ہے ، محرّم تمام ہے
موت آئی تو شریکِ عزا کون ہوئے گا
جو سال بھر جیے گا ، وہ پھر شہ کو روئے گا

۱۶۸ آگے تمھارے مرتے جو عبّاس باوفا
پُرسا نہ دیتے سبطِ رسولِ خدا کو کیا ؟
تم سب کو دیکھتے ہیں شہنشاہِ کربلا
زہرا بھی ننگے سر ہیں ، قیامت کرو بپا
سمجھو شریکِ بزمِ شہِ مشرقین کو
دے لو جوان بھائی کا پرسا حسین کو

۱۶۹ پیٹو سروں کو ، ہوتا ہے اب مرثیہ تمام
لپٹو ضریحِ پاک سے کہہ کہہ کے "یا امام"
رخصت طلب ہے باپ سے اکبر سا لالہ فام
خاموش ہیں حسین ، نہیں کرتے کچھ کلام
مقتولِ ظلم و جور ہے اب جانِ فاطمہ
ہوتا ہے پنجتن کا کوئی دم میں خاتمہ

۱۷۰ بس اے انیس ! روک لے اب خامے کی عناں
یہ غم ہے جاں گزا ، نہ کبھی ہوئے گا بیاں
آنکھوں سے سامعین کے بھی اشک ہیں رواں
خالق سے عرض کر کہ اے خلّاقِ اِنس و جاں
آنکھوں سے مس کروں میں مزارِ بتول کو
دکھلا دے جلد مرقدِ سبطِ رسول کو

۸

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے

بند ۱۷۳، بحر مضارع

(جنگ اور شہادتِ حضرت علی اکبر)

مراجع

* مرثیۂ انیس : قلمی ، بلا تاریخ ۔ میرے خیال میں یہ نسخہ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ع) کے بعد اور ۱۲۷۰ھ سے پہلے کا مکتوبہ ہے ۔
* مرثیہ ہائے میر انیس : جلد اول ، نول کشور پریس لکھنؤ، ۱۸۷۶ع، صفحہ ۳۹۷ ۔
* مراثیِ انیس : جلد اول ، نظامی پریس بدایوں ، ۱۹۲۲ع ، صفحہ ۲۷۰ ۔
* روحِ انیس : کتاب نگر لکھنؤ ، ۱۹۵۶ع ، صفحہ ۱۳۹ ۔
* مراثیِ انیس : جلد اول ، تیج کمار پریس لکھنؤ ، ۱۹۵۸ع ، صفحہ ۲۴۵ ۔
* مراثیِ انیس : جلد اول ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، لاہور ، طبع ۱۹۵۹ع و ۱۹۶۷ع ، صفحہ ۱۶۲ ۔

تبصرہ

یہ مرثیہ موضوع کے لحاظ سے حضرت علی اکبر کی جنگ اور شہادت کے واقعات پر مشتمل ہے۔ مولانا شبلی کے خیال میں یہ میر انیس کے بہترین مرثیوں میں سے ہے۔

آمد، سواری، گھوڑا، تلوار، سراپا، رجز، رخصت، جنگ اور شہادت مرثیے کے اجزائے ترکیبی ہیں۔

زبان کی سلاست و سادگی، بیان کی ہمواری، جذبات کی ترجمانی بے مثال ہے۔ خصوصاً حضرت زینب و علی اکبر کے مکالمے اور اظہارِ محبت کے عجیب نفسیاتی پہلو لکھے ہیں۔ امام حسین[ع] کی حالت اور حضرت زینب کے بَین، شہادت سے پہلے اور شہادت کے بعد، انیس نے جس قدرت و مہارت سے لکھے ہیں اس کی مثالیں خود انیس کے یہاں کم ہیں۔ ''موازنۂ انیس و دبیر'' میں شبلی نے ایسے مقامات پر مفصل بحث کی ہے۔

میرے نزدیک میر صاحب کی المیہ نگاری کا یہ شاہ کار اول سے آخر تک ان کے کمالِ فن، حسنِ شاعری و لطافت اور زبان و بیان کا حسین ترین مرقع ہے۔ اسے میر انیس کا نمائندہ مرثیہ کہا جا سکتا ہے۔ اردو شاعری میں انیس کے علاوہ اس قسم کے اشعار کا کوئی مجموعہ موجود نہیں ہے۔

میرا مخطوطہ سنہ ۱۲۵۸ھ مطابق ۱۸۴۲ع کے بعد کا ہے۔ اگر میر صاحب کی ولادت سنہ ۱۲۱۸ھ اور ۱۲۲۰ھ کے درمیان فرض کی

جائے تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہوتی ہے۔
اس زمانے میں خلیق زندہ تھے کیونکہ میر خلیق نے ۱۲۶۰ھ میں
رحلت کی ہے۔ چالیس پچاس برس کی عمر کا کلام شبابِ فن کا زمانہ
ہے۔ یعنی اگر میر صاحب کو بیس برس کی عمر میں ایک پختہ گو شاعر
مانا جائے تو چالیس پچاس برس کی عمر کمال پختگی کی اور ساٹھ ستر
برس کی عمر استادی کا زمانہ قرار پائے گا۔ بنابریں یہ مرثیہ میر صاحب
کے وسطی عہدِ شعر گوئی کی یادگار ہے۔

اس مرثیے کی تصحیح میں دو اہم نسخوں سے مدد لی گئی ہے۔
پہلا مخطوطہ میرا ذاتی نسخہ ہے جو اب سے تیس بتیس برس پہلے لکھنؤ
میں خریدا گیا تھا۔ مخطوطے کے آغاز میں ایک مہر ہے جس میں
"جعفر رضوی ۱۲۵۸" کندہ ہے۔ کل بند ایک سو چودہ ہیں۔ اسے
میر انیس مرحوم نے خود بھی دیکھا تھا کیونکہ متعدد مقامات پر
ان کے اپنے قلم کی اصلاحیں اور تبدیلیاں موجود ہیں۔ چار بند یعنی بند
نمبر ۶۳، ۶۴، ۶۶، ۶۷ میر صاحب نے خود لکھے ہیں۔

دوسرا ماخذ نول کشور پریس لکھنؤ کا پہلا ایڈیشن ہے جس کا
سنہ اشاعت نومبر ۱۸۷۶ع ہے۔ مصححِ مطبع سید تصدق حسین رضوی
کی تصریح ہے کہ:

"بہ ہزار محنت و مشقت کارپردازانِ مطبعِ موصوف نے جناب
مغفور کے مرثیوں کو سندی جگہوں سے عمدہ عمدہ اور صحیح
جمع کیا، حتیٰ کہ تین جلدوں کا ذخیرہ جمع ہوا۔ اور واسطے
صحت کاپی و پروف ان مرثیوں کے اس ہیچ مداں . . . . کو
مخصوص فرمایا۔ اگرچہ اختلاف نقول سے لاچاری ہے اور سہو و
خطا ہر فردِ بشر کی رگ و پے میں ساری ہے، لیکن جہاں تک ہو
سکا اس کمترین نے ان مرثیوں کی صحت میں جہدِ بلیغ کیا"۔

اس مخطوطے کے کاتب سید رضا حسین ولد سید بندہ حسن نامی خطاط ہیں ۔

ان دو اہم نسخوں اور معاصر مآخذ کے علاوہ 'روحِ انیس' اور تیج کمار ایڈیشن اور لاہور کے دو ایڈیشن بھی سامنے رکھے ۔ اس ساری کاوش کے نتیجے میں 'روحِ انیس' سے چھ بند زیادہ یعنی ایک سو تہتر بندوں کا مرثیہ پیشِ خدمت ہے ۔

مرتضیٰ حسین ، فاضل

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱ [1]جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے
لاکھوں سے تشنہ کام لڑے ، کام کر گئے
اُمّت کی مغفرت کا سرانجام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کر گئے
پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر اُن کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ مَلک [2]جن کو روتے ہیں

۲ دیں دار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد
ہاتھوں[3] میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد
مردانگی یہ پیاس میں ، فاقوں میں یہ جہاد
تیغوں سے بند کون سا ان کا کٹا نہ تھا
پر معرکے سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

۳ برسوں رہے گا چرخ میں گر آسمانِ پیر
لیکن نظر نہ آئے گا ان کا کہیں نظیر
گورے نہ ان کے پاؤں نہ روے مہِ منیر
خورشید جن کے سامنے اک ذرّۂ حقیر
پُر خوں قبائیں جسم [4]میں ، سینے تنے ہوئے
پہنچے ریاضِ خلد میں دولھا بنے ہوئے

۴ رستم اُٹھا نہ سکتا تھا سر آن کے سامنے
شیروں کے کانپتے تھے جگر آن کے سامنے
پھیکی تھی روشنی قمر آن کے سامنے
اڑتا تھا رنگِ روے سحر آن کے سامنے
بخشا تھا نور حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن ، جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

۵ پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود
دیکھیں جو آن کا نور تو قدسی پڑھیں درود
رخ سے عیاں جلال و جواں مردی و نمود
شیدائے آل[۵] ، شیفتۂ واجب الوجود
جینے کی شاہِ دین کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئنے کو جِلا دے کے مر گئے

۶ تاثیر کر گئی تھی آنھیں صحبت امام
تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبّتِ حیدر[۴] سے دل کے جام
ذی قدر و ذی شعور و دلاور[۶] خجستہ کام
لشکر جو ان پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں سینوں[۷] پہ کیا جھوم جھوم کے

۷ لاکھوں میں انتخاب ، ہزاروں میں لاجواب
تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورتِ سحاب
وہ نور ، وہ جلال ، وہ رونق ، وہ آب و تاب
زہرا[۴] کے گھر کے چاند ، زمانے کے آفتاب
بس یک بہ یک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال آن پہ آ گیا

۸ گل ہو گئے عقیل کی تربت کے جب[۸] چراغ
جعفر کے لاڈلوں نے دیے شہ کے دل کو داغ
ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراغ
پامال ہو گیا حسنِ[ع] مجتبیٰ کا باغ
لاشے اٹھائے، جنگ کرے، یا بُکا کرے
جس پر گریں[۹] یہ کوہِ مصیبت، وہ کیا کرے

۹ صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولتِ پدر
نکلے نبرد کو اسداللہ کے پسر
مارے گئے جہاد میں جس دم وہ شیرِ نر
رخصت ہوئے حسین[ع] سے عباسِ نام ور
دریا بہے لہو کے بڑا کشت و خوں ہوا
ڈھلتی تھی دوپہر کہ عَلم سر نگوں ہوا

۱۰ پیری[۱۰] میں قہر ہے خبرِ مرگِ نوجواں
ریتی پہ تھرتھرا کے گرے شاہِ انس و جاں
نکلیں سروں کو پیٹتی خیمے سے بیبیاں
تھا خانۂ علی[ع] میں تلاطم کہ الاماں
یوں گھر الٹ پلٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا

۱۱ غل[۱۱] تھا کہ خوں میں بھر گیا سقّائے اہلِ بیت
دنیا سے کوچ کر گیا، سقّائے اہلِ بیت
ہم لٹ گئے، گزر گیا سقّائے اہلِ بیت
فریاد ہے کہ مر گیا سقّائے اہلِ بیت
ہے ہے! کہاں سے اپنے بہشتی کو لائیں گے
سوکھی زباں اب کسے بچّے دکھائیں گے

۱۲ ہلتا تھا خیمہ ، روتے تھے یوں اہلِ بیتِ شاہ
صدمے سے حال زوجۂ عبّاس تھا تباہ
چلّاتی تھی کہ نہر کی مجھ کو بتاؤ راہ
لوٹی[۱۲] گئی میں دشت پُر آفت میں آہ آہ !
خم تھے ، گرا تھا کوہِ مصیبت حسین[۴] پر
ماتم تھا بیبیوں میں سکینہ کے بین پر

۱۳ ماتم اِدھر تھا ، جشن میں تھے اہلِ شر اُدھر
بجتے تھے شادیانۂ فتح و ظفر اُدھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر اُدھر
روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر
غل تھا کہ بس حسین[۴] بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہو اور تو بھیجو لڑائی کو

۱۴ باقی[۱۳] نہیں کوئی تو وغا کو خود آئیے
حیدر[۴] کی ذوالفقار کے جوہر دکھائیے
زخمِ سنان و خنجر و شمشیر کھائیے
گرمی بڑی ہے آج ، لہو میں نہائیے
آمادہ ہم تو دیر سے بہرِ ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں آپی ہوئی ، خنجر بھی تیز ہیں

۱۵ کاٹے ہیں جس نے بازوے لختِ دل[۱۴] امیر
ہے خوب آب‌دار وہ شمشیرِ بے نظیر
چھیدا ہے جس سے مشک کو، موجود ہے وہ تیر
یہ گُرز وہ ہے ، ضرب سے جس کی ہوے اخیر
تڑپے تھے جس سے مشک کو دانتوں سے چھوڑ کر
برچھی وہ[۱۵] ہے جو نکلی تھی پہلو کو توڑ کر

۱۶ صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہِ اِنس و جاں
اک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغاں !
رونے سے جی اُٹھیں گے نہ عباسِ نوجواں
حضرت پکارتے ہیں کسے ؟ بھائی اب کہاں ؟
ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گزر گیا
اب فکر اپنی کیجیے ، وہ شیر مر گیا

۱۷ اکبر نے کی غضب کی نظر سوے فوجِ شام
کانپے یہ غیظ سے کہ آگنے لگی حسام[۱۶]
کی عرض ہاتھ جوڑ کے ، اے قبلۂ انام !
سنتے ہیں آپ ، لشکرِ اعدا کے یہ کلام
خوں تن میں جوش کھاتا ہے ، ہنگامِ جنگ ہے
مولا ! بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

۱۸ آں[۱۷] کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب
خادم زبانِ تیغ سے دے گا انھیں جواب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب
نعرہ کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب
آدابِ شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
زخمِ جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں

۱۹ جوہر دکھائیں ہم کو ، بہادر جو ہیں بڑے
تب جانیں ایک ایک نکل کر اگر لڑے
کیا لطف ہے جو ایک پہ سو مل کے گر پڑے
چاہیں جو ہم تو نہر کو لے لیں کھڑے کھڑے
دبتے ہیں سرکشوں سے کوئی جو دلیر ہیں
فاقہ ہو یا کہ پیاس ہو پھر شیر ، شیر ہیں

۲۰ عمؔرو کو قتل کرکے بہت ہو گئے ہیں شیر
ان ظالموں کے زعم میں اب ہم نہیں دلیر
معلوم ہوگا لاشوں کے جب رن میں ہوں گے ڈھیر
دیکھیں تو کون اب ہے زبردست، کون زیر
مجمع ہے اس طرف، ہمیں تنہا سمجھتے ہیں؟
اچھا یونہی سہی، ہم انھیں کیا سمجھتے ہیں

۲۱ ہم کو[18] یہ طعن و طنز کی باتیں نہیں پسند
کوفے میں لیں گے دم جو اٹھائیں گے پھر سمند
ہونٹوں پہ غم سے اب ہے یہاں جان دردمند
کاٹیں تبر سے، تیغ سے، خنجر سے بند بند
ہنس ہنس کے جسم پر تبر و تیر کھائیں گے
تیغِ زباں کے زخم اٹھائے نہ جائیں گے

۲۲ گھبرا کے دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ
فرمایا خیر، کہہ لیں جو کہتے ہیں رُو سیاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے، اے میرے رشکِ ماہ!
لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے اِلٰہ
غصّہ اسی طرح اگر آئے گا آپ کو
خنجر کے نیچے دیکھو گے کس طرح باپ کو

۲۳ برہم نہ ہو، تمھیں سرِ شبّیر کی قسم
لو گھر میں جاؤ، خیر، سمجھ لیں گے اِن سے ہم
دیکھو ہمیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم
تلوار دل پہ چل گئی، مارا نہ ہم نے دم
سب جل کے خاک ہوں جو ابھی بددعا[19] کروں
پر اُمّتِ نبیؐ ہے، بجز صبر کیا کروں

۲۴ یہ سن کے زرد ہو گئے ہم شکلِ مصطفیٰؐ
رو کر کہا یہ کرتے ہیں ارشاد آپ کیا!
وہ وقت، وہ گھڑی، نہ دکھائے ہمیں خدا
بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
آمادۂ فنا ہیں خوشی دل سے فوت ہے
پھر خضر کی حیات ملے گر تو موت ہے

۲۵ کیا پہلے سر کٹائیے گا یا شہ زماں؟
کس اشتیاق سے شہِ دیں نے کہا کہ "ہاں"
آگے جو کچھ رضائے خدا، اے پدر کی جاں!
جیتے ہیں پیر، سامنے مرتے ہیں نوجواں
دیکھو[۲۰] کہ چھوٹے بھائی کے ماتم میں روتے ہیں
پالا تھا جن کو ہم نے، وہ دریا پہ سوتے ہیں

۲۶ یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ بحر و بر
پٹکے سے باندھنے لگے ٹوٹی ہوئی کمر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبر بہ چشمِ تر
کی عرض رحم کیجیے، مر جائے گا پسر
آگے مرے جو ہوگی شہادت امام کی
دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی

۲۷ چھوٹے[۲۱] تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام
یا شاہ! کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام؟
عمّو کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام
ہم نے بھی تیغ باندھی ہے بچپن سے یا امام!
عزّت ملی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے
بیٹا وہی جو رنج میں کام آئے باپ کے

۲۸ انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب
بیٹا تو گھر میں بیٹھے، لڑے باپ تشنہ لب !
مارا گیا نہ آج، تو کل یہ کہیں گے سب
کیسا لہو سفید ہے دنیا کا، ہے غضب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گزر گیا
بیٹا جوان، باپ کے آگے نہ مر گیا

۲۹ بہرِ رسول[ص] رن کی رضا دیجیے مجھے
صدقہ علی[۴] کا اِذنِ وغا دیجیے مجھے
مرتا ہوں یا امام، جِلا دیجیے مجھے
یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے
کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا علی اکبر ! نثار ہو

۳۰ شہ نے کہا تمھیں مرے دل کی نہیں خبر
پیارے کہاں سے لاؤں مَیں اس طرح کا جگر
ہے باپ کا عصائے ضعیفی جواں پسر
جب تم نہ ہو گے پاس تو مر جائے گا پدر
ایسے[۲۲] ہنسے نہ تھے کہ ہمیں تم رلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

۳۱ راتیں[۲۳] یہ عیش کی ہیں، مرادوں کے ہیں یہ دن
پورے جواں نہیں، ابھی کیا ہے تمھارا سِن
اکبر تری جوانی پہ روئیں گے اِنس و جن
کیونکر قرار آئے گا ماں کو تمھارے بِن
کیسی ہوا چلی چمنِ روزگار میں
سیّد کا باغ لٹتا ہے فصلِ بہار میں

۳۲ دیتا اگر تمھیں کوئی فرزند ذوالجلال
ہوتی پدر کی قدر، سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یونہی کرتا وہ جب سوال
تب جانتے کہ دیتے اسے رخصتِ جدال
کیا[۲۴] جانے وہ مزہ جسے اس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو، تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

۳۳ تسلیم کرا کے بولے علی اکبرِ غیور
لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضور!
فرمایا شہ نے خیر اجل بھی نہیں ہے دور
برچھی لگا کے دل پہ خوشامد[۲۵] یہ کیا ضرور
تقریر میں پدر کو نہ اب بند کیجیے
خیمے میں جا کے ماں کو رضامند کیجیے

۳۴ ہیں[۲۶] مبتلائے رنج بھلا کیا ہمارا پیار
تم سے جو سو پسر ہوں تو اِس راہ میں نثار
ہر دم خدا سے خیر کا ہوں میں امیدوار
ہاں، ماں نہ جانے دے تو مرا کیا ہے اختیار
سینے میں دل ہلے گا بدن تھرتھرائے گا
رخصت کا نام سنتے ہی غش اس کو آئے گا

۳۵ سب جانتے ہیں جو ہے پُھپھی کو تمھاری چاہ
معلوم ہوگا، جاؤ گے جب سوے خیمہ گاہ
بانہیں گلے میں ڈالے گی زینب بہ اشک و آہ
قدموں پہ گر کے آپ کے ماں ہوگی سدِّ راہ
یہ مرحلہ بھی کم نہیں زنجیر[۲۷] و طوق سے
دونوں رضا جو دیں تو چلے جاؤ شوق سے

۳۶ حسرت یہ ایک کو ہے کہ دولھا بنے پسر
آئے دلھن جو چاند سی ، آباد ہو یہ گھر
ہوتے کی آرزو میں ہے اک سوختہ جگر
نخلِ مراد کا یہی دنیا میں ہے ثمر
ہردم یہی ہے ذکر ، جو فضلِ الٰہ ہو
انیسویں برس علی اکبر کا بیاہ ہو

۳۷ ماں کہتی تھی بناؤں گی دولھا اِسی برس
مرنے کی تم کو عین جوانی میں ہے ہوس
کچھ اس میں زور ہے نہ ہمارا ، نہ آن کا بس
ہم بھی مریں گے ، خیر ، نہیں اتنا پیش و پس
شکوہ ہے چرخ کا ، نہ شکایت ہے آپ کی
پیری میں یہ بھی رنج تھا قسمت میں باپ کی

۳۸ روتے ہوئے چلے علی اکبر سوے خیام
کانپا[۲۸] یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی[۲۹] سے آیا وہ نیک نام
دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوے تشنہ کام
دامن سے آ کے ، بالی سکینہ چمٹ گئی
زینب بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی

۳۹ ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گل‌عذار
تم صبح سے گئے تھے اب آئے ؟ یہ ماں نثار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار
کھولو بس اب کمر کہ مرا دل ہے بے قرار
گرمی یہ ، اور قحط کئی دن سے آب کا
رخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا

۴۰ تر ہے قبا پسینے میں ، پنکھا کوئی ہلاؤ
سنولا[۳۰] گئے ہو دھوپ میں ، واری ! ہوا میں آؤ
جھاڑوں ردا سے گرد میں زلفوں کی ، بیٹھ جاؤ
گھٹ[۳۱] جائے گا لہو مرا ، آنسو نہ تم بہاؤ
صدمہ جو دل پہ ہو اُسے کچھ منہ سے کہتے ہیں
کیا ہے جو اشک نرگسی آنکھوں سے بہتے ہیں

۴۱ صغرا کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر ؟
جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے اب جگر
اکبر نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے ، مگر
لٹتا ہے کوئی آن میں خیرالنسا کا گھر
ملتی نہیں رضا ہمیں ، آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

۴۲ اِس وقت کس[۳۲] سے دردِ دل اپنا کہوں میں ، آہ !
تم بھی ہو سدِّ راہ ، پھپھی بھی ہیں سدِّ راہ
چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سپاہ
استاں ، مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ
اب زندگی ہے تلخ ، بہت دق ہیں جان سے
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہان سے

۴۳ دیتے[۳۳] نہیں رضا جو امامِ فلک اساس
خاطر فقط یہ آپ کی ہے اور پھپھی کا پاس
اب غیرِ یاس کوئی نہیں اُن کے آس پاس
نا طاقتی ہے ، ضعف ہے ، فاقہ ہے اور پیاس
کیونکر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
پیری میں[۳۴] دل ضعیف ہے ، اعضا ضعیف ہیں

۴۴ عبّاس[۳۰] جب سے مر گئے ، روتے ہیں دم بدم
رخ زرد ہے ، کماں کی طرح ہو گئے ہیں خم
چِلّوں میں تیر جوڑے ہیں واں بانیٔ ستم
قرباں ہوں کس طرح پسرِ فاطمہ[۴] پہ ہم
سب روکتے ہیں ، اُن کی طرف جائیں کس طرح
ماں کو ، پُھپھی کو ، بہنوں کو سمجھائیں کس طرح

۴۵ بابا کا حکم ہے کہ رضا جا کے ماں سے لاؤ
راضی پھپھی ہوں جب ، تو لڑو اور زخم کھاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ
یا فاطمہ ! تمھیں علی اکبر کے کام آؤ
چلنے لگیں نہ تیر ، شہِ مشرقین پر
نرغہ ہے ظالموں کا تمھارے حسین[۴] پر

۴۶ دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابیِ پسر
وارث[۳۶] کی بےکسی پہ لگا کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر
دولت پہ فاطمہ[۴] کی تصدّق تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا ، نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لیے ، تمھیں کب روکتی ہوں میں

۴۷ زہرا[۳۷،۴] کے لال پر مرے مادر پدر نثار
عابد نثار ، اصغرِ تشنہ جگر نثار
جانیں ہزار ہوں تو فدا ، لاکھ سر نثار
قربان گھر ، کنیز تصدّق ، پسر نثار
کسرائی[۳۸] گو کہ ہوں ، پہ بہو میں علی کی ہوں
مانگو گے جو وہ دوں گی کہ لونڈی سخی کی ہوں

۴۸ مجھ پر حوالے کرتے ہیں گر شاہِ خوش خصال
رخصت[۳۹] نہ تم کو دوں ، یہ بھلا ہے مری مجال ؟
صدقہ انھیں کا ہے کہ ملا تم سا نونہال
رخصت[۴۰] کا صدقے جاؤں ، پھپھی سے کرو سوال
ہم سب کنیزیں بنتِ امیرِ عرب کی ہیں
اصغر ہو یا کہ تم ، وہی مختار سب کی ہیں

۴۹ کہنے کو یوں ہیں چاہنے والے تمھارے سب
لیکن ہے اُن کے عشق سے نسبت کسی کو کب
دن کو انھوں نے دن کبھی جانا ، نہ شب کو شب
لیجے انھی سے ، آپ کو جس شے کی ہے طلب
مجھ سے نہ کچھ ، نہ سیّدِ عالی سے پوچھیے
گر پوچھیے تو پالنے والی سے پوچھیے

۵۰ روتے ہوئے گئے علی اکبر ، پھپھی کے پاس
دیکھا کہ غش پڑی ہے زمیں پر وہ حق شناس
زانو پہ سر لیے ہوے کبریٰ ہے بےحواس
اِس حال میں بھی لب پہ یہی[۴۱] ہے کلامِ یاس
اب تاب و طاقتِ جسد و رُوح و دل گئی
کیوں صاحبو ! رضا علی اکبر کو مل گئی ؟

۵۱ اکبر سے مجھ کو یہ نہ توقّع تھی ہے غضب
اتنا نہیں خیال کہ ہے کون جاں بلب
اُس گل نے ہائے میری ریاضت بُھلائی[۴۲] سب
نامِ خدا جواں ہوے ، کیا ہم سے کام اب
ہیں محو رن کے شوق میں ، رخصت کے دھیان میں
سچ ہے ، کسی کا کون ہوا ہے جہان میں

۵۲ یا بے بہارے چین نہ آتا تھا کوئی دم
مالک اب اور ہو گئے، کوئی ہوئے نہ ہم
کیا دخل تھا جو ڈیوڑھی سے باہر رکھیں قدم
ہے ہے وہ میرا درد[۴۳] و مصیبت، وہ رنج و غم
جاگی ہوں میں، جو چونک کے راتوں کو روئے ہیں
پوچھو تو، کس کی چھاتی پہ بچپن میں سوئے ہیں ؟

۵۳ کنگھی کسی کے ہاتھ کی بھاتی نہ تھی کبھی
بے میرے لیٹے نیند انھیں آتی نہ تھی کبھی
بے اُن کے ماں کی[۴۴] قبر پہ جاتی نہ تھی کبھی
روئیں پسر، پہ اُن کو رلاتی نہ تھی کبھی
میرے سوا کسی کو کبھی جانتے نہ تھے
جو تھی سو[۴۵] میں تھی، ماں کو تو پہچانتے نہ تھے

۵۴ ہرچند دونوں تھے مرے فرزند خُرد سال
پر اِن کے آگے اُن کا مجھے کچھ نہ تھا خیال
راتوں کو جب لپٹتے تھے مجھ سے وہ نونہال
میں کہتی تھی ہٹو، علی اکبر ہے میرا لال
وہ دونوں مرنے والے تو پہلو میں ہوتے تھے
پھیلا کے پاؤں یہ مری چھاتی پہ سوتے تھے

۵۵ چھوٹا تو ضد بھی کرتا تھا راتوں کو بارہا
پر عون کیا عقیل[۴۶] تھا، بخشے اُسے خدا
دن رات تھی خوشامدِ ہم شکلِ مصطفیٰؐ
سینے پہ جب یہ سوئے تو اس نے یہی کہا
آقا کے نورِ عین ہیں، عالی مقام ہیں
اماں! یہ شاہزادے ہیں اور ہم غلام ہیں

۵۶ رہتے[۴۷] تھے پاس باپ کے وہ غیرتِ قمر
الفت میں اِن کی مجھ کو کچھ اُن کی نہ تھی خبر
قرآن پڑھنے بیٹھتی تھی جب دمِ سحر
صورت پہ تھی اِنھی کی تلاوت میں بھی نظر
غافل نہ ان کے پیار سے میں ایک آن تھی
قرآں تو رحل پر تھا، حائل[۴۸] میں جان تھی

۵۷ میں نے اِنھی پہ صدقے کیے اپنے دونوں لال
تسکین تھی کہ باقی ہے اکبر سا نونہال
مانگے تو آکے مجھ سے بھلا رخصتِ جدال
نکلوں گی ساتھ خیمے سے بکھرا کے سر کے بال
کیا خوب جیتے جی مرے جائیں گے مرنے کو؟
تلوار باندھ لی ہے ہمیں ذبح کرنے کو؟

۵۸ بچپن میں تھا نہ ہم سے زیادہ کسی کا پیار
اب کیا غرض، گزر گئی وہ فصل، وہ بہار
بھیگیں مسیں، نمود ہوا سبزۂ عذار
مالک ہیں خود بھلا مرا اب کیا ہے اختیار
ثابت[۴۹] ہوا اُدھر سے اُدھر مرنے جائیں گے
میں مر بھی جاؤں گی تو وہ یاں تک نہ آئیں گے

۵۹ باہر سدھارے یا ابھی ماں[۵۰] سے ہیں ہم کلام؟
بھابھی نے کیوں لیا تھا ابھی رو کے میرا نام؟
سینے پہ منہ کو رکھ کے یہ بولا[۵۱] وہ لالہ فام
آنکھیں تو آپ کھولیے، حاضر ہے یہ غلام!
خادم جدا نہ تھا شہِ گردوں سریر سے
کس جرم پر حضور[۵۲] خفا ہیں حقیر سے

۶۰ کیا[۵۳] ہے قصور جس پہ یہ غصّہ ہے ، یہ عتاب
کرتا ہوں بات میں کوئی بے مرضیِ جناب ؟
روتا ہوں اب کہ صبر کی مجھ کو نہیں ہے تاب
شکوہ یہ خاکسار کا اے بنتِ بو تراب
ہر دکھ میں ، ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پالا ہے مجھ کو ، مالک و مختار آپ ہیں

۶۱ پیدا ہوا تو آپ کی صحبت مجھے ملی
کرتی ہے روح شکر ، وہ راحت مجھے ملی
یوسف کو کب ملی تھی جو دولت مجھے ملی
رکّھا عزیز آپ نے ، عزّت مجھے ملی
صدقہ ہے اس قدم کا جو سر تا فلک گیا
کی مہر[۵۴] آفتاب نے ، ذرّہ چمک گیا

۶۲ مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام
بندے[۵۵] ہیں ہم ، اطاعتِ مالک سے ہم کو کام
تکرار کی مجال[۵۶] ، نہ اصرار کا مقام
مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام
روتی ہیں آپ کس لیے ، اچھّا نہ جائیں گے
پر یاد رکھیے ، منہ نہ کسی کو دکھائیں گے

۶۳ یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پر وہ ذی وقار
بس ہو گئیں محبتِ قلبی سے بے قرار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اٹھیں بحالِ زار
شکوے کے بدلے منہ سے یہ نکلا کہ میں نثار
آمدا[۵۷] جو دل تو چشم کے ساغر چھلک پڑے
دیکھا جو آفتاب کو ، آنسو ٹپک پڑے

۶۴ لے کر بلائیں بولی کہ واری خفا نہ ہو
صدقے ہے تم پہ جان ہماری ، خفا نہ ہو
باتیں تھیں[۵۸] یہ تو پیار کی ساری ، خفا نہ ہو
روتے ہو کیوں ، منگاؤ سواری ، خفا نہ ہو
آئے بلا حسین[۴] پہ جو ، اُس کو رد کرو
اچھا سدھارو ، دکھ میں پدر کی مدد کرو

۶۵ الفت کے جوش میں تو یہ منہ سے کہا مگر
اُٹھا یہ دل میں درد کہ تھرّا گیا جگر
بانو[۵۹] کو روتے دیکھ کے بولی وہ نوحہ گر
کیا ماجرا ہوا ، مجھے مطلق نہیں خبر
میں روکنے نہ پائی کہ وار ان کا چل گیا
کیا میں نے کہہ دیا کہ کلیجا نکل گیا

۶۶ کیا جا کے اب نہ آئے گا گھر میں یہ نونہال ؟
ہے ہے مری کمائی پہ آ جائے گا زوال
جس وقت سے شہید ہوئے رن میں دونوں لال
بے ہوش ہوں ، حواس میں ہے میرے اختلال
ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
جو آپ میں نہ ہو سخن اُس کا سند نہیں

۶۷ میں ہوش میں نہ تھی ، یہ قدم پر گرے تھے جب
میں بھی کہوں ، یہ پاؤں پہ گرنے کا کیا سبب !
لو مجھ پہ اب کھلا کہ یہ رخصت کی تھی[۶۰] طلب
اکبر کو میں نے ہاتھ سے کھویا تھا ، ہے غضب
اصلا خبر نہیں مرے دلبر نے کیا کہا
میں نے جواب کیا دیا ، اکبر نے کیا کہا

۶۸
کیا[۶۱] کہہ دیا تھا مرنے کو جائے یہ گل بدن ؟
راضی ہوئی تھی میں کہ خزاں ہو مرا چمن ؟
بے خود ہوں جب سے رن میں سدھارے شہِ زمن
کہتی ہوں کچھ زباں سے ، نکلتا ہے کچھ سخن
اتنی خبر نہیں علی اکبر کے پیار میں
قابو میں ہے نہ دل ، نہ زباں اختیار میں

۶۹
زندوں میں ہوتی گر تو یہ کہتی کہ مرنے جائیں ؟
اس پیاس میں شہید ہوں فاقوں میں زخم کھائیں ؟
اٹھارھواں[۶۲] برس ہے ، دلھن تو مجھے دکھائیں
پالا ہے مَنّتوں[۶۳] سے ، مرادیں مری بر آئیں
مرتی ہوں اشتیاق میں ، سہرا تو دیکھ لوں
سہرے کے نیچے چاند سا چہرا تو دیکھ لوں

۷۰
رخصت[۶۴] کے نام سے مرا پھٹتا ہے اب جگر
ایسا نہ ہو کہ بانوے بیکس کو ہو خبر
گر سن لیا تو دل میں کہے گی وہ نوحہ گر
پیارا ہوا نہ بنتِ علی کو مرا پسر
سمجھی[۶۵] تھیں کیا جو دی اسے رخصت جدال کی
زینب نے ہائے قدر نہ کی میرے لال کی

۷۱
سچ ہے[۶۶] کہ اس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں
ہوں لاکھ اُن کی چاہنے والی ، وہ پھر ہے ماں
آنکھوں کا نور ، قلب کی طاقت ، بدن کی جاں
آنچ آتما کی ہے وہ قیامت کہ الاماں
کیا سوچتے[۶۷] ہو صاحبو ، کچھ تم کو خیر ہے
ماں ہے تو ماں ہے خلق میں ، پھر غیر غیر ہے

۷۲ ماں کی نہ کم توجّہی اور[۶۸] نہ کسی کا پیار
غصّہ ہو یا کہ سخت کہے، دل میں ہے نثار
بلبل فدا ہے گل پہ، شکایت کرے ہزار
دنیا میں عاشقوں کے دلوں کو کہاں قرار
دیں ماں کا ساتھ، نامِ خدا اب جوان ہیں
میرا ہے جب یہ حال، پھر اُس کی[۶۹] تو جان ہیں

۷۳ جس دم سنے یہ دور سے بانو نے سب کلام
آئی قریب[۷۰] حضرتِ زینب وہ نیک نام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے خواہرِ امام
میں ہوں کنیز آپ کی اور یہ پسر غلام
کس[۷۱] کی مجال ہے جو کہے گا یہ کیا کیا
بی بی نے دی غلام کو رخصت، بجا کیا

۷۴ لونڈی ہے فاطمہؑ کی کنیزوں میں با وفا
ہو قطع وہ زباں، جو کرے آپ کا گلا
حضرت[۷۲] کو ان کے سر پہ سلامت رکھے خدا
مالک ہیں آپ اس میں کسی کو ہے دخل کیا
کچھ جائے گفتگو ہے، نہ ماں کو نہ باپ کو
ہے دخل اذن دینے نہ دینے کا آپ کو

۷۵ غم کھائیے، نہ خونِ جگر آپ پیجیے
عابد کو بھیج دیجیے، اصغر کو لیجیے[۷۳]
ہے اختیار دیجیے رخصت نہ دیجیے
قربان جاؤں، جو ہو مناسب وہ کیجیے
شادی ہو یا کہ غم ہو شریکِ ثواب ہوں
میں[۷۴] ہر طرح سے تابعِ حکمِ جناب ہوں

۷۶ گھر میرا جب سے لٹ گیا اس گھر میں آئی ہوں
شکوے کا کوئی حرف کبھی لب پہ لائی ہوں
کسریٰ کی گو کہ پوتی ہوں سلطاں کی جائی ہوں
لونڈی ہوں آپ کی علی اکبر کی دائی ہوں
صدقہ یہ آپ کا ہے جو شہ کو عزیز ہوں
بھاوج نہ جانیے مجھے، ادنیٰ کنیز ہوں

۷۷ آپ اس کی ماں ہیں، آپ کا فرزند ہے یہ لال
دخل اس معاملے میں کوئی دے، یہ کیا مجال
یہ عازمِ جدال ہے اور آپ کا یہ حال؟
قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکوخصال
آپ اس کو چاہتی ہیں، یہ صدقے ہے آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

۷۸ قسمت بری ہے، اِس میں کسی کا قصور کیا
اچھا، رہیں کہ جائیں، ہمارا بھی ہے خدا
پروا ہماری ہے، نہ خیال ان کو آپ کا
تابع ہم آپ کے بھی ہیں، ان پر بھی ہیں فدا
عابد ہوں یا کہ یہ، سبھی آنکھوں کے تارے ہیں
پر اب تو یہ نہ آپ کے ہیں، نہ ہمارے ہیں

۷۹ یہ سن کے کانپنے لگی زینب جگر فگار
آئی صدائے فاطمہ[ع]، بیٹی! یہ ماں نثار
اللہ یہ محبّتِ فرزند، اور یہ پیار!
تنہا ستم کی فوج میں ہے میرا گل عذار
رخصت نہ دے گی تو اگر اِس نورِ عین کو
کون اب بچائے گا مرے بیکس حسین[ع] کو!

۸۰ آواز[۷۰] سن کے کانپ گئی بنتِ مرتضا[ع]
بانو کے منہ کو دیکھ کے اکبر سے یہ کہا
واری سدھارو ! خیر جو کچھ مرضیٔ خدا
ترکِ ادب ہے تم کو اگر اب نہ دوں رضا
یاں والدہ بہشت سے تشریف لائی ہیں
بنت نبی تمھاری سفارش کو آئی ہیں

۸۱ تسلیم[۷۶] کرکے خیمے سے وہ سیم بر چلا
پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
بانو پکارتی تھی کہ پیارا پسر چلا
چِلّاتی تھی پھُپھی مرا لختِ جگر چلا
لٹتے[۷۷] ہیں اہلِ بیت ، دُہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیرالانام[ص] کی

۸۲ بھائی کے غم سے عابد بے کس تھے بے قرار
اٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
بہنیں پکارتی تھیں کہ بھیا[۷۸] ترے نثار
سینوں کو پیٹتی تھیں خواصیں بحالِ زار
اک حشر تھا ، جدا علی اکبر جو ہوتے تھے
جھولے میں پھوٹ پھوٹ کے اصغر بھی روتے تھے

۸۳ ہلتا تھا[۷۹] خیمہ ، رانڈوں میں تھی یہ دھڑا دھڑی
آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
کوئی اِدھر کو غش تھی ، کوئی تھی اُدھر پڑی
آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی
ماتم تھا یہ حسین[ع] کے تازہ جوان کا
جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

۸۴ نکلا حرم‌سرا سے جو وہ نورِ حق کا نور
خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور
حضرت کھڑے تھے خیمے کی ڈیوڑھی سے کچھ جو دور
دستِ ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی‌شعور
رخصت ہوں اب جو حکمِ شہِ نام‌دار ہو
رو کر کہا حسینؑ نے 'اچّھا سوار ہو'

۸۵ گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار
گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
تھا ثانیٔ براق ، فلک سیر راہوار
صر صر سے تند و تیز تو بجلی سے بے قرار
یوں سامنے سے وہ دمِ جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

۸۶ حضرت تو یاں[۸۰] زمیں پہ گرے تھام کر جگر
جاسوس نے یہ لشکرِ اعدا کو دی خبر
آتا ہے اک جوانِ حسیں ، غیرتِ قمر
چہرے پہ جس کے نورِ محمدؐ ہے جلوہ گر
شان و شکوہ سب اسدِ کبریا کی ہے
کہتے ہیں سب ، بشر نہیں قدرت خدا کی ہے

۸۷ ہے دھوم ذرے ذرے میں اس آفتاب کی
خوشبو ہے زلف و جسم میں مُشک و گلاب کی
سر تا قدم ہے شان رسالت مآبؐ کی
تصویر ہے رسولِ خداؐ کے شباب کی
گھوڑے[۸۱] کے گردِ جنّ و ملک کا ہجوم ہے
"صلّوا علی النبیؑ" کی بیاباں میں دھوم ہے

۸۸ روشن کیا ہے روے منوّر نے راہ کو
رخ پر نہیں ٹھہرنے کا یارا نگاہ کو
حیراں ہے عقل دیکھ کے زلفِ سیاہ کو
آغوش میں لیے ہے شبِ قدر ماہ کو
چہرے کے نور سے شبِ مہتاب ماند ہے
خالق گواہ ہے کہ اندھیرے کا چاند ہے

۸۹ یہ ذکر تھا کہ نورِ خدا جلوہ گر ہوا
گویا رسولِ پاک کا رن میں گزر ہوا
چلّائے اہلِ شام کہ طالع قمر ہوا
ہنگامِ ظہر تھا پہ گمانِ سحر ہوا
جلوہ دکھایا برقِ تجلیِ طور نے
خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور نے

۹۰ غش[۸۲] ہو گیا کوئی، کوئی گر کر سنبھل گیا
صلِّ علیٰ کسی کی زباں سے نکل گیا
خجلت سے آفتاب کا نقشہ بدل گیا
چمکا جو نور، دھوپ کا جوبن بھی ڈھل گیا
دریاے نورِ حق کا فقط اوج موج تھا
سب پست تھے، زمیں کے ستارے کا اوج تھا

۹۱ صحرا کو شمعِ حسن نے تابندہ کر دیا
جو مردہ دل تھے، دم میں انھیں زندہ کر دیا
ذروں کو آفتابِ درخشندہ کر دیا
گردوں کو اس زمیں نے شرمندہ کر دیا
پایہ زمیں کا عرش[۸۳] کے ہم دست ہو گیا
جادے[۸۴] سے اوجِ کاہکشاں پست ہو گیا

۹۲ اللہ رے نبیرۂ مشکل کشا کی شان
تھی جس کے عضو عضو اِسے پیدا خدا کی شان
حیران تھے لوگ دیکھ کے اس مہ لقا کی شان
حمزہ رض کا رعب، زورِ علی ع، مصطفیٰ ص کی شان
پاکیزگی نسب میں، بزرگی صفات میں
شیرینیِ کلامِ حسن ع بات بات میں

۹۳ کچھ حُسن بچپنے کا تو کچھ آمدِ شباب
وہ گل سا[85] جسم اور وہ چہرے کی آب و تاب
اپنی جگہ پہ خال کے نقطے[86] ہیں انتخاب
پُتلی کا[87] نور جن کی سیاہی سے بہرہ یاب
گردن[88] کی ضو میں طور تجلیِ طور کے
سب عضوِ تن ڈھلے ہوئے سانچے میں نور کے

۹۴ دل[89] پاک، روح پاک، نظر پاک، جسم پاک
طینت میں آبِ خلد تھا اور کربلا کی خاک
غرفوں سے جس کے حسن کی حوروں کو جھانک تاک
یوسف[90] جو دیکھ لیں تو کہیں 'روحنا فداک'
نام اُس کا لوح پر جو قلم نے رقم کیا
سو بار پڑھ کے سورۂ نور اُس پہ دم کیا

۹۵ کیا دخل چار ہو جو کسی بے ادب کی آنکھ
رکھتی تھی رعب یہ، نہ عجم نہ عرب کی آنکھ
لاکھوں تھے اس طرف پہ جھپکتی تھی سب کی آنکھ
غصہ ستم کا، قہر کی چتون، غضب کی آنکھ
پانی تھا خوفِ جاں سے جگر ہر دلیر کا
آہو شکار کرتے تھے میداں میں شیر کا

۹۶ غل تھا رسولِ پاک کے ثانی کو دیکھنا
حسنِ بہارِ باغِ جوانی کو دیکھنا
کھلتے ہیں[۹۱] گل شگفتہ بیانی کو دیکھنا
یہ سب تو ہے[۹۲]، پہ غنچہ دہانی کو دیکھنا
نازک لب اس صفت کے، دہن اس طریق کا
خاتم پہ جڑ دیا ہے نگینہ عقیق کا

۹۷ کچھ عمر[۹۳] بھی نہیں ابھی اٹھارواں ہے سال
یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
قامت ہے یہ کہ سروِ گلستانِ اعتدال
ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال
آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہ ہوئے گی
بتلاؤ ماں کے دل پہ قیامت نہ ہوئے گی؟

۹۸ زخمی[۹۴] جو ہوگی تیر سے یہ چاند سی جبیں
پٹکے گی سر کو خاک پہ بانوے دل حزیں
تیغوں سے جب کٹیں گے یہ رخسارِ نازنیں
پیٹیں گے دونوں ہاتھوں سے منہ اپنا شاہ دیں
سینہ چھدے پسر کا تو کیا دل کو کل پڑے
ایوب[۴] بھی جو ہوں تو کلیجا نکل پڑے

۹۹ ناگاہ[۹۵] فوجِ کیں سے عمر نے کیا کلام
یہ وقتِ کارزار ہے اے ساکنانِ شام!
بس ہے یہی بساطِ شہنشاہِ خاص و عام
مارا گیا یہ شیر تو مر جائیں گے امام
لوٹو! جنابِ فاطمہ زہرا[۴] کے باغ کو
ٹھنڈا[۹۶] کرو حسین[۴] کے گھر کے چراغ کو

۱۰۰ تصویر[۱۷] مصطفیٰ کی مٹائے گا آج جو
کہتا ہوں میں کہ صاحبِ جاگیر ہوگا وو
محبوبِ کبریاؐ کے مشابہ ہے گر تو ہو
اب مصلحت یہی ہے کہ مہلت اسے نہ دو
ہے اس سے کیا مراد حسین ہے کہ نیک ہے
دو لاکھ اس طرف ہیں دلاور، وہ ایک ہے

۱۰۱ دنیا نہ جائے، دین کا گر ہو تو ہو ضرر
ٹکڑے کرو اسے کہ یہ دشمن کا ہے پسر
تم آب دیدہ ہو لبِ خشک اس کے دیکھ کر
قطرہ نہ دوں میں، گھٹنیوں اصغر بھی آئے گر
غیر از یزید اور کوئی حکمراں نہ ہو
اولادِ مرتضیٰ[۴] میں کسی کا نشاں نہ ہو

۱۰۲ ہاں غازیو! نہ اس کی جوانی کا غم کرو!
نیزے پہ نیزے مارو، ستم پر ستم کرو!
برچھے اٹھاؤ ہاتھوں میں، تیغیں علم کرو
نخلِ مرادِ سبطِ نبیؐ کو قلم کرو!
بیٹا نہ جب رہا تو کدھر جائیں گے حسین
گھوڑے سے یہ گرے گا تو مر جائیں گے حسین

۱۰۳ چھِد جائے گا سناں سے جو اس شیر کا جگر
تڑپیں گے کیا زمیں پہ شہنشاہِ بحر و بر
ڈیوڑھی سے ماں پکارے گی ہے ہے مرا پسر
نکلے گی خیمہ گاہ سے زینب برہنہ سر
حضرت تو پیٹتے ہوئے لاشے پہ آئیں گے
ہم لوٹنے کو خیمۂ اقدس میں جائیں گے

۱۰۴ یہ گل عذار دخترِ حیدر کی جان ہے
بہنوں کی زندگی ہے ، برادر کی جان ہے
بابا کی روح ہے ، تنِ مادر کی جان ہے
بے جاں کرو اسے کہ یہ سب گھر کی جان ہے
جوشن[۹۸] یہی ہے بازوے برنا و پیر کا
بعد اس کے خاتمہ ہے صغیر و کبیر کا

۱۰۵ یہ سن[۹۹] کے فوجِ کیں ہوئی آمادۂ نبرد
دردِ دلِ حسین[ع] کا تھا ایک کو نہ درد
غل سن کے ہو گیا شہِ والا کا رنگ زرد
کانپے جو پاؤں ، بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد
ماں گر پڑی زمیں پہ ، پھپھی بلبلا گئی
بدلی ستم کی واں علی اکبر پہ چھا گئی

۱۰۶ قرنا پھنکی سپاہ میں طبلِ وغا بجا
باندھے پرے سواروں نے بڑھ بڑھ کے جا بجا
پیدل چلے نبرد کو باجے بجا بجا
چلّائے اہلِ بیت کہ ہے ہے یہ کیا بجا
حضرت پکارے لال پہ اعدا کے ریلے ہیں
رانڈو دعا کرو ! علی اکبر اکیلے ہیں

۱۰۷ لڑنے کو آس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے
تنہا اِدھر سے اکبرِ عالی نسب بڑھے
چوسے[۱۰۰] قدم نہیب نے جھک کر یہ جب بڑھے
گویا پئے جہاد امیرِ عرب بڑھے
دہشت سے فوجِ شام کی بدلی سمٹ گئی
قدرت خدا کی ، دن جو بڑھا رات گھٹ گئی

۱۰۸
ڈھالوں[۱۰۱] کو رکھ کے چہروں پہ گر گر پڑے حسود
گو تھے کئی ہزار پہ کیا اُن کی ہست و بود
تھرّا گیا تمام جنودِ[۱۰۲] سقر ورود
نورِ خدا کے سامنے ظلمت کی کیا نمود
عبرت سپاہِ شام پہ دہ چند ہو گئی
باجوں کی فوجِ کیں کے صدا بند ہو گئی

۱۰۹
جرّار کی زرہ پہ لگے[۱۰۳] جب کئی خدنگ
صفدر نے پڑھ کے فاتحہ لی تیغِ شعلہ رنگ
چمکا اک آئنہ کہ ہوئی فوجِ شام دنگ
دکھلائے تیغِ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ
تھی[۱۰۴] کس کو تاب صاعقۂ شعلہ بار کی
یاد آ گئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

۱۱۰
تھم تھم[۱۰۵] کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر
جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر
کشتوں کے پشتے ہو گئے دم میں، سروں کے ڈھیر
اک سیل زور و شور سے آئی گزر گئی
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اول کدھر گئی

۱۱۱
جب یہ بڑھے لہو تنِ اعدا کا گھٹ گیا
باقی تھا جو حساب وہ لاشوں سے پٹ گیا
لشکر میں فرد فرد کا چہرہ جو کٹ گیا
بس دفعتاً سپاہ کا دفتر الٹ گیا
سر داخلِ خزانۂ سرکار ہو گئے
پہلا ہی جائزہ تھا کہ بیکار ہو گئے

۱۱۲ چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی
جو صف بھری ہوئی تھی وہ خالی نظر پڑی
سر پر سبھوں کے تیغِ ہلالی نظر پڑی
سوئے جنوب فوجِ شمالی نظر پڑی
غل تھا کہ تیغِ تیز نہیں، موت آتی ہے
کیونکر قدم تھمیں[۱۰۶] کہ زمیں سرکی جاتی ہے

۱۱۳ ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے اِدھر آدھر
چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے اِدھر آدھر
پیشِ نظر تھے خون کے تھالے اِدھر آدھر
ابتر تھے دشتِ کیں میں رسالے اِدھر آدھر
ملتا تھا فصل کا نہ ٹھکانا، نہ باب کا
شیرازہ کھل گیا تھا ستم کی کتاب کا

۱۱۴ بڑھ کر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی
چار آئنہ کٹا، زرہِ خیرہ سر[۱۰۷] کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفتِ نیشکر کٹی
سینہ کٹا، جگر ہوا زخمی، کمر کٹی
رہوار بھی دو نیم میانِ مصاف تھا
ان سب[۱۰۸] کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

۱۱۵ وہ گھاٹ باڑھ اور وہ اس کی چمک دمک
کانپی کبھی زمیں، کبھی تھرّا گئے فلک
شعلے میں[۱۰۹] یہ لپک تھی، نہ بجلی میں یہ چمک
ہر ضرب میں سما سے تلاطم تھا تا سمک
کونین میں حواس بجا تھے نہ ایک کے
گاو زمیں سمٹتی تھی گھٹنوں کو ٹیک کے

۱۱۶ سیدھی چلی وہ جب صفِ دشمن اُلٹ گئی
باقی تھی جتنی عمر تہِ تیغ کٹ گئی
آ کر زمیں پہ جب سوے گردوں پلٹ گئی
بجلی سے رعد ، رعد سے بجلی لپٹ گئی
گرتے تھے جن زمین پہ منہ ڈھانپ ڈھانپ کے
ہٹتے تھے جبرئیلِ امیں کانپ کانپ کے

۱۱۷ ملتا[110] نہ تھا صفوں میں عَلم کا نشاں کہیں
چلّے کہیں تھے ، شست کہیں اور کماں کہیں
نیزے کہیں تھے ، ڈانڈ کہیں اور سناں کہیں
جمدھر[111] کہیں ، کمند کہیں ، برچھیاں کہیں
اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کے پھولوں سے باغ تھا

۱۱۸ چمکی ، گری ، اُٹھی ، اِدھر آئی ، اُدھر گئی
خالی کیے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
کاٹے کبھی قدم ، کبھی بالاے سر گئی
ندی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی
اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہرِ صمد نہیں
ایسا تو رودِ نیل میں بھی جزر و مد نہیں

۱۱۹ سر خود سروں کے چنبرِ گردن سے اُڑ گئے
ہاتھ آستیں سے اُڑ گئے ، سر تن سے اُڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرند نشیمن سے اُڑ گئے
پائی جو راہ ، طائرِ جاں تن سے اُڑ گئے
تھے قتلِ عام پر علی اکبر تلے ہوئے
رستے تھے بند ، زخموں کے کوچے[112] کھلے ہوئے

۱۲۰ اللہ رے دوآبہ[113] تیغِ دو دم کا کاٹ
آفت تھی جس کی باڑھ ، قیامت تھا جس کا گھاٹ[114]
مقتل سے تا بہ نہر تھا دریائے خوں کا پاٹ
ہردم تھی اس کو تازہ لہو چاٹنے کی چاٹ
سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ
ہر استخواں کو مغز قلم[115] جانتی تھی وہ

۱۲۱ آئی جدھر پلٹ کے صفوں کو بچھا گئی
تن سے آڑا دیا وہیں سر[116] ، جس کو پا گئی
ہر اک[117] کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی
فولاد کی زرہ کو اشارے میں کھا گئی
چار آئنے کا کاٹ اسی پر[118] حوالہ تھا
ذکر اس کا کیا ہے ، خود تو منہ کا نوالہ تھا

۱۲۲ یارا قرار کا تھا ، نہ صورت فرار کی
پیدل کی موت تھی تو خرابی سوار کی
روئیں تنوں[119] کو تاب نہ تھی ایک وار کی
ٹکڑے تھے دو کے ہاتھ یہ گھائی تھی چار کی
آگے بڑھے تو منہ وہیں کٹ جائے گیو[120] کا
بجلی کی تھی کڑک کہ طمانچا تھا دیو کا

۱۲۳ اُتری زمیں پہ وہ سرِ دشمن پہ جب چڑھی
دم بھر میں آبِ تیغ کی ندی غضب چڑھی
اک شور تھا صفوں میں کب اُتری یہ کب چڑھی
سب کو بخارِ تیغ سے لرزے کی تب چڑھی
مقتل سے بھاگنے پہ تنک ظرف تُل گئے
کانپے یہ نیزہ باز کہ سب بند کھل گئے

۱۲۴ زندہ کسی کو تیغِ دو دم چھوڑتی نہ تھی
پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بے دم لیے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی
بھاگیں کہاں کہ سوت قدم چھوڑتی نہ تھی
خود وہ دبے جو لڑتے تھے گھوڑوں کو داب کے
بیڑی[۱۲۱] قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے

۱۲۵ قعرِ[۱۲۲] سقر میں کشتۂ ضربِ نخست تھے
بے سر ہوئے بہت جو لڑائی میں چست تھے
قبضے میں تھا نہ زور، نہ بازو درست تھے
کھینچیں کسے، کمانوں کے بازو بھی سست تھے
ہر کج نہاد تیرِ اجل کا نشانہ تھا
شانے بھی[۱۲۳] تھے قلم، یہ نیا شاخسانہ تھا

۱۲۶ تیغوں کو ڈر کے عربدہ جُو[۱۲۴] پھینکنے لگے
مِغفر سروں[۱۲۵] سے مثلِ سبو پھینکنے لگے
حلقے کماں کے سب لبِ جُو پھینکنے لگے
تنکا سمجھ[۱۲۶] کے تیر عدو پھینکنے لگے
ترکش[۱۲۷] بھی اہلِ ظلم کے آفت رسیدہ تھے
چِلّے بھی کش مکش میں کماں سے کشیدہ تھے

۱۲۷ کرتے تھے[۱۲۸] فتح جنگ کو جو ایک آن میں
رعشہ تھا ان کے ہاتھ میں لکنت زبان میں
اُلجھاتے تھے کمند، کمینے کماں میں
ترکش میں تیغیں رکھتے تھے نیزوں کو میان میں
تلوار رکھ کے ہاتھ سے منہ ڈھانپ لیتے تھے
آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

۱۲۸ بڑھتے تھے جو پرے[۱۲۹] سے بڑے بول ، بول کے
پہلے انھی کو مار لیا رول رول کے
حملے[۱۳۰] کیے جو تیغِ دو دم تول تول کے
ہتھیار سب نے پھینک دیے کھول کھول کے
اس شان سے کبھی نہ عجم ، نہ عرب لڑے
دو دن کی پیاس میں علی اکبر غضب لڑے

۱۲۹ دہشت[۱۳۱] سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے
اس گھاٹ پر جو آئے ، سر اُن کے اُتر گئے
رستہ تھا ایک ، اِدھر وہ گئے یا اُدھر گئے
ہر پھِر[۱۳۲] کے ہر طرف سے میانِ سقر گئے
نار اُن کے اشتیاق میں ، آب ان کی لاگ میں
پھینکا ہوا نے آب[۱۳۳] میں ، پانی نے آگ میں

۱۳۰ وہ حرب ، وہ شکوہ ، وہ شانِ پیمبری
نعرے وہ زور و شور کے ، وہ ضربِ حیدری
وہ تیغِ خونچکاں ، وہ جلالِ غضنفری
راکب جو رشکِ حور تو رہوار بھی پری
چالاک آہوانِ ختن اس قدر نہ تھے
اُڑ جاتا تھا ہُما کی طرح اور پر نہ تھے

۱۳۱ باریک جلد وہ کہ نظر آئے تن کا خوں
گنڈے[۱۳۴] کو دیکھ کر مہِ نو ہوئے سرنگوں
رفتار میں وہ سحر کہ پریوں کو ہو جنوں
غنچے بھی کچھ بڑے ہیں ، کنوتی کو کیا کہوں
قربان ہزار جاں ، فرسِ بے نظیر پر
سوفار[۱۳۵] دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

۱۳۲ کوتاہ و گِرد[۱۳۶] و صاف ، کنوتی ، کمر ، کَفَل
کیا خوشنما کشادگیِ سینہ و بغل
سیماب کی طرح نہیں آرام ، ایک پل
پھرتا[۱۳۷] تھا اس طرح کہ پھرے جس طرح سے کل
راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تارِ نفس بھی ، اس کے لیے تازیانہ تھا

۱۳۳ وہ جست و خیز و سرعت و چالاکیِ سمند
سانچے میں تھے ڈھلے ہوے سب اس کے جوڑ بند
سُم قرصِ ماہتاب سے روشن ہزار چند
نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ ، اُڑ گیا
پُتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

۱۳۴ آہو کی جَست ، شیر کی آمد ، پری کی چال
کبکِ دری خجل ، دلِ[۱۳۸] طاؤس پائمال
سبزہ سُبک[۱۳۹] روی میں قدم کے تلے نہال
اک دو قدم میں بھول گئے چوکڑی غزال
جو آ گیا[۱۴۰] قدم کے تلے گرد برد تھا
چھل بل غضب کی تھی کہ چھلاوا[۱۴۱] بھی گرد تھا

۱۳۵ بجلی کبھی بنا ، کبھی رہوار بن گیا
آیا عرق تو ابر گہربار بن گیا
گہ قطب ، گاہ گنبدِ دوّار بن گیا
نقطہ کبھی بنا ، کبھی پرکار بن گیا
حیراں[۱۴۲] تھے اس کی گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

۱۳۶ جب اِس جری نے قتل کیے پانچ سو[۱۴۳] جواں
ہر صف سے ، ہر پرے سے اٹھا شورِ[۱۴۴] الاماں
چِلّایا ابنِ سعدِ سیہ قلب و سخت جاں
نکلیں ، وہ دس ہزار کماں دار ہیں کہاں !
برچھی کا اب ہے کام ، نہ تلوار چاہیے
اس نوجواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیے

۱۳۷ فاقہ[۱۴۵] ہے تین روز کا ، سولہ پہر کی پیاس
دیکھے نبیرۂ اسد اللہ کے حواس ؟
دریا سے تم قریب ہو اور اس قدر ہراس
برساؤ تیر دور سے ، جاؤ نہ اس کے پاس
بپھرے ہوئے اسد کہیں تلوار کھاتے ہیں
جب اٹھ سکے نہ شیر تو نزدیک جاتے ہیں

۱۳۸ یہ سن کے تشنہ لب پہ چلے چار سو سے تیر
پتھر عقب سے پڑنے لگے ، روبرو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سپاہِ عدو سے تیر
سب سرخ تھے شبیہ نبی کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نورِعین پر
پروانے گر رہے تھے چراغِ حسین[۴] پر

۱۳۹ سینے پہ تیر کھا کے اٹھایا جو راہوار
بجلی چمک کے ہو گئی گویا فلک[۱۴۶] کے پار
سر خاک پر گرانے لگی تیغِ[۱۴۷] آب دار
تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا تھا جن پہ رخ ان کے تو پھر گئے
پر یہ پلٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

١٤٠. یوں آ گیا سنانوں میں وہ آسماں جناب
ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیرِ آب
طاقت بھی فرطِ ضعف سے دینے لگی جواب
آمد ہوئی جو غش کی سرِ پاک جھک گیا
واحسرتا! کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رک گیا

١٤١. اِس[١٤٨] حال میں بھی تیغ سے کیں برچھیاں قلم
لیکن جگر پہ لگ گیا اک نیزۂ ستم
زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بہ دم
نکلے ہوئے رکابوں سے تھرّاتے تھے قدم
کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ تکاں کے ساتھ
دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

١٤٢. نیزہ لگا کے بھاگ چلا تھا وہ نابکار
قربانِ جرأتِ پسرِ شاہ[١٤٩] نام دار
زخمِ سناں تھا سینۂ انور کے وار پار
ماری شقی کو دوڑ کے اک تیغِ آب دار
پہنچوں سے اس کے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے

١٤٣. گرنا تھا بس کہ سر پہ لگا گُرز، ہے ستم
یوں جھک گئے کہ ہوتے ہیں سجدے میں جیسے خم
رکھ دی گلے پہ شیث نے شمشیرِ تیز دم
تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم
غل تھا کرو نہ رحم تنِ پاش پاش پر
دوڑا دو گھوڑے اکبرِ مہ رو کی لاش پر

۱۴۴ حضرت کھڑے تھے خیمے کی پکڑے ہوئے طناب
سن کر یہ غل ، رہی نہ دلِ ناتواں کو تاب
ناگاہ آئی رن سے صدا اے فلک جناب!
بیٹا جہاں سے جاتا ہے اب آئیے شتاب!
لاشے پہ ظلم و جور بد افعال کرتے ہیں
گھوڑوں سے اہلِ کیں ہمیں پامال کرتے ہیں

۱۴۵ سن کر یہ استغاثۂ فرزندِ خوش خصال
سیدؑ نے آہ کی کہ ہلا عرشِ ذوالجلال
کھولے جنابِ فاطمہؑ کی بیٹیوں نے بال
بانو پکاری خیر تو ہے اے علیؑ کے لال؟
ہے ہے پسر سے کون سی مادر بچھڑ گئی
صاحب! بتاؤ ، کیا مری بستی اجڑ گئی؟

۱۴۶ نیزے سے کس کے لال کا زخمی ہوا جگر
کرتے ہیں کس کی لاش کو پامال اہلِ شر
کہتا ہے کون رن میں تڑپ کر "پدر پدر"
اب گھر سے میں نکلتی ہوں ، ہے ہے مرا پسر!
پردہ نہ مجھ سے کیجیے سب جانتی ہوں میں
آواز یہ آسی کی ہے ، پہچانتی، ہوں میں

۱۴۷ بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہِ نام دار
وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار
دل تھا الٹ پلٹ تو کلیجا تھا بے قرار
اٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار
چلاتے تھے ، شبیہِ پیمبر! ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبر! ہم آتے ہیں

۱۴۸ بیٹا[۱۴۰] پکارو پھر کہ بصارت میں فرق ہے
اے نورِ عین! جسم کی طاقت میں فرق ہے
تم یہ نہ جانیو کہ محبت میں فرق ہے
زخمی ہے قلب، روح کی راحت میں فرق ہے
داغِ جگر ملا ہمیں[۱۵۱] گودی میں پال کے
کس کو دکھاؤں اپنا کلیجا نکال کے

۱۴۹ آؤں کدھر کو، اے علی اکبر جواب دو
چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ مادر، جواب دو
اکبر! برائے خالقِ اکبر جواب دو
بیٹا! [۱۵۲] جواب دو، مرے دل بسر، جواب دو
گرتے ہیں ہم ثواب کا ہاتھوں سے کام لو
بیٹا! ضعیف باپ کے بازو کو تھام لو

۱۵۰ کچھ[۱۵۳] سوجھتا نہیں، میں[۱۵۴] کدھر جاؤں، کیا کروں!
اے نورِ چشم تجھ کو کہاں پاؤں، کیا کروں!
مضطر ہے جان و دل کسے سمجھاؤں، کیا کروں!
کیونکر پسر کو ڈھونڈھ کے میں لاؤں، کیا کروں!
پایا تھا[۱۵۵] مدتوں میں جسے خاک چھان کے
وہ لعل ہم نے کھو دیا جنگل میں آن کے

۱۵۱ بس اب خبر حسین کی لے جلد اے اجل
اے جسمِ زار، زیست کا باقی نہیں محل
اے جانِ ناتواں تنِ مجروح سے نکل
ہاں اے نفس چھری کی طرح سے گلے پہ چل
چھوٹے نہ اس کا ساتھ جو پیری کی آس ہو
لاشہ بھی لاشۂ علی اکبر کے پاس ہو

۱۵۲
جنگل سے بے حواس پھرے ، نہر پر گئے
واں بھی جو وہ گُہر نہ ملا ، سوے بر گئے
دوڑے کسی طرف تو کسی جا ٹھہر گئے
تھالے ملے لہو کے برابر جدھر گئے
ٹپکا ہوا زمیں پہ جگر کا لہو ملا
لیکن کہیں نہ وہ پسرِ ماہ رُو ملا

۱۵۳
جا کر صفوں کے پاس پکارے بہ اشک و آہ
ہے کس طرف ، مرے علی اکبر کی قتل گاہ ؟
اے ظالمو ! یہ شب ہے کہ دن ہو گیا سیاہ ؟
کس ابر میں چھپا ہے مرا چودھویں کا ماہ
بتلاؤ ! جان ہے کہ نہیں جسمِ زار میں
زخمی پڑا ہے شیر مرا کس کچھار میں ؟

۱۵۴
لاشِ [۱۰۶]پسر کو ڈونڈھتے تھے شاہِ بحر و بر
سر پیٹنے کی جا ہے کہ ہنستے تھے اہلِ شر
کہتا تھا شمر ، اے پسرِ سیّدالبشر !
کس کو حضور ڈھونڈھتے[۱۰۷] ہیں ، مر گیا پسر
خود ڈھونڈھ لیجیے جسدِ پاش پاش کو
بتلائیں گے نہ ہم علی اکبرؑ کی لاش کو

۱۵۵
یہ سن کے کھینچ لی شہِ والا نے ذوالفقار
چمکی جو برقِ تیغ تو بھاگے ستم شعار
شہ کو نظر پڑا علی اکبر کا راہوار
چلّائے اے عقاب ! کدھر ہے ترا سوار ؟
دکھلا دے مجھ کو لاش مرے نورِ عین کی
کس دشت میں پڑی ہے بضاعت حسینؑ کی

۱۵۶ ملنے دے ان رکابوں کے حلقوں سے چشمِ نم
ہے ہے اِسی میں تھے مرے فرزند کے قدم
بوسے تری لگام[۱۵۸] کے لوں ، میں اسیرِ غم
اکبر کے ہاتھ میں تھی یہی باگ ہے ستم !
ہے ہے[۱۵۹] ، وہ ہاتھ پاؤں مرے آفتاب کے
قرباں تری لگام کے ، صدقے رکاب کے

۱۵۷ گھوڑے نے ہنہنا کے سوئے دشت کی نظر
یعنی کہ لاش آپ کے پیارے کی ہے آدھر
جاتا تھا آگے آگے وہ تازی بہ چشمِ تر
گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے سلطانِ[۱۶۰] بحر و بر
جنگل میں لاشۂ پسرِ نوجواں ملا
وہ مہ لقا ملا تو مگر نیم جاں ملا

۱۵۸ دیکھی عجیب حالتِ فرزندِ نوجواں
پیکاں گلے میں ، ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زباں
تن پر جراحتِ تبر و خنجر و سناں
گردن تھی[۱۶۱] کج ، پھری ہوئی آنکھوں کی پُتلیاں
ٹاپوں سے مرکبوں کی جراحت پھٹے ہوئے
چہرہ سفید ، خاک میں گیسو اٹے ہوئے

۱۵۹ ہچکی کے ساتھ کہتے ہیں وا کرکے چشمِ تر
اے جان[۱۶۲] جسمِ زار میں اور ایک دم ٹھہر
اے موت بے وطن کی جوانی پہ رحم کر
اے درد تھم ذرا کہ پھٹا[۱۶۳] جاتا ہے جگر
پھر ایک بار سیدِ والا کو دیکھ لوں
مہلت بس اتنی دے کہ میں بابا کو دیکھ لوں

١٦٠ دشمن کو بھی نہ بیٹے کا لاشہ خدا دکھائے
حضرت زمیں پہ گر کے پکارے کہ ہائے ہائے!
زندہ رہے یہ پیر، جواں یوں جہاں سے جائے
اے لال، تین روز کے فاقے میں زخم کھائے
شاید جگر کے زخم سے تم بےقرار ہو
زخمی تمھاری چھاتی[۱۶۴] پہ بابا نثار ہو

١٦١ کیوں کھینچتے ہو پاؤں کو اے میرے گل عذار
کیوں ہاتھ اٹھا اٹھا کے پٹکتے ہو بار بار؟
آنکھیں تو کھول دو کہ مرا دل ہے بے قرار
بیٹا! [۱۶۵]تمھاری ماں کو تمھارا ہے انتظار
بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے[۱۶۶] اشتیاق میں
اکبر! تمھاری ماں نہ جیے گی فراق میں

١٦٢ غش میں سنا جونہی علی اکبر نے ماں کا نام
کس یاس کی نگاہ سے دیکھا سوے خیام
سوکھی[۱۶۷] زباں دکھا کے یہ بولا وہ تشنہ کام
شدت یہ پیاس کی ہے کہ دشوار ہے کلام
اب اور[۱۶۸] کوئی دم کا پسر میہماں ہے
امداد یا حسین! کہ پانی میں جان ہے

١٦٣ فرمایا شہ نے اے علی اکبر، میں کیا کروں
پانی نہیں ہے مجھ کو میسّر، میں کیا کروں
گھیرے ہیں نہر کو یہ ستم گر، میں کیا کروں
کچھ بس نہیں مرا مرے دل بر، میں کیا کروں
اعدا نہ دیں گے بوند اگر لاکھ کد کریں
بیٹا! تمھاری ساقیِ کوثر مدد کریں

۱۶۴ حضرت یہ کہتے تھے کہ چلا خلق سے پسر
اتنی زباں ہلی کہ "خدا حافظ ، اے پدر"
ہچکی جو آئی ، تھام لیا ہاتھ[۱۶۹] سے جگر
انگڑائی لے کے ، رکھ دیا شہ کے قدم پہ سر
آباد گھر لٹا شہِ والا کے سامنے
بیٹے کا دم نکل گیا بابا کے سامنے

۱۶۵ لکھتا ہے ایک راویِ غمگین و پُر ملال
یعنی ادھر ہوا علی اکبر کا انتقال
نکلی[۱۷۰] حرم سے ایک زنِ فاطمہ جمال
گویا جنابِ سیّدہ کھولے ہوئے تھیں بال
تھی[۱۷۱] اس طرح سے رخ پہ ضیا اس جناب کے
حلقہ ہو جیسے نور کا گرد آفتاب کے

۱۶۶ چِلّاتی تھی ارے میرا پیارا ہے کس طرف ؟
اے آسماں ! وہ عرش کا تارا ہے کس طرف ؟
اے ابرِ شام ، چاند ہمارا ہے کس طرف ؟
اے ارضِ کربلا ! وہ سدھارا ہے کس طرف ؟
ہے ہے ، سناں سے جان گئی میہماں کی
میّت کدھر کو ہے مرے کڑیل جواں کی ؟

۱۶۷ اے میرے لمبے گیسوؤں والے ، کدھر ہے تو ؟
ہے ہے مرے غریبی کے پالے ، کدھر ہے تو ؟
واری ! کہاں لگے تجھے بھالے ، کدھر ہے تو ؟
کیونکر پھپھی جگر کو سنبھالے ، کدھر ہے تو ؟
اٹھارھواں برس تھا کہ موت آ گئی تجھے
اے نورِ عین کس کی نظر کھا گئی تجھے

۱۶۸ ہے ہے مرے سعید و رشید و متیں جواں
خوش رو جواں ، غریب جواں ، مہ جبیں جواں
صفدر جواں ، شکیل جواں ، نازنیں جواں
کس نے تجھے مڑوڑ لیا ، اے حسیں جواں
آغاز تھیں[۱۷۲] مسیں ، ابھی ایسے مسن نہ تھے
بچتے مرے ! ابھی ترے مرنے کے دن نہ تھے

۱۶۹ یہ بین کرتی جاتی تھی وہ سوختہ جگر
سیدانیوں کا غول تھا ، پیچھے برہنہ سر
جاتی تھی بےحواس اِدھر سے وہ نوحہ گر
آئے اُدھر سے لاش لیے شاہِ بحر و بر
دیکھا لہو رواں جو تنِ پاش پاش سے
سب بی بیاں لپٹ گئیں اکبر کی لاش سے

۱۷۰ ہاں شاہِ دیں[۱۷۳] کے تعزیہ دارو ! بُکا کرو
ہاں ، اے خدا کے دوست کے پیارو ! بُکا کرو
ماتم میں ہاتھ سینے[۱۷۴] پہ مارو ، بُکا کرو
اکبر جہاں سے اٹھ گئے یارو ! بُکا کرو
سمجھو[۱۷۵] شریکِ بزم شہہ مشرقین کو
دے لو جوان بیٹے کا پُرسا حسین کو

۱۷۱ اولاد[۱۷۶] والو ! دردکرو شہہ کے دل کا یاد
نہ آج کی خبر ہے ، نہ ہے کل کا اعتماد
کیسا تڑپتے ہوئیں گے شبیّرِ خوش نہاد
بیٹا جہاں سے اٹھ گیا ناشاد و نامراد
خوش رُو تھے ، خوش مزاج تھے ، شیریں بیان تھے
پیٹو جوانو ! اکبرِ مہرو جوان تھے

۱۷۲ ہے ہے حسینؑ! آپ کا دل بر بچھڑ گیا
فریاد ہے، شبیہہ پیمبر بچھڑ گیا
وا حیف! وا دریغ! دلاور بچھڑ گیا
دردا! و حسرتا! علی اکبر بچھڑ گیا
مظلومیت پہ، تشنہ دہانی پہ روئیں گے
جب تک جئیں گے اُس کی جوانی پہ روئیں گے

۱۷۳ آقا! انیسؔ ہند میں کب تک پھرے[۱۷۷] تباہ
گھٹتی ہے عمر، بڑھتے چلے جاتے ہیں گناہ
ضعف اِس برس بہت ہے، اجل آ نہ جائے، آہ!
بُلوائیے غلام کو اے میرے بادشاہ
قربِ مزارِ شاہِ دو عالم[۱۷۸] نصیب ہو
بس کربلا میں اب کی محرّم نصیب ہو

۹

نمکِ خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری

۱۰۳ بند ، بحرِرمل

(جنگ اور شہادتِ امام حسین)

مراجع

۱ - قلمی نسخہ : فل سکیپ سائز پر چار بند فی صفحہ - کاتب خوش خط ، عموماً صحیح نویس - تاریخ و کاتب کا نام تحریر نہیں ہے - روشنائی اور کاغذ کی عمر پچاس ساٹھ سال سے زیادہ ہے -

۲ - مراثیِ انیس : جلد اول ، طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور -

۳ - مراثیِ انیس : جلد اول ، نظامی پریس بدایوں ، ۱۹۲۲ء ، صفحہ ۱۵ ۳ -

۴ - روحِ انیس : مرتبہٗ پروفیسر سید مسعود حسن ادیب ، مطبوعہ لکھنو ، کتاب نگر ، طبع دوم ، صفحہ ۲۰۱ -

۵ - مراثیِ انیس : جلد ششم ، طبع کراچی ، صفحہ ۱۹۷ - مقابلے سے معلوم ہوا کہ زیرِ نظر قلمی نسخہ اور جلد ششم میں مشمولہ متن باہم مطابق ہیں اور قدامتِ کتابت و تاریخِ طباعت کے لحاظ سے یہ مطابقت میرے لیے اہم ہے - دوسرا متن مولانا علی حیدر صاحب اور مسعود حسن صاحب کے مجموعوں میں ہے جو باہم مطابق ہیں - بظاہر ان حضرات کے نسخے بھی اہم ہوں گے لیکن دونوں بزرگوں نے اپنے ماخذ و مراجع کی تفصیل نہیں بتائی لہذا سردست مجھے زیرِ نظر خطی نسخے کو مقدم سمجھنے میں کوئی خاص امر مانع نہیں ہے -

تبصرہ

یہ مرثیہ میر انیس نے اپنے صاحبزادے میرعسکری رئیس کو کہہ کر دیا تھا ، مگر اس پائے کا مرثیہ رئیس کے منہ پر کیا پھبتا ۔ آخر حقیقت کھل گئی اور میر انیس نے چہرے کے بندوں کو اپنے حسبِ حال بنانے کے لیے تیسرے بند کے چوتھے مصرع اور آٹھویں بند کے پہلے مصرع میں ضروری ترمیم کر دی ، مگر پہلے (ہمارے مرثیے میں دوسرے) بند کی بیت جو ہر شخص کی زبان پر چڑھ گئی تھی ، اصل حالت میں رہنے دی ۔ حالانکہ اس سے دوسرے مصرع میں بھی ترمیم ضروری تھی ، کیونکہ انیس تک پانچ نہیں چار پشتیں گزری تھیں ۔

جناب ادیب کی مندرجہ بالا روایت لکھنؤ میں مشہور ہے ۔

میرے خیال میں "مرثیہ پڑھنے کے لیے دینے" اور "مرثیہ دینے" میں فرق ہے ۔ ہو سکتا ہے رئیس کے لیے دس بیس بند لکھ کر پیش‌خوانی کو دیے ہوں اور رئیس نے وہ پڑھے بھی ہوں ۔ اس کے بعد میر صاحب نے مرثیہ مکمل کیا ۔ یہ مکمل مرثیہ رئیس سے کوئی نسبت نہیں رکھتا ۔ بحالتِ موجودہ اور بروایاتِ مرثیہ ، کوئی بند بھی ایسا نہیں جو نو عمر "رئیس" کی زبان سے موزوں ہو ۔ جب آج یہ بات واضح ہے تو معاصرین کے لیے کیسے چھپ سکتی تھی اور رئیس یا انیس ایسی کھلی مغالطہ انگیزی کیسے پسند کر سکتے تھے ۔

میرے خیال میں "پانچویں پشت ہے شبیّر کی مدّاحی میں" اور "عمِ ذی قدر ثناخوانوں میں یکتا مدّاح" میر صاحب ہی کے قلم سے

ہیں ۔ صرف آٹھواں بند کسی نوآموز کی زبان سے اچھا لگتا ہے ۔ خلاصہ یہ کہ مرثیہ انیس کا ہے جو انھوں نے اپنے لیے لکھا مگر رئیس سے بھی پڑھوایا ہوگا ۔ بلکہ بظاہر اس مرثیے میں انیس زیادہ قوت اور بھرپور "انا" کے ساتھ سامنے آتے ہیں ۔

انیس کو اپنی ذات و صفات دونوں پر ناز ہے ۔ انیس اپنے فن کو شعوری طور پر سمجھتے ہیں ۔ خوش قسمتی سے ان کے نظریاتِ فن واضح ہیں اور وہ نظریات صرف فلسفہ نہیں بلکہ عمل پر مبنی ہیں ۔ انیس اپنے وجدان ، اپنی فکر ، اپنی آپچ کے بارے میں مکمل اطلاع رکھتے ہیں اور فنی روایات کا سہارا لے کر اپنے مرثیے کو آب و تاب دیتے ہیں ۔ "آب" زبان سے ، جو کوثر و تسنیم میں دُھلی ہوئی ہے اور "تاب" اپنے جذبے سے جو عقیدے کے نور سے چمک رہا ہے ۔ انھیں اظہار و ابلاغ اور زبان و بیان پر مکمل قدرت حاصل ہے ۔ مرثیے کے اوصاف ، نظم کے خصوصیات ، ہیئت کے بارے میں شاعر کا خیال ، مواد کے متعلق نظم نگار کا تصور لکھ کر انیس نے انتقاد و مطالعہ کے متعدد پہلو روشن کر دیے ہیں ۔ انیس سے پہلے تو خیر ، ان کے بعد بھی کسی طویل نظم لکھنے والے نے اس قسم کے خیالات اس لہجے میں کم ہی لکھے ہوں گے ۔ اپنی شاعری کے عوامل و اصول پر اس مرثیے میں کم و بیش چودہ بند کہے ہیں اور ان میں حقائق ہی ہیں ، غلط بیانی نہیں ۔

مصوری انیس کا فن ہے ۔ اس مرثیے میں چار مصرعے دیکھیے ۔ ایک مصرع زمین اور رنگ کا تاثر دے کر نظر موڑتا ہے اور دوسرا مصرع متحرک اور جاندار تصویر کا :

قلمِ فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ
شمعِ تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ

اور اس کے مقابلے میں :

رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

واقعہ یہ ہے کہ سایہ و نور اور طرۂ حور کے مُو قلم سے انیس کا مرقع ، فکروفن کی منہ بولتی تصویر بن جاتا ہے ۔ اس کا کمال دیکھنا ہو تو حضرت عباس ، حضرت علی اکبر ، حضرت قاسم ، حضرت عون و محمد اور فرسِ امام کی تعریف و سراپا دیکھیے ۔

تین بند صبح کا منظر پیش کرتے ہیں ۔ اٹھارہ بند نماز اور نمازیوں کے تذکرے اور انصار و اعزہ کے اوصاف اور انسانی کردار کے تعارف میں ہیں ۔ باقی اجزا یہ ہیں :

پرچم ، مکالمات ، میدانِ جنگ کی تیاری ، جنگ کا مختصر بیان گیارہ بندوں میں ۔ امام حسین کا جہاد ، تلوار ، دشمنوں کی یلغار ، آوازوں اور صداؤں کی گونج تقریباً پندرہ بند ۔ بَین کے تین بند ۔

مرثیے کی خصوصیت مرکب مناظر ، متحارب افراد ، تیز حرکت اور تیز رنگ ہیں ۔ مرثیے میں کل ایک سو تین بند ہیں اور سب مرصّع ۔

مرتضیٰ حسین ، فاضل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱ نمکِ خوانِ تکلّم ہے فصاحت میری
ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری
رنگ اُڑتے ہیں ، وہ رنگیں ہے عبارت میری
شور جس کا ہے ، وہ دریا ہے طبیعت میری
دردِ سر[1] ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں
بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

۲ ایک قطرے کو جو دوں بسط[2] تو قلزم کردوں
بحرِ مّواجِ فصاحت میں[3] تلاطم کر دوں
ماہ کو مہر کروں ، ذروں کو انجم کر دوں
گُنگ کو ماہرِ اندازِ تکلّم کر دوں
عمر[4] گذری ہے اِسی دشت کی سیّاحی میں
پانچویں[5] پشت ہے شبّیر کی مدّاحی میں

۳ صورتِ[6] سرو ، ازل سے ہے سراپا موزوں
طبع ہر ایک کی موزوں ، قدِ زیبا موزوں
نثر بے سجع[7] نہیں نظم معلّا موزوں
کہیں "سکتہ"[8] نہیں آ سکتا ، کجا ناموزوں
تول لے عقل کی میزاں میں جو فہمیدہ ہے
بات منہ سے جو نکلتی ہے وہ سنجیدہ ہے

۴ اِس[۹] ثناخواں کے[۹] بزرگوں میں ہیں کیا کیا مدّاح
جدِّ اعلیٰ سے نہ ہوگا کوئی اعلیٰ مدّاح
باپ مدّاح کا مدّاح ہے، دادا مدّاح
عمِّ ذی قدر[۱۰] ثنا خوانوں میں یکتا مدّاح
جو عنایاتِ الٰہی سے ہوا، نیک ہوا
نام بڑھتا گیا، جب ایک کے بعد ایک ہوا

۵ خلق میں مثلِ خلیق اور تھا خوش گو کوئی کب؟
نام لے، دھولے زباں کوثر و تسنیم سے جب
بلبلِ گلشنِ زہرا[ؑ] و علی[ؑ]، عاشقِ رب
متتبع[۱۱] مرثیہ گوئی میں ہوے جس کے سب
ہو[۱۲] اگر ذہن میں جودت ہے کہ موزونی ہے
اس احاطے سے جو باہر ہے، وہ بیرونی ہے

۶ بھائی وہ[۱۳]، مونسِ خوش لہجہ و پاکیزہ خصال
جن[۱۴] کا سینہ گہرِ علم سے ہے مالا مال
یہ فصاحت، یہ بلاغت، یہ سلاست یہ کمال
معجزہ[۱۵]، گر نہ اسے کہیے، تو ہے سحرِ حلال
اپنے موقع پہ جسے دیکھیے لاثانی ہے
لطف حضرت کا ہے یہ، رحمتِ یزدانی[۱۶] ہے

۷ کیوں نہ ہو، بندۂ موروثیٔ مولا ہوں میں
قلزمِ رحمتِ معبود کا قطرا ہوں میں
جس میں لاکھوں در و مرجاں ہیں وہ دریا ہوں میں
مدح خوانِ پسرِ حضرتِ زہرا[ؑ] ہوں میں
وصف جوہر کا کروں یا صفتِ ذات کروں
اپنے رتبے پہ نہ کیوں فخر و مباہات کروں

۸ مبتدی[۱۷] ہوں ، مجھے توقیر عطا کر یارب !
شوقِ مدّاحیِ شبّیر عطا کر یارب !
سنگ[۱۸] ہو موم ، وہ تقریر عطا کر یارب !
نظم میں رونے کی تاثیر عطا کر یارب !
جدّ و آبا کے سوا[۱۹] اور کی تقلید نہ ہو
لفظ مغلق[۲۰] نہ ہوں ، گنجلک نہ ہو ، تعقید نہ ہو

۹ وہ مرقّع[۲۱] ہو کہ دیکھیں جو اسے اہلِ شعور
ہر ورق میں کہیں سایہ نظر آئے ، کہیں نور
غل ہو ، یہ ہے کششِ مُوقلمِ طرۂ حور
صاف ہر رنگ سے ہو قدرتِ صانع کا ظہور
کوئی ناظر جو یہ نایاب نظیریں سمجھے
نقش ارژنگ[۲۲] کو کاواک لکیریں سمجھے

۱۰ قلمِ[۲۳] فکر سے کھینچوں جو کسی بزم کا رنگ
شمعِ تصویر پہ گرنے لگیں آ آ کے پتنگ
صاف حیرت زدہ مانی ہو تو بہزاد ہو دنگ
خوں برستا نظر آئے جو دکھادوں صفِ جنگ
رزم ایسی ہو کہ دل سب کے پھڑک جائیں ابھی
بجلیاں تیغوں کی آنکھوں میں چمک جائیں ابھی

۱۱ روزمّرہ شرفا کا ہو ، سلاست ہو وہی
لب و لہجہ وہی سارا ہو ، متانت ہو وہی
سامعیں جلد سمجھ لیں جسے ، صنعت ہو وہی
یعنی موقع ہو جہاں جس کا ، عبارت ہو وہی
لفظ بھی چست ہوں ، مضمون بھی عالی ہووے
مرثیہ ، درد کی باتوں سے نہ خالی ہووے

۱۲ ہے کجی عیب ، مگر حسن ہے ابرو کے لیے
سرمہ زیبا ہے فقط نرگسِ جادو کے لیے
تیرگی بد ہے ، مگر نیک ہے گیسو کے لیے
زیب ہے خال سیہ ، چہرۂ گل رو کے لیے
داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر[۲۴] نکتہ مقامے دارد

۱۳ بزم کا رنگ جدا ، رزم کا میداں ہے جدا
یہ چمن اور ہے ، زخموں کا گلستاں ہے جدا
فہم کامل ہو تو ہر نامے کا عنواں ہے جدا
مختصر پڑھ کے رلا دینے کا ساماں ہے جدا
دبدبہ بھی ہو ، مصائب بھی ہوں ، توصیف بھی ہو
دل بھی محظوظ ہوں، رقت[۲۵] بھی ہو،تعریف بھی ہو

۱۴ ماجرا[۲۶] صبحِ شہادت کا بیاں کرتا ہوں
رنج و اندوہ و مصیبت کا بیاں کرتا ہوں
تشنہ کاموں کی عبادت کا بیاں کرتا ہوں
جاں نثاروں کی اطاعت کا بیاں کرتا ہوں
جن کا ہمتا نہیں ، اک ایک مصاحب ایسا
ایسے بندے نہ کبھی ہوں گے ، نہ صاحب ایسا

۱۵ صبحِ صادق کا ہوا چرخ پہ جس وقت ظہور
زمزمے کرنے لگے یادِ الٰہی میں طیور
مثلِ خورشید برآمد ہوئے خیمے سے حضور
یک بیک پھیل گیا چار طرف دشت میں نور
شش جہت میں رخِ مولیٰ سے ظہورِ حق تھا
صبح کا ذکر ہے کیا ، چاند کا چہرا فق تھا

۱۶ ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں ، وہ بیاباں ، وہ سحر
دم بدم جھومتے تھے وجد کے عالم میں شجر
اوس نے فرشِ زمرّد پہ بچھائے تھے گُہر
لوٹی جاتی تھی لہکتے ہوئے سبزے پہ نظر
دشت سے جھوم کے جب بادِ صبا آتی تھی
صاف غنچوں کے چٹکنے کی صدا آتی تھی

۱۷ بلبلوں کی وہ صدائیں ، وہ گلوں کی خوشبو
دل کو الجھاتے تھے سنبل کے وہ پُرخم گیسو
فاختہ کہتی تھی شمشاد پہ "یا ھو ، یا ھو"
سرو سے آتی تھی قُمری کی صدا "کوکوکو"
وقت تسبیح کا تھا ، عشق کا دم بھرتے تھے
اپنے معبود کی سب حمد و ثنا کرتے تھے

۱۸ آئے سجّادۂ طاعت پہ امامِ دو جہاں
اس طرف طبل بجا ، یاں ہوئی لشکر میں اذاں
وہ مصلّی[۲۷] کہ زباں جن کی حدیث و قرآں
وہ نمازیں کہ جو ایماں کے تنِ پاک کی جاں
زاہد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں
عابد ایسے تھے کہ سجدے کیے تلواروں میں

۱۹ عرشِ اعظم کو ہلاتی تھیں دعائیں اُن کی
وجد کرتے تھے مَلک سن کے صدائیں اُن کی
وہ عمامے ، وہ قبائیں ، وہ عبائیں اُن کی
حوریں لیتی تھیں بصد شوق بلائیں اُن کی
ذکرِ خالق میں لب اُن کے جو ہلے جاتے تھے
غنچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے

۲۰ کیا جوانانِ خوش اطوار تھے ، سبحان اللہ !
کیا رفیقانِ وفادار تھے ، سبحان اللہ !
صفدر و غازی و جرّار تھے ، سبحان اللہ !
زاہد و عابد و ابرار تھے ، سبحان اللہ !
زن و فرزند سے فرقت ہوئی ، مسکن چھوڑا
مگر احمدؐ کے نواسے کا نہ دامن چھوڑا

۲ اللہ اللہ ! عجب فوج ، عجب غازی تھے
عجب اسوار تھے بے مثل ، عجب تازی تھے
لائقِ[۲۸] مدح و سزاوارِ سرافرازی تھے
گو بہت کم تھے ، پہ آمادۂ جاں‌بازی تھے
پیاس ایسی تھی کہ آ گئی جاں ہونٹوں پر
صابر ایسے تھے کہ پھیری نہ زباں ہونٹوں پر

۲۰ زہد میں حضرتِ سلماں کے برابر تھا کوئی
دولتِ فقر و قناعت میں ابوذر تھا کوئی
صدقِ گفتار میں عمّار کا ہم سر تھا کوئی
حمزۂ عصر کوئی ، مالکِ اشتر[۲۹] تھا کوئی
ہوں گے ایسے ہی محمدؐ کے جو شیدا ہوں گے
پھر جہاد ایسا نہ ہوگا ، نہ وہ پیدا ہوں گے

۲۳ گو مصیبت میں ، تلاطم میں ، تباہی میں رہے
سر کٹے ، پاؤں مگر راہِ الٰہی میں رہے
یوں سرافراز وہ سب لشکرِ شاہی میں رہے
جس طرح تیغِ دو دم دستِ سپاہی میں رہے
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکی اُن کو
آبرو ، ساقیِ کوثر نے عطا کی اُن کو

۲۴ وہ تخشّع[۳۰]، وہ تضرّع ، وہ رکوع اور وہ سجود
وہ تذلّل ، وہ دعائیں ، وہ قیام اور وہ قعود
یاد حق قلب میں ، سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود
یہ دعا خالقِ اکبر سے کہ اے ربِ ودود !
یوں لٹیں ہم کہ نہ آل اور نہ اولاد رہے
مگر احمدؐ کے نواسے کا گھر آباد رہے

۲۵ موم فولاد ہو ، آوازوں میں وہ سوز و گداز
اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز
سر تو سجّادوں پہ تھے ، عرشِ معلیٰ پہ نماز
شیر دل ، منتخبِ دہر ، وحید[۳۱] و ممتاز
چاند شرمندہ ہو ، چہرے متجلّی[۳۲] ایسے
نہ امام ایسا ہوا پھر ، نہ مصلّی ایسے

۲۶ جب فریضے کو ادا کر چکے وہ خوش کردار
کَس کے کمروں کو بصد شوق لگائے ہتھیار
جلوہ فرما ہوئے گھوڑے پہ شہِ عرش وقار
علمِ فوج کو عبّاس نے کھولا اک بار
دشت میں نکہتِ فردوسِ بریں آنے لگی
عرش تک اس کے پھریرے کی ہوا جانے لگی

۲۷ لہر وہ سبز پھریرے کی ، وہ پنجے کی چمک
شرم سے ابر میں چھپ جاتا تھا خورشید فلک
کہتے تھے "صلِّ علیٰ" عرش[۳۳] پہ اٹھ اٹھ کے ملک
دنگ تھے سب ، وہ سماں[۳۴] سے تھا سماں تا بہ سمک
کبھی پستی اسے جو اوج ہُما نے دیکھا
وہ سماں پھر نہ کبھی ارض و سما نے دیکھا

۲۸ اس طرح جب عَلمِ دلبرِ زہرا[۳۴] جائے
کس سے پھر معرکۂ رزم میں ٹھہرا جائے
سانپ دشمن کی نہ کیوں چھاتی پہ لہرا جائے
لہر میں تا بہ فلک جس کا پھریرا جائے
رفعِ شر کو عَلمِ خیرِ بشرؐ آیا تھا
سورۂ نصر[۳۵] ، پئے فتح و ظفر آیا تھا

۲۹ وہ عَلم دار کہ جو شیرِ الٰہی کا خلف
گوہرِ بحرِ وفا ، نیّرِ دیں ، دُرِ[۳۶] نجف
فخرِ حمزہ سے نمودار کا ، جعفر کا شرف
کس طرح چاند کہوں ، چاند میں ہے عیبِ کلف
کس نے پایا تھا جو تھا جاہ و حشَم ان کے لیے
یہ عَلم کے لیے تھے اور عَلم ان کے لیے

۳۰ سرو شرمائے ، قد اِس طرح کا ، قامت ایسی
اسداللہ کی تصویر تھے ، صورت ایسی
شیر نعروں سے دہل جاتے تھے ، صولت ایسی
جا کے پانی نہ پیا نہر پہ[۳۷] ، ہمّت ایسی
جان جب تک تھی ، اطاعت میں رہے بھائی کی
تھے علم دار ، مگر پیاسوں کی سقّائی کی

۳۱ وہ بہشتی نے کیا ، جس کو ''وفا'' کہتے ہیں
سب انھیں ''عاشقِ شاہِ شہدا'' کہتے ہیں
جو بہادر ہیں وہ ''شمشیرِ خدا'' کہتے ہیں
آن کو قبلہ ، تو اِنھیں قبلہ نما کہتے ہیں
عشقِ سردار و عَلم دار کا افسانہ ہے
وہ چراغِ رہِ دیں ہے ، تو یہ پروانہ ہے

۳۲ اک طرف اکبرِ مہ رُو سا جوانِ نایاب
کچھ جو بچپن تھا تو کچھ آمدِ ایامِ شباب
روشنی چہرے پہ ایسی کہ خجل ہو مہتاب
آنکھیں ایسی کہ رہا نرگسِ شہلا کو حجاب
جس نے ان گیسوؤں میں رخ کی ضیا کو دیکھا
شب معراج میں محبوب خدا[ص] کو دیکھا

۳۳ اے خوشا حُسنِ رخِ یوسفِ کنعانِ حسن[ع]
راحتِ روحِ حسین ابنِ علی جانِ حسن[ع]
جسم میں زورِ علی[ع]، طبع میں احسانِ حسن[ع]
ہمہ‌تن خلقِ حسن، حُسنِ حسن، شانِ حسن[ع]
تن پہ کرتی تھی نزاکت سے گرانی پوشاک
کیا بھلی لگتی تھی بچپن میں شہانی[۳۸] پوشاک

۳۴ اللہ اللہ ! اسد اللہ کے نواسوں کا جلال
چاند سے چہروں پہ بل کھائے ہوئے زلفوں کے بال
نیمچے کاندھے پہ رکھے ہوئے مانندِ ہلال
گرچہ بچپن تھا، پہ رستم کو سمجھتے تھے وہ زال
صف سے گھوڑوں کو بڑھا کر جو پلٹ جاتے تھے
مورچے لشکرِ کفار کے ہٹ جاتے تھے

۳۵ آستینوں کو چڑھائے ہوئے آمادۂ جنگ
وہی سارا اسداللہ کا نقشہ، وہی ڈھنگ
سرخ چہرے تھے کہ شیروں کا یہی ہوتا ہے رنگ
ولولہ صف کے الٹنے کا، لڑائی کی امنگ
جسم پر تیر چلیں، نیزۂ خونخوار چلے
شوق اس کا تھا کہ جلدی کہیں تلوار چلے

۳۶ یک بیک طبل بجا فوج میں ، گرجے بادل
کوہ تھرّائے ، زمیں ہل گئی ، گونجا جنگل
پھول ڈھالوں کے چمکنے لگے ، تلواروں کے پھل
مرنے والوں کو نظر آنے لگی شکلِ اجل
واں کے چاؤش[۲۹] بڑھانے لگے دل لشکر کا
فوجِ اسلام میں نعرہ ہوا "یا حیدر[۴] !" کا

۳۷ شور[۳۰] میدانیوں میں تھا کہ دلیرو ، نکلو !
نیزہ بازی کرو ، رہواروں کو پھیرو ، نکلو !
نہر قابو میں ہے ، اب پیاسوں کو گھیرو ، نکلو !
غازیو ! صف سے بڑھو ، غول سے شیرو ، نکلو !
رستمو ! دادِ وغا دو کہ یہ دن داد کا ہے
سامنا حیدرِ[۴] کرّار کی اولاد کا ہے

۳۸ شور سادات میں تھا ، یا شہ مرداں مددے !
کعبۂ دیں مددے ! قبلۂ ایماں مددے !
قوّتِ بازوے پیغمبرِ ذی شاں مددے !
دمِ تائید ہے ، اے فخرِ سلیماں مددے !
تیسرا فاقہ ہے ، طاقت میں کمی ہے مولا !
طلبِ قوّتِ ثابت قدمی ہے مولا !

۳۹ پیاس میں حرف نہ شکوے کا زباں پر لائیں
سینۂ صاف[۳۱] پہ فاقوں میں سنانیں کھائیں
دل نہ تڑپے جو دمِ نزع نہ پانی پائیں
تیرے فرزند کی تائید کریں ، مر جائیں
لاشیں مقتل میں ہوں لاشِ شہِ دلگیر کے ساتھ
سر ہوں نیزوں پہ سرِ حضرتِ شبّیر کے ساتھ

۴۰ سامنے بڑھ کے یکایک صفِ کفّار آئی
جھوم کر تیرہ گھٹا، تاروں پہ اک بار[۴۲] آئی
روزِ روشن کے چھپانے کو شبِ تار آئی
تشنہ کاموں کی طرف تیروں کی بوچھار آئی
ہنس کے منہ بھائی کا شاہِ شہدا نے دیکھا
اپنے آقا کو بہ حسرت رفقا نے دیکھا

۴۱ عرض عبّاس نے کی جوش ہے جرّاروں کو
تیر سب کھاتے ہیں تولے ہوئے تلواروں کو
میہمانوں کا نہیں پاس ستم گاروں کو
مصلحت ہو تو رضا دیجیے غم خواروں کو
روسیاہوں کو ہٹا دیں[۴۳] کہ بڑھے آتے ہیں
ہم جو خاموش ہیں وہ منہ پہ چڑھے آتے ہیں

۴۲ شہ نے فرمایا مجھے خود ہے شہادت منظور
نہ لڑائی کی ہوس ہے، نہ شجاعت کا غرور
کبھی[۴۴] منظور نہ تھی جنگ، پہ اب ہوں مجبور
خیر، لڑلو کہ ستاتے ہیں یہ بے جرم و قصور
ذبح کرنے کے لیے لشکرِ ناری آئے
کہیں جلدی مرے سر دینے کی باری آئے

۴۳ حکم پانا تھا کہ شیروں نے اُڑائے تازی
مثلِ شہباز گیا ایک کے بعد اک غازی
واہ ری حرب، خوشا ضرب، زہے جاں‌بازی
اُڑ گئے ہاتھ بڑھا جو پئے دست اندازی
لوٹتے رن میں سر و جسم نظر آتے تھے
ایک[۴۵] حملے میں قدم فوج کے اُٹھ جاتے تھے

۴۴ جس پہ غصّے میں گئے ، صید پہ شہباز گرا
یہ کہاں کٹ کے گری ، وہ قدر انداز گرا
جب گرا خاک پہ گھوڑے سے ، تو ممتاز گرا
نہ اٹھا پھر کبھی جو تفرقہ پرداز گرا
ہاتھ منہ کٹ گئے، سر اڑ گئے ، جی چھوٹ گئے
مورچے ہو گئے پامال ، پرے ٹوٹ گئے

۴۵ بعد غیروں کے عزیزوں نے کیا عزمِ نبرد
سر کو پھوڑا کے بھرا سبطِ نبی ؐ نے دمِ سرد
ہُوک اٹھتی تھی کبھی سینے میں، دل میں کبھی درد
سرخ ہوتا تھا کبھی چاند سا چہرہ ، کبھی زرد
کوئی گل رُو تو کوئی سرو سہی بالا تھا
وہ بچھڑنے لگے گودی میں جنھیں پالا تھا

۴۶ زلفوں والا تھا کوئی ، کوئی مرادوں والا
کوئی بھائی کا پسر ، کوئی بہن کا پالا
چاند سا منہ جو کسی کا تھا تو گیسو ہالا
کوئی قامت میں بہت کم ، کوئی قد میں بالا
نوجواں کون سا خوش رُو و خوش انداز نہ تھا
کتنے ایسے تھے کہ سبزہ ابھی آغاز نہ تھا

۴۷ ہاتھ وہ بچّوں کے اور چھوٹی سی وہ تلواریں
موم کر دیتی تھیں فولاد کو جن کی دھاریں
آب ہو شیر کا زہرہ وہ اگر للکاریں
بجلیاں کوند رہی ہیں کسے نیزے ماریں
کس بشاشت سے ہزاروں پہ دلیر آتے ہیں
جیسے آتے ہیں کہ بپھرے ہوئے شیر آتے ہیں

۴۸ یہی ہنگامہ رہا صبح سے تا وقتِ زوال
لاش پر لاش گری ، بھر گیا میدانِ قتال
مورچے سب تہ و بالا تھے ، صفیں[۳۴] سب پامال
سرخ رُو خلق سے اٹھنے اسداللہ کے لال
کھیت ایسے بھی کسی جنگ میں کم پڑتے ہیں
جو لڑا ، سب یہی سمجھے کہ علی[۴] لڑتے ہیں

۴۹ قاسم و اکبر و عبّاس کا اللہ رے جہاد
غل ہر اک ضرب پہ[۳۶] تھا ، اب ہوئی دنیا برباد
الاماں کا تھا کہیں شور ، کہیں تھی فریاد
دے گئے خلق میں مردانگی و حرب کی داد
گو وہ دنیا میں نہیں ، عرش مقام اُن کا ہے
آج تک عالم ایجاد میں نام اُن کا ہے

۵۰ دوپہر میں وہ چمن بادِ خزاں نے لوٹا
پتّا پتّا ہوا تاراج تو بوٹا بوٹا
باپ بیٹے سے چُھٹا ، بھائی سے بھائی چُھوٹا
ابنِ زہرا[۴] کی کمر جھک گئی ، بازو ٹوٹا
پھر نہ یاور ، نہ وہ جاں‌باز ، نہ وہ شیدا تھے
ظہر کے وقت حسین[۴] ابنِ علی[۴] تنہا تھے

۵۱ ساتھ جو جو کہ بہادر تھے وطن سے آئے
سامنے سوتے تھے ریتی پہ سنانیں کھائے
دھوپ میں ، پیاس سے مثلِ گلِ تر مرجھائے
مر گئے ، پر نہ غریبوں نے کفن تک پائے
دھوپ پڑتی تھی ، یہ دن چرخ نے دکھلایا تھا
نہ تو چادر تھی کسی لاش پہ ، نہ سایا تھا

۵۲ اس گھڑی[۴۷] شاہ پہ طاری تھا عجب رنج و ملال
زرد تھا رنگ تو آنکھیں تھیں لہو رونے سے لال
کبھی بھائی کا الم تھا ، کبھی بیٹے کا خیال
کبھی دھڑکا تھا کہ لاشیں نہ کہیں ہوں پامال
کبھی بڑھتے تھے وغا کو ، کبھی رک جاتے تھے
سیدھے ہوتے تھے کبھی اور کبھی جھک جاتے تھے

۵۳ بڑھ کے چِلّاتے تھے بیدرد کہ اب آپ آئیں
جوہرِ تیغِ شہنشاہِ نجف دکھلائیں
مرنے والے نہیں جیتے جو سنانیں کھائیں
کاٹ لیں آپ کا سر تن سے تو فرصت پائیں
پسرِ سعد[۴۸] سے وعدہ ہے صلہ لینے کا
حکم ہے خیمۂ اقدس کے جلا دینے کا

۵۴ شہ نے فرمایا کہ سر کاٹ لو حاضر ہوں میں
نہ تو لڑنے میں نہ مر جانے میں قاصر ہوں میں
فوج بھی اب نہیں ، بے یاور و ناصر ہوں میں
شہر و صحرا بھی تمھارا ہے ، مسافر ہوں میں
لوٹ[۴۹] لو ، پھونک دو ، تاراج کرو ، بہتر ہے
کلمہ گویو ! یہ تمھارے ہی نبیؐ کا گھر ہے

۵۵ کئی سیدانیاں خیمے میں ہیں پردے والی
جن کا رتبہ ہے زمانے میں ہر اک پر حالی[۵۰]
اب نہ وارث ہے کوئی سر پہ ، نہ کوئی والی
اِن کو دیجو ، کوئی رہ جائے جو خیمہ خالی
یہ نبی زادیاں بے پردا نہ ہوویں جس میں
ایک گوشہ ہو کہ سب بیٹھ کے روویں جس میں

۵۶ شہ کی ان باتوں کا اعدا نے دیا جو کہ جواب
گر لکھوں اس کو تو ہو جائے جگر سنگ کا آب
قلب تھرا گیا ، ہرگز نہ رہی ضبط کی تاب
دیکھ کر رہ گئے گردوں کو شہِ عرش جناب
اشک خالی اُسے کرتے ہیں جو دل بھر آئے
آپ رونے کے لیے خیمے کے در پر آئے

۵۷ تھم کے چِلّائے کہ اے زینب و اُمِ کلثوم
تم سے رخصت کو پھر آیا ہے حسینِ مظلوم
اب مرے قتل کے درپے ہے یہ سب لشکرِ شوم
ہاں جگا دو اُسے ، غش ہو جو سکینہ مغموم
نہیں ملتا ، جو زمانے سے گزر جاتا ہے
کہہ دو عابد سے کہ مرنے کو پدر جاتا ہے

۵۸ یہ صدا سن کے حرم خیمے سے مضطر دوڑے
شہ کی آواز پہ سب بے کس و بے پر دوڑے
گر پڑیں سر سے ردائیں تو کھلے سر دوڑے
بچے روتے ہوئے ماؤں کے برابر دوڑے
رو کے چِلّائی سکینہ : شہِ والا آؤ
میں تمھیں ڈھونڈھتی ہوں دیر سے بابا آؤ

۵۹ آؤ اچھے مرے بابا ، میں تمھارے واری
دیکھو تم بن ہیں گلے تک مرے آنسو جاری
آج یہ کیا ہے کہ بھولے مری خاطر داری
ہاتھ پھیلا کے کہو ، آ مری بیٹی پیاری
منہ چھپانے کی ہے کیا وجہ ، نہ شرماؤ تم
اب میں پانی بھی نہ مانگوں گی ، چلے آؤ تم

۶۰ دیکھ کر پردے سے کہنے لگی یہ زینبِ زار
ابنِ زہرا! تری مظلومی و غربت کے نثار
آؤ چادر سے کروں پاک میں چہرے کا غبار
شہ نے فرمایا بہن! مرگئے سب مونس و یار
تم نے پالا تھا جسے ہم اُسے رو آئے ہیں
علی اکبر سے جگر بند کو کھو آئے ہیں

۶۱ منہ دکھائیں کسے سب سے ہے ندامت زینب
گھر میں آنے کی نہیں بھائی کو مہلت زینب
کھینچ لائی ہے سکینہ کی محبّت زینب
بھائی جاتا ہے، دکھا دو ہمیں صورت زینب
نہ تو سر کھولو، نہ منہ پیٹو، نہ فریاد کرو
بھول جاؤ ہمیں، اللہ کو اب یاد کرو

۶۲ صبر سے خوش ہے خدا اے مری غم خوار بہن!
سہل ہو جاتا ہے جو ہوتا ہے دشوار، بہن!
اپنی ماں کا ہے طریق تمھیں درکار بہن!
پھر میں کہتا ہوں سکینہ سے خبردار بہن!
ناز پرور ہے مرے بعد الم اس پہ نہ ہو
بُندے کانوں سے اتارو کہ ستم اس پہ نہ ہو

۶۳ کہیو عابد سے یہ پیغام مرا بعدِ سلام
غش تھے تم، پھر گئے دروازے تلک آ کے امام
قید میں پھنس کے نہ گھبرائیو اے گل اندام
کاٹیو صبر و رضا سے سفر کوفہ و شام
ناؤ منجدھار میں ہے، شورِ تلاطم جانو
ناخدا جاتا ہے، گھر جانے اب اور تم جانو

۶۴ کہہ کے یہ باگ پھرائی طرفِ لشکرِ شام
پڑ گیا خیمۂ ناموسِ نبیؐ میں کہرام
رن میں گھوڑے کو اڑاتے ہوئے آئے جو امام
رعب سے فوج کے دل ہل گئے، کانپے اندام
سر جھکے اُن کے جو کامل تھے زباں دانی میں
اڑ گئے ہوش فصیحوں کے رجز خوانی میں

۶۵ تھا یہ نعرا کہ محمدؐ کا نواسا ہوں میں
مجھ کو پہچانو کہ خالق کا شناسا ہوں میں
زخمی ہونے سے نہ مرنے سے ہراسا[۵۲] ہوں میں
تیسرا دن ہے یہ گرمی میں کہ پیاسا ہوں میں
چین کیا چیز ہے، آرام کسے کہتے ہیں
اس پہ شکوا نہیں کچھ، صبر اسے کہتے ہیں

۶۶ اُس کا پیارا ہوں جو ہے ساقیِ حوضِ کوثر
اُس کا بیٹا ہوں جو ہے فاتحِ بابِ خیبر
اُس کا فرزند ہوں، کی جس نے مہم بدر کی سر
اُس کا دلبر ہوں میں، دی[۵۳] جس کو نبیؐ نے دختر
صاحبِ تخت ہوئے، تیغ ملی، تاج ملا
دوشِ احمدؐ پہ انھیں رتبۂ معراج ملا

۶۷ وہ علیؑ حق نے جسے عرش سے بھیجی شمشیر
وہ علیؑ جس کا دو عالم میں نہیں کوئی نظیر
وہ علیؑ جو ہوا احمدؐ کا وصی[۵۴] روزِ غدیر
وہ علیؑ جس کی رسولوں سے فزوں ہے توقیر
وہ علیؑ، سب سے زیادہ ہے عبادت جس کی
وہ علیؑ، گھر میں خدا کے ہے ولادت جس کی

۶۸ بے وطن ہوں ، نہ مسافر کو ستاؤ للہ
قتل کیوں کرتے ہو تم ، کون سا میرا ہے گناہ؟
اب نہ یاور ہے کوئی ساتھ ، نہ لشکر ، نہ سپاہ
تم کو لازم ہے غریبوں پہ ترحّم کی نگاہ
ہاتھ آئے گا نہ انعام ، نہ زر پاؤ گے
یاد رکھو تو ، مرا سر کاٹ کے پچھتاؤ گے

۶۹ نہ ابھی ختم ہوئی تھی یہ مسلسل تقریر
حجّۃ اللہ[۵۵] کے فرزند پہ چلنے لگے تیر
چوم کر تیغ کے قبضے کو پکارے شبّیر
لو ، خبردار ! چمکتی ہے علی[ؑ] کی شمشیر
پسرِ فاتحِ صفّین و حنین آتا ہے
لو صفیں باندھ کے روکو تو ، حسین[ؑ] آتا ہے

۷۰ لو کھنچی تیغِ دو سر ، فوج پہ آفت آئی
لو ہلا قائمۂ عرش[۵۶] ، قیامت آئی
فتح تسلیم کو ، آداب کو نصرت آئی
فخر سے غاشیہ برداری[۵۷] کو شوکت آئی
چوم لوں پاؤں ، جلال اِس تگ و دو میں آیا
ہاتھ جوڑے ہوئے اقبال جلو میں آیا

۷۱ آپ سیدھے جو ہوئے ، رخش نے بدلے تیور
دونوں آنکھیں اُبل آئیں کہ ڈرے بانیِ شر
تھوتھنی مل گئی سینے سے ، کیا دم کو چنور
مثلِ طاؤس اُڑا ، گاہ اِدھر ، گاہ اُدھر
دم بدم گرد نسیمِ سحری پھرتی تھی
جھوم کر پھرتا تھا گھوڑا کہ پری پھرتی تھی

۷۲
ابر ڈھالوں کا اٹھا ، تیغِ دوپیکر چمکی
برق چھپتی ہے ، یہ[۵۸] چمکی تو برابر چمکی
سوئے پستی کبھی کوندی ، کبھی سر پر چمکی
کبھی انبوہ کے اندر ، کبھی باہر چمکی
جس طرف آئی وہ ناگن ، اسے ڈستے دیکھا
مینہ سروں کا صفِ دشمن میں برستے دیکھا

۷۳
دھار ایسی کہ رواں ہوتا ہے دھارا جیسے
گھاٹ وہ گھاٹ کہ دریا کا کنارا جیسے
چمک ایسی کہ حسینوں کا اشارا جیسے
روشنی وہ کہ گرے ٹوٹ کے تارا جیسے
کوندنا برق کا شمشیر کی ضَو میں دیکھا
کبھی ایسا نہیں دم خم مہِ نو میں دیکھا

۷۴
اک اشارے میں برابر کوئی دو تھا کوئی چار
نہ پیادہ کوئی بچتا تھا ، نہ پیدل ، نہ سوار
برق گرتی تھی کہ چلتی تھی صفوں پر تلوار
"غضب اللہ علیہم"[۵۹] کے عیاں تھے آثار
موت ہر غول کو برباد کیے جاتی[۶۰] تھی
آگ گھیرے ہوئے دوزخ میں لیے جاتی تھی

۷۵
تیغیں آری[۶۱] ہوئیں ، ڈھالوں کے ہوئے پر کالے
بند سب بھول گئے خوف سے بھالوں والے
جو بڑھے ہاتھ ، سرِ دست قلم کر ڈالے
تیغ کہتی تھی یہ سب ہیں مرے دیکھے بھالے
صف پہ صف باندھ کے نیزوں کو عبث تولے ہیں
ایسے عقدے مرے ناخن نے بہت کھولے ہیں

۷۶ جب کبھی جائزۂ فوجِ ستم لیتی ہوں
موت سے رحم نہ کرنے کی قسم لیتی ہوں
دو زبانوں[۶۲] سے مدا کارِ قلم لیتی ہوں
چھرے کٹ چکتے ہیں لشکر کے تو دم لیتی ہوں
برطرف ہو کے عدم کے سفری ہوتے ہیں
طبلقیں[۶۳] کٹتی ہیں ، چھرے نظری ہوتے ہیں

۷۷ وہ بُرش ، وہ چمک اُس کی ، وہ صفائی اُس کی
کسی تلوار نے تیزی نہیں پائی اُس کی
جس کی گردن سے وہ گزری ، اجل آئی اُس کی
اِس کا بازو جو اُڑایا تو کلائی اُس کی
صورتِ مرگ کسی نے بھی نہ آتے دیکھا
سر پہ چمکی تو کمر سے اُسے جاتے دیکھا

۷۸ کبھی[۶۴] ڈھالوں پہ گری اور کبھی تلواروں پر
پیدلوں پر کبھی آئی ، کبھی اسواروں پر
کبھی ترکش پہ رکھا منہ ، کبھی سوفاروں پر
کبھی سر کاٹ کے آ پہنچی کماں داروں پر
گر کے اِس غول سے اُٹھی تو اُس انبوہ میں تھی
کبھی دریا میں ، کبھی بر میں ، کبھی کوہ میں تھی

۷۹ کبھی[۶۵] چہرہ ، کبھی شانہ ، کبھی پیکر کاٹا
کبھی در آئی جگر میں ، تو کبھی سر کاٹا
کبھی مِغفر ، کبھی جوشن ، کبھی بکتر کاٹا
طول میں راکب و مرکب کو برابر کاٹا
بُرشِ تیغ کا غل ، قاف سے تا قاف رہا
پی گئی خون ہزاروں کا ، پہ منہ صاف رہا

۸۰ نہ رکی خود پہ وہ اور نہ سر پر ٹھہری
نہ کسی تیغ پہ دم بھر ، نہ سپر پر ٹھہری
نہ جبیں پر ، نہ گلے پر ، نہ جگر پر ٹھہری
کاٹ[۶۶] کر زیں کو نہ گھوڑے کی کمر پر ٹھہری
جان گھبرا کے تنِ دشمنِ دیں سے نکلی
ہاتھ بھر ڈوب کے تلوار زمیں سے نکلی

۸۱ کٹ گئی تیغ تلے جب صفِ دشمن آئی
یک بیک فصلِ فراقِ سر و گردن آئی
بگڑی اس طرح لڑائی کہ نہ کچھ بن آئی
تیغ کیا آئی کہ اڑتی ہوئی ناگن آئی
غل تھا بھاگو کہ یہ ہنگام ٹھہرنے کا نہیں
زہر اس کا جو چڑھے گا تو اترنے کا نہیں

۸۲ وہ چمک اس کی ، سروں کا وہ برسنا ہر سُو
گھاٹ سے تیغ کے اک حشر بپا تھا لبِ جُو
آب میں صورتِ آتش تھی جلا دینے کی خو
اور دم بڑھتا تھا پیتی تھی جو اعدا کا لہو
کبھی جوشن تو کبھی صدر کشادہ کاٹا
جب چلی ، ضربتِ سابق سے زیادہ کاٹا

۸۳ تنِ تنہا شہِ دیں لاکھ سواروں سے لڑے
بے سپر برچھیوں والوں کی قطاروں سے لڑے
صورتِ شیرِ خدا ظلم شعاروں سے لڑے
دو سے اک لڑ نہیں سکتا یہ ہزاروں سے لڑے
گر ہو غالب تو ہزاروں پہ وہی غالب ہو
جو دل و جانِ علی[۶۷] بن ابی طالب ہو

۸۴ تیسرے فاقے میں یہ جنگ ، یہ حملے ، یہ جلال !
پیاس وہ پیاس کہ نیلم تھے سراسر لبِ لال
دھوپ وہ دھوپ کہ سوکھے ہوئے تھے تازہ نہال
لوں وہ لوں جس کی[۶۸] حرارت سے پگھلتے تھے جبال
سنگریزوں میں تب و تاب تھی انگاروں کی
سر پہ یا دھوپ تھی یا چھاؤں تھی تلواروں کی

۸۵ شیر سے تھے کبھی جنگل میں ترائی میں کبھی
ڈھال کو چھرے پہ روکا نہ لڑائی میں کبھی
تیغِ حیدر[ع] نے کمی کی نہ صفائی میں کبھی
فرق آیا نہ سر و تن کی جدائی میں کبھی
کسی[۹۶] ابرو کا بھی ایسا نہ اشارہ دیکھا
جس پہ اک بار چلی اس کو دو پارہ دیکھا

۸۶ آنکھ وہ آنکھ کہ شیروں کی جلالت جس میں
رخش وہ رخش کہ سب برق کی سرعت جس میں
تیغ وہ تیغ عیاں موت کی صورت جس میں
ہاتھ وہ ہاتھ یداللہ کی طاقت جس میں
روک لے وار ، جگر کیا کسی بےپیر کا تھا[۷۰]
زور وہ جس میں اثر فاطمہ[ع] کے شیر کا تھا

۸۷ تنِ تنہا کی وغا لشکرِ کیں سے پوچھو
جنگ میں پیاس کا صدمہ شہِ دیں سے پوچھو
زلزلہ دشت پُر آفت کا زمیں سے پوچھو
بُرشِ[۷۱] تیغِ دو سر روحِ امیں سے پوچھو
باپ اُس فوج میں تنہا پسر اِس لشکر میں
کربلا میں یہ تلاطم ہوا یا خیبر میں

۸۸ — اسداللہ کے صدقے شہِ والا کے نثار
وہی حملے تھے ، وہی زور ، وہی تھی تلوار
فتح حیدر نے کیا جنگ میں خیبر کا حصار
مورچے فوج کے حضرت نے بھی توڑے کئی بار
کیوں نہ ہو احمدِ مرسل کے نواسے تھے حسینؑ
فرق اتنا تھا کہ دو روز کے پیاسے تھے حسینؑ

۸۹ ہر طرف فوج میں غل تھا کہ دہائی مولا !
ہم نے دیکھی ترے ہاتھوں کی صفائی ، مولا !
الاماں ! خوب سزا جنگ کی پائی مولا !
آپ کرتے ہیں بُروں سے بھی بھلائی مولا !
ہاتھ ہم باندھتے ہیں ، پھینک کے شمشیروں کو
بخشیے امّت نااہل کی تقصیروں کو

۹۰ آئی ہاتف کی یہ آواز کہ اے عرش مقام
یہ وغا تیسرے فاقے میں ! بشر کا نہیں کام
اے محمدؐ کے جگر بند ، امام ابنِ امام
لوحِ محفوظ پہ مرقوم ہے صابر ترا نام
اب نہیں حکم لعینوں سے وغا کرنے کا
ہاں یہی وقت ہے وعدے کے وفا کرنے کا

۹۱ آج ہے آٹھوں بہشتوں کی نئی تیّاری
نخل سرسبز ہیں ، فردوس میں نہریں جاری
شب سے حوریں ہیں مُکلّل بجواہر ساری
خانۂ دوست میں ہے دوست کی مہماں داری
پیشوائی کو رسولؐ الثقلین آتے ہیں
عرش تک شور یہی ہے کہ حسینؑ آتے ہیں

۹۲ تھم گئے سن کے یہ آواز شہِ جنّ و بشر
روک کر تیغ کو فرمایا کہ حاضر ہے یہ سر!
عید ہو، جلد اگر ذبح کریں بانیِ شر
شمرِ اظلم ہے کدھر، کھینچ کے آئے خنجر
ہے وہ عاشق جو فدا ہونے کو موجود رہے
بس مری فتح یہی ہے کہ وہ خوشنود رہے

۹۳ کہہ کے یہ میان میں مولا نے رکھی تیغِ دو دم
ہاتھ اٹھا کر یہ اشارہ کیا گھوڑے کو کہ تھم!
رہ گیا سر کو [۷۳] ہلا کر فرسِ تیز قدم
چار جانب سے مسافر پہ [۷۴] چلے تیرِ ستم
فوج یوں گرد تھی، جیسے گلِ تر خاروں میں
چھپ گئے سبطِ نبیؐ ظلم کی تلواروں میں

۹۴ پہلے تیروں سے کماں داروں نے چھاتی چھانی
نیزے پہلو پہ لگاتے تھے ستم کے بانی
سر پہ تلواریں چلیں، زخمی ہوئی پیشانی
خون سے تر ہو گیا حضرت کا رخِ نورانی
جسم سب چور تھا ٹکڑے تھے زرہ جامے [۷۵] کے
پیچ کٹ کٹ کے کھلے جاتے تھے عمّامے کے

۹۵ برچھیاں مارتے تھے گھاٹ پہ جو تھے پہرے
کس طرف جائے، کہاں تیغوں میں بیکس ٹھہرے
ایک ہزار اور کئی سو زخم تھے تن پر گہرے
دیکھنے والوں کے ہو جاتے تھے پانی زہرے
خوں میں ڈوبا ہوا وہ مصحفِ رخ سارا تھا
جزو ہر اک تنِ شبّیر کا سی پارا تھا

۹۶ ہاتھ سے باگ جدا تھی تو رکابوں سے قدم
غش میں سید ہے کبھی ہوتے تھے فرس پر کبھی خم
بہتے تھے پہلوؤں سے خوں کے دڑیڑے پیہم
کوئی بےکس کا مددگار نہ تھا، ہائے ستم
مارے تلواروں کے مہلت تھی نہ دم لینے کی
کوششیں ہوتی تھیں کعبے کو گرا دینے کی

۹۷ دشت سے آتی تھی زہرا[ؑ] کی صدا ، ہائے حسین[ؑ] !
میرے بیکس، مرے بےبس، مرے دکھپائے حسین[ؑ] !
در سے چلّاتی تھی زینب مرے ماں جائے حسین !
کون تیغوں سے بچا کر تجھے لے آئے حسین !
فاطمہ[ؑ] رو رہی ہیں ہاتھ سے پہلو تھامے
حکم گر ہو تو بہن دوڑ کے بازو تھامے

۹۸ ہائے سیّد ، ترا تن اور ستم کے بھالے
کس کو چلّاؤں کہ جیتے نہیں مرنے والے
اس پہ یہ ظلم ، دکھوں سے جسے زہرا[ؑ] پالے
کون سر سے ترے تلواروں کی آفت ٹالے
کون فریاد سنے بے سرو سامانوں کی
یاں تو بستی بھی نہیں کوئی مسلمانوں کی

۹۹ نہ رہا جب کہ ٹھہرنے کا فرس پر یارا
گر پڑا خاک پہ وہ عرشِ خدا کا تارا
غش سے کچھ دیر میں اٹّھا جو علی[ؑ] کا پیارا
نیزہ سینے پہ سنان ابنِ انس نے مارا
واں تو نیزے کی انی پشت سے باہر نکلی
یاں بہن خیمے کی ڈیوڑھی سے کھلے سر نکلی

۱۰۰
کھینچ کر سینے سے نیزہ جو بڑھا دشمنِ دیں
جھک کے حضرت نے رکھی خاک پہ سجدے میں جبیں
تیز کرتا ہوا خنجر کو بڑھا شمرِ لعیں
آسماں ہل گیا ، تھرّا گئی مقتل کی زمیں
کیا کہوں تیغ کو کس طرح گلے پر رکھّا
پاؤں قرآں پہ رکھا ، حلق[۶۷] پہ خنجر رکھّا

۱۰۱
ڈھانپ کر ہاتھوں سے منہ بنتِ علیؑ چلّائی
ذبح ہوتے ہو مرے سامنے ، ہے ہے بھائی !
ضربِ اول تھی کہ تکبیر کی آواز آئی
گر پڑی خاک پہ غش کھا کے علیؑ کی جائی
اٹھ کے دوڑی تو یہ ہنگامۂ محشر دیکھا
منہ جو کھولا تو سرِ شہ کو سناں پر دیکھا

۱۰۲
رو کے چلائی کہ ہے ہے مرے مظلوم حسینؑ !
فوجِ اعدا میں ترے قتل کی ہے دھوم حسینؑ !
کچھ مجھے آنکھوں سے ہوتا نہیں معلوم حسینؑ !
ہائے میں رہ گئی دیدار سے محروم حسینؑ !
مڑ کے دیکھو کہ مصیبت میں پڑی ہوں بھائی !
ننگے سر بلوۂ اعدا میں کھڑی ہوں بھائی !

۱۰۳
بس انیس آگے نہ لکھ ، زینبِ ناشاد کے بَین
قتل ہو جانے پہ بھی دھوپ تھی اور لاشِ حسینؑ
قبر میں بھی نہ ملا احمدِ مختارؐ کو چین
گھر جلا ، قید ہوئی آلِ رسول الثقلینؐ
کتنے گھر شاہ کے مر جانے سے برباد ہوئے
لٹ گئے یوں کہ نہ سادات پھر آباد ہوئے

۱۰

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

۱۹۷ بند ، بحرِ مضارع

(امام حسین[ع] کی جنگ اور شہادت)

مراجع

* روحِ انیس : تحقیق مسعود حسن ادیب ، کتابستان لکھنؤ ، طبع دوم ، ۱۹۵۶ع -

* مراثیِ انیس : جلد چہارم ، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ، طبع اول ۱۹۵۹ع ، صفحہ ۲۲۱ -

* مراثیِ انیس : جلد چہارم ، تیج کمار وارث نول کشور پریس لکھنؤ ، ۱۹۵۸ع ، صفحہ ۷۳ -

* قلمی نسخہ : مرثیہ : "جب آسماں پہ ختم ہوا دور جامِ شب" -

* مراثیِ انیس : جلد ششم ، مطبوعہ بک لینڈ کراچی ، ۱۹۶۱ع ، صفحہ ۱۷۵ -

* مراثیِ انیس : جلد اول ، مطبوعہ نظامی پریس ، بدایوں ، ۱۹۲۲ع -

* واقعاتِ انیس : تالیف مہدی حسن احسن ، مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ ، صفحہ ۳۳۶ -

* یادگارِ انیس : تالیف امیر احمد علوی مطبوعہ ، انور المطابع لکھنؤ ، طبع اول ۱۹۲۵ع و دوم ۱۹۳۴ع -

* حیاتِ انیس : تالیف امجد علی اشہری ، مطبوعہ آگرہ اخبار ، ۱۳۲۶ھ -

تبصرہ

اس مرثیے میں ایک سو ستانوے بند یعنی ۱۱۹۵ شعر ہیں - پورا مسدس ہموار اور مسلسل ہے جیسے موتیوں کا ہار - اس میں موتیوں کی ڈلک ، جواہرات کا رنگ ڈھنگ ، کندن کی چمک اور چاندی کی آبداری ہے - زبان کی مِٹھاس ، بیان کی لطافت اور خیالات کے تناسب کی بدولت نکتہ نکتہ روشن ، گوشہ گوشہ گلشن ہے -

''امام حسینؑ کی آخری جنگ'' اس مرثیے کا موضوع ہے اور میر انیس نے پوری توجہ سے ایک خوبصورت رزمیہ نظم قلم بند کی ہے - اس نظم کا ایک خاص مزاج ، خاص لہجہ ، خاص تاثر اور خاص آہنگ ہے - خاص آہنگ اور خاص مزاج کا مطلب یہ ہے کہ اس رزمیے کو دنیا کے مشہور رزم‌ناموں کے خاکے پر نہیں لکھا گیا ہے ، بلکہ جس طرح شاہ نامہ ، حملۂ حیدری اور اس سے پہلے ہومر کی ایلیڈ ، ورجل کی اینیڈ ، والمیک کی رامائن اپنی اپنی جگہ انفرادیت کی مظہر ہیں اسی طرح انیس کا یہ مرثیہ منفرد اسلوب کا حامل ہے - یہی انفرادیت انیس کی بڑائی اور اس مرثیے کی عظمت کی بنیاد ہے -

منظرنگاری انیس کا خاص فن ہے - اردو ادب کو انیس نے منظرنگاری کا سب سے گراں قدر ذخیرہ دیا اور اس ذخیرے میں زیرِ نظر مرثیہ بہت بڑا اضافہ ہے - صبح سے چند ساعت قبل انیس کا موقلم چلتا ہے اور سورج کی ابتدائی کرنوں کے پھوٹنے پر مصوری کا

ایک حصہ ختم ہوتا ہے۔ اربابِ ذوق کا اتفاق ہے کہ انیس نے گیارھویں بند سے بائیسویں بند تک صبح کی جو متحرّک اور روشن تصویر اس مرثیے میں کھینچی ہے اس پر ادب و فن جس قدر فخر کرے کم ہے۔ اس تصویر کے خطوط اور رنگ، انیس کے یہاں صورت و آہنگ سے عبارت ہیں، اور ان دونوں چیزوں کے علاوہ ایک غیر مرئی مگر شدید طور پر اثر انگیز وجدان آفریں برقی رو بھی ہے جو شاید لفظوں کے دروبست سے پیدا ہوتی ہے:

سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا

شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

شعبے صدا میں، پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول ؐ میں

صبح کے لطیف و ذوق آفریں مناظر میں نمازِ صبح کا دل کش سماں اور نمازیوں کی ایمان افروز حالت کا نقشہ نورِ علیٰ نور ہو گیا ہے، جیسے ختمِ نماز کے بعد لوگوں کا باہم مصافحہ کرنا اور تیاریِ جہاد و مسرتِ شہادت میں گلے ملنا۔ انیس نے ایک مصرع کہہ کر صبحِ غم کو روزِ عید میں بدل دیا ہے:

کیا دل تھے، کیا سپاہ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے کہ مرنے کی عید تھی

صبح کی لطافت کے بعد گرم دوپہر کے تیور دیکھیے:

گرمی کا روزِ جنگ کی کیوں کر کروں بیاں

آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

کھولا ہؤا تھا دھوپ سے پانی فرات

گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

آٹھ بند گرمی پر اور بارہ بند صبح پر، یہ بیس بند مناظرِ قدرت سے متعلق ہیں۔ باقی ترتیب یہ ہے:

نماز کی تیاری، تیمّم، اذان، ادائگیِ نماز اور ختمِ نماز ۲۲ بند۔ خیمے میں مستورات کا حال. ۱ بند۔ حضرتِ عباس و علی اکبر کا ابتدائی تعارف ۳ بند ۔ جنابِ زینب کے مختلف احوال، دشمن کا پہلا تیر آنا (۳۷)۔ امام حسینؑ کے حفاظتی ہدایات (۳۸-۴۰)۔ فوج کی تیاری (۴۱)۔ حضرت عباس کا سراپا (۴۲، ۴۳)۔ خیمے کے اندر ہیجان (۴۴)۔ جناب زینب کی مناجات (۴۵-۴۶)۔ امام حسینؑ لباسِ رسولؐ میں (۴۸-۵۰)۔ جنابِ زینب کے بین (۵۱)۔ امام اسلحہ زیب تن کرتے ہیں (۵۲-۵۴)۔ عون و محمد علم کے لیے بےچین ہوتے ہیں جو انیس کا خاص موضوع ہے (۵۵-۶۶)۔ امام دونوں بچوں کی تعریف کرتے ہیں (۶۷-۷۱)۔ علمدار کے بارے میں بھائی بہن میں مشورہ (۷۲-۷۵)۔ حضرت عباس کا علم لینا (۷۶-۷۹)۔ زوجۂ عباس کا تاثر (۸۰-۸۲)۔ علم ملنے پر خواتین کے جذبات اور سکینہ کی حالت (۸۳، ۸۴)۔ حضرت عباس کے باہر آنے پر خیمے کا منظر (۸۷، ۸۸)۔ باہر لوگوں

کا استقبال (۸۹) - حضرت عباس کی شان اور گھوڑے کی تعریف ۹۰ - ۹۲) - علم کی تعریف (۹۳) - فوج کا نقشہ (۹۴-۹٦) - لڑائی میں دشمن کی پہل - امام کی ہدایات اور اصحاب و اعزہ کی شجاعت و شہادت (۹۷-۱۰۹) - حضرت علی اصغر کی شہادت (۱۰۹-۱۱۳) - یہاں تک رزم و بزم اور غم انگیز مناظر کا بیان تھا -

مرثیے کا نیا تیور اور خالص زرمیہ خاکہ :

یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوے حسام
آنکھیں لہو تھیں رونے سے، چہرہ تھا سرخ فام
زیبِ بدن کیے تھے بہ صد عزّ و احتشام
پیراہنِ مطہرِ پیغمبرِ انام
حمزہ کی ڈھال، تیغ شہِ لافتا کی تھی
بر میں زرہ جنابِ رسولِ خدا کی تھی

امام حسین کے رہوار کی تعریف (۱۱۵) - گرمی کا حال (۱۱٦-۱۲٦) - ابنِ سعد اور امام کے درمیان پیغاموں کا تبادلہ اور امام کا بلند کردار (۱۲۷-۱۳۰) - جنگ، فوجوں کی کثرت، طبل جنگ، (۱۳۰-۱۳۱) -

مطلع دوم : مختصر کرنے کے لیے مرثیہ صرف امام حسین کی جنگ سے شروع کیا جا سکتا ہے : تلوار لے کر امام کا حملہ آور ہونا (۱۳۲-۱۴۵) - دشمن کا بھاگنا اور بھگدڑ کا نقشہ (۱۴٦-۱٦۱) اور پھر یہ لاجواب گریز :

پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسین کی
اللہ کا غضب تھا، لڑائی حسین کی
دریا حسین کا ہے، ترائی حسین کی
دنیا حسین کی ہے، خدائی حسین کی

بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم ، واسطہ علی اکبر کی روح کا

دشمن نے امام پر حملہ کیا ۔ ایک پہلوان لڑنے آیا تو امام تلوار رکھنے کے بعد دوبارہ آمادۂ جنگ ہوئے ۔ حریف اور اس کے ساتھی کا سراپا (۱۶۴-۱۶۵) ۔ امام کی دوسری جنگ اور اس میں تلوار ، نیزے ، گرز اور چوٹوں کی تفصیل جس سے انیس کی سپاہیانہ مہارت کا پتہ چلتا ہے (۱۶٦-۱۷۸) ۔ رزمیہ بند ختم کرکے کم و بیش بیس بند المیہ لکھے ہیں ۔ ان میں امام کا دشمنوں کے نرغے میں آنا ، زخمی ہونا ، گھوڑے سے گرنا اور شہادت کا تذکرہ ہے ۔ اس کی فضا غم انگیز اور حضرت فاطمۂ زہراؑ اور جناب زینب کی زبان سے جو بین لکھے ہیں ان سے قیامت کا تاثر پیدا ہوتا ہے ۔

یہ مرثیہ میر انیس کے فنی کمال کے متعدد پہلو سامنے لاتا ہے اور تمام ادیبوں کے نزدیک معرکۃ الآرا مرثیہ ہے ۔

مرثیے کے بارے میں چند روایات اور تاریخ ہائے تصنیف :

شاد عظیم آبادی نے ۴ محرم[1] ۱۲۷٦ھ مطابق ۲۴ جولائی ۱۸۵۹ء چہار شنبہ کے دن پٹنہ (عظیم آباد) میں جو مجلس سنی اس میں انیس کے دو مصرعے یہ تھے :

وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگار گوں کی شاں[2]
بیت العتیق دیں کا مدینہ ، جہاں کی جاں

---

۱ ۔ یہ شاد عظیم آبادی صاحب کی روایت ہے ۔ تقویم تاریخی طبع کراچی میں ۴ اگست مطابق ۴ محرم ہے اور دن چہار شنبہ کا ہے ، جبکہ ۲۴ جولائی مطابق ہے ۲۵ ذی الحجہ کے ۔

۲ ۔ ماہ نو ، انیس نمبر ، ۱۹۷۲ء ۔

شاد نے مطلع نہیں سنا ۔ معلوم نہیں میر صاحب نے ان دونوں مطلعوں میں سے کون سا وہاں پڑھا ، یعنی :

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

یا

جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب

امجد علی اشہری نے بتایا ہے کہ عظیم آباد میں مرثیے کا مطلع یہ تھا :

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

امیر احمد علوی اس مرثیے کو مقابلے کا مرثیہ بتاتے ہیں ۔ بقول ان کے میرانیس ، مونس اور نفیس نے تین مرثیے ایک ساتھ لکھے تھے ۔ میر صاحب کا مرثیہ یہ ہے :

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

مونس :

جب آسماں پہ مہر کا زریں نشاں کھلا

نفیس کا مطلع :

جب عابدوں کو طاعتِ رب میں سحر ہوئی[1]

میر مہدی حسن کے بقول ”میر انیس نے آخری زمانے میں ایک مدتِ دراز تک مرثیہ پڑھنا چھوڑ دیا تھا“ ۔ وہ نفیس کو سامنے لانا چاہتے تھے ۔ جب میر صاحب پٹنے کے لیے روانہ ہوئے اور اہلِ شہر نے انھیں نہ روکا تو میر صاحب بد دل ہوگئے ۔ ”آٹھ دس برس کے بعد پھر میر انیس نے مرثیہ پڑھنا شروع کیا“ ۔ اس میں نواب غضنفر الدولہ اور جناب سید تقی صاحب قبلہ کے اصرار کو دخل تھا یا خود انیس کے نواسے کلن صاحب کی نذر کو ۔ کلن صاحب نے منّت مانی تھی کہ اگر میر صاحب تندرست ہوگئے تو وہ مجلس کریں گے ۔ صحت کے بعد

---

۱ - یادگارِ انیس ، طبع دوم ، ص ۱۴۶ - حیات انیس ، ص ۲۵۷ -

وہ نانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور منّت کی کیفیت بیان کی ۔ میر صاحب نے فرمایا : ''تم نے میری صحت کی مجلس مانی ہے تو مجلس کرو ، میرے پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں'' ۔ مگر بالآخر مجبور ہو گئے اور کئی سال کے بعد امام باڑہ افضل محل واقع ڈیوڑھی آغا میر میں یہ مرثیہ پڑھا :

جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے

اس مرثیے کا قریب قریب نصف حصہ میر انیس نے ایک شب میں تصنیف فرمایا ہے[1] ۔

اس مرثیے پر کسی نے اعتراض کیا کہ آفتاب کا مسافتِ شب طے کرنا ایک تازہ خیال ہے ۔ مسافتِ شب ماہتاب طے کرتا ہے ، نہ کہ آفتاب ۔ میر صاحب نے منبر پر بیٹھ کر معترض کو للکارا اور ''علمِ ہیئت سے فاصلۂ شب میں دورۂ شمسی کو ثابت کیا''[2] ۔

تہذیبی قانون اور قاعدوں کے مطابق انیس کا مونس و نفیس کے مقابلے میں بیٹھ کر مرثیہ لکھنا نا ممکن سا معلوم ہوتا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ مونس و نفیس نے میر صاحب کے بعد ، وقفوں کے ساتھ مذکورہ بالا مرثیے لکھے ہوں گے ۔

میرے اندازے کے مطابق میر انیس نے یہ مرثیہ آغاز ۱۸۵٦ع یا اس سے کچھ پہلے لکھا ہوگا اور اس کے لیے :

عالم پسند لفظ ہیں ، سلطاں پسند بند

میں ''عالم'' اور ''سلطاں'' کو میں تعیّنِ تاریخ کے لیے ایک اشارہ مانتا ہوں ، کیونکہ واجد علی شاہ کو عام طور سے ''سلطانِ عالم'' کہا جاتا تھا اور سلطانِ عالم واجد علی شاہ فروری ۱۸۵٦ع میں معزول

---

۱ - واقعاتِ انیس ، ص ۱۰۳ تا ۱۰۸ -

۲ - واقعاتِ انیس ، ص ۴۲ -

ہو کر لکھنؤ سے کلکتے گئے تھے - مئی ۱۸۵۷ع میں آزادی کا معرکہ
ہوا - ۱۸۵۹ع میں یہ مرثیہ عظیم آباد میں سنا گیا اور اس سے پہلے
اس مجلس کا تذکرہ تحریر میں نہ آ سکا -

۱۸۵۹ع سے ۱۸۶۱ع تک تین سال میر صاحب نے محرّم کا مہینہ
عظیم آباد میں گزارا - ممکن ہے واپسی پر بھی وہ لکھنؤ میں مجلسیں نہ
پڑھ سکے ہوں لیکن جب لوگوں نے اصرار کر کے مجلس پڑھوائی ہو تو
انیس نے یہی مرثیہ پڑھا ہو جو معرکہ ارا ہونے کی وجہ سے مشہور
ہوا - یا پھر میر صاحب جب حیدر آباد سے واپس آئے (۱۸۷۱ع) تو
ممکن ہے مرثیہ خوانی چھوڑ دی ہو اور علالت و ضعف کی وجہ سے
کچھ دیر تک منبر کو نفیس کے حوالے کر دیا ہو ، لیکن لوگوں کے
اصرار پر آخر میر صاحب کو خود مجلس پڑھنا پڑی ہو - مگر یہ بھی یاد
رہے کہ میر صاحب کی آخری مجلس کا مرثیہ یہ نہیں ہے -

رہی یہ بات کہ "آفتاب" کے سفرِ شب پر اعتراض ہوا اور
میر صاحب نے اس کا جواب دیا ، تو ہو سکتا ہے کہ اسی اعتراض کے
پیش نظر خود میر صاحب نے یا ان کے فرزند نے مطلع بدل دیا ہو -
پہلے تین بند یوں لکھے ہیں :

جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب
پایا سحر نے دخل ، گیا انتظامِ شب
فرشِ سفید بچھ گیا ، اکھڑے خیامِ شب
آغازِ روز تھا کہ ہوا اختتامِ شب
رونق نشانِ صبح نے دکھلائی برق کی
آمد ہوئی سواریِ سلطانِ شرق کی

چھپنے لگا جو عابدِ شب زنده دارِ ماہ
اختر چلے ، لپٹ گئے سجّادۂ سیاہ

غالب جنودِ شب پہ ہوئی صبح کی سپاہ
تھا شور دور دور شہنشاہِ کج کلاہ
ہر سو نشانِ آمدِ خورشید گڑ گیا
گردوں کے چاند تارے کا خیمہ اکھڑ گیا
لیکن عجب وہ دن تھا غضب کا، عجب سحر
بیٹھے ہوئے تھے رات کے جاگے جھکائے سر
حضرت نے اٹھ کے جانبِ گردوں جو کی نظر
مڑ کر صدا یہ دی رفقا کو بچشمِ تر
آخر ہے رات، حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو، فریضۂ سحری کو ادا کرو

پہلے دو بند ہر صاحبِ ذوق کی نظر میں انیس کے معلوم نہیں ہوتے۔ نہ ان کی تکنیک میر صاحب کی ہے، نہ الفاظ اور نہ ان کا دروبست۔ تیسرے بند کے پہلے تین مصرعے کچھ بہتر ہیں لیکن ان کے بارے میں حتمی فیصلہ مشکل ہے۔ اس کے علاوہ پورے مرثیے کے لفظوں، ترکیبوں اور مصرعوں بلکہ ایک دو بندوں میں بھی تبدیلیاں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میر صاحب نے کہیں کہیں نظرثانی کی ہو اور بندوں کا اضافہ کسی اور نے کیا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اضافے کے علاوہ بھی کسی اور کا قلم چلا ہو۔ بہرحال چونکہ نول کشور کی جلد ششم ایک مرتبہ چھپ کر متروک قرار دے دی گئی اور کراچی کا ایڈیشن اسی کی نقل ہے اس لیے اس پر پوری طرح اعتماد مشکل ہے۔ میں نے اختلافات حاشیے میں لکھ دیے ہیں۔ اب ناظرین خود فیصلہ کریں گے۔

اس مرثیے کا ایک مصوّر اور خوبصورت طباعت کا شاہکار ایڈیشن انیس کے نام سے نظامی پریس لکھنؤ نے شایع کیا تھا۔

اس مرثیے کا عربی ترجمہ مولانا علی نقی صاحب نے کیا ہے جس کے تیس بند نظامی پریس لکھنو نے نظامی جنتری ۱۹۴۴ء میں شایع کیے ہیں۔

زیرِ نظر متن بنیادی طور پر 'روحِ انیس' کے متن پر مبنی ہے۔ 'روحِ انیس' میں جناب مسعود حسن صاحب ادیب نے ایک سو چورانوے (۱۹۴) بند لکھے ہیں۔ میں نے دوسرے مستند مخطوطوں اور مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کیا ہے۔ ان نسخوں میں ایک سو چھیانوے بند ہیں۔ لاہور، کراچی اور لکھنؤ کے نسخوں سے مقابلہ کرکے اختلافات حواشی میں واضح کر دیے ہیں۔ جہاں میں نے 'روحِ انیس' کے متن سے اختلاف کیا ہے اس کا سبب بھی حاشیے میں واضح کر دیا ہے۔

مرتضٰی حسین، فاضل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱ جب[1] قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے
جلوہ کیا سحر کے رخِ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہِ گردوں رکاب نے
مڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو، فریضۂ سحری کو ادا کرو

۲ ہاں غازیو ! یہ دن ہے جدال و قتال کا
یاں خوں بہے گا آج محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہراؑ کے لال کا
گزری شبِ فراق، دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے مَلک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

۳ یہ صبح ہے وہ صبح، مبارک ہے جس کی شام
یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام
لکھّے خدا نماز گزاروں میں سب[2] کے نام
سب ہیں وحید عصر، یہ غل چار سُو اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے، سرخ رُو اٹھے

۴ یہ سن کے بستروں سے اٹھے وہ خدا شناس
اک اک[۳] نے زیبِ جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں[۴] میں کیے سب نے بے ہراس
باندھے عمامے ، آئے امامِ زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ ، کمریں کسے ہوئے
مُشک و زباد[۵] و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

۵ سوکھے لبوں پہ حمدِ الٰہی ، رخوں پہ نور
خوف و ہراس و رنج و کَدورت دلوں سے دور
فیّاض ، حق شناس ، اولوالعزم ، ذی شعور
خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حُسنِ صوت سے حظ برملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

۶ ساونت ، بُردبار ، فلک مرتبت ، دلیر
عالی منش ، سبا میں سلیماں ، وغا میں شیر
گرُدانِ دہر[۶] ، ان کی زبردستیوں سے زیر
فاقوں[۷] میں دل بھی ، چشم بھی اور نیتیں بھی سیر
دنیا کو ہیچ و پوچ سراپا سمجھتے تھے
دریا دلی سے بحر کو قطرا سمجھتے تھے

۷ تقریر میں وہ رمز[۸] کنایے کہ لاجواب
نُکتہ بھی منہ سے گر کوئی نکلا تو انتخاب
گویا دہن کتابِ بلاغت کا ایک باب
سوکھی زبانیں شہدِ فصاحت سے کامیاب
لہجوں پہ شاعرانِ عرب تھے مرے ہوئے
پستے لبوں کے وہ کہ[۹] نمک سے بھرے ہوئے

۸ لب پر ہنسی ، گلوں سے زیادہ شگفتہ رو
پیدا تنوں سے پیرہنِ یوسفی کی بو
غِلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خو
پتھر میں ایسے لعل ، صدف میں گُہر نہیں
حوروں کا قول تھا ، یہ مَلک ہیں بشر نہیں

۹ پانی[۱۰] نہ تھا وضو جو کریں وہ فلک جناب
پر تھی رخوں پہ خاکِ تیمّم سے طرفہ آب
باریک ابر میں نظر آتے تھے آفتاب
ہوتے ہیں خاکسار غلامِ ابو تراب
مہتاب سے رخوں کی صفا اور ہو گئی
مٹّی سے آئنوں پہ جلا اور ہو گئی

۱۰ خیمے سے نکلے شہ کے عزیزانِ خوش خصال
جن میں کئی تھے حضرتِ خیرالنسا[۴] کے لال
قاسم سا گل بدن ، علی اَکبر سا خوش جمال
اِک جا عقیل و مسلم و جعفر کے نونہال
سب کے رخوں کا نور سپہرِ بریں پہ تھا
اٹھارہ آفتابوں کا غنچہ[۱۱] زمیں پہ تھا

۱۱ وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور
دیکھے تو غش کرے ارنی گوئے اوجِ طور[۱۲]
پیدا گلوں سے قدرتِ اللہ کا ظہور
وہ جا بجا درختوں پہ تسبیح خواں طیور
گلشن خجل تھے وادیِ مینو اساس[۱۳] سے
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے

۱۲ ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک
شرمائے جس سے اطاسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا ، پھولوں کی وہ مہک
ہر برگِ گل پہ قطرۂ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہرِ یکتا نثار تھے
پتّے بھی ہر شجر کے جواہرنگار تھے

۱۳ قربانِ صنعتِ قلمِ آفریدگار
تھی ہر ورق[14] سے صنعتِ ترصیع[15] آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار
ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار[16]
عالم تھا محو قدرتِ ربِ عباد پر
مینا کیا تھا وادیِ مینو سواد پر

۱۴ وہ نور اور وہ دشت سہانا[17] سا ، وہ فضا
دُراج[18] و کبک و تیہو و طاؤس کی صدا
وہ جوشِ گل ، وہ نالۂ مرغانِ خوش نوا
سردی جگر کو بخشتی تھی صبح کی ہوا
پھولوں سے سبز سبز شجر سرخ پوش تھے
تھالے بھی نخل کے سبدِ[19] گل فروش تھے

۱۵ وہ دشت ، وہ نسیم کے جھونکے ، وہ سبزہ زار
پھولوں پہ جابجا وہ گُہر ہائے آبدار
اٹھنا وہ جھوم جھوم کے شاخوں کا بار بار
بالائے نخل ایک جو بلبل ، تو گل ہزار
خواہاں تھے نخلِ[20] گلشنِ زہرا[21] جو آب کے
شبنم نے بھر دیے تھے کٹورے گلاب کے

۱۶ وہ قُمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم
کُو کُو کا شور، نالۂ حق سِرّہ[۲۱] کی دھوم
"سبحان ربّنا" کی صدا تھی علی العموم
جاری تھے وہ جو ان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِ علا کی[۲۲] حمد
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی حمد

۱۷ چیونٹی بھی ہاتھ اُٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار
اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق، ترے نثار
"یا حیّ یا قدیر" کی تھی ہر طرف پکار
تہلیل[۲۳] تھی کہیں، کہیں تسبیحِ[۲۴] کردگار
طائر ہوا میں مست[۲۵]، ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونک[۲۶] رہے تھے کچھار میں

۱۸ کانٹوں میں اک طرف تھے ریاضِ نبیؐ کے پھول
خوشبو سے جن کی خلد تھا جنگل کا عرض و طول
دنیا کی زیب، زینتِ کاشانۂ بتول[۲۷]
وہ باغ[۲۸] تھا لگا گئے تھے خود جسے رسولؐ
ماہِ عزا کے عشرۂ اول میں لٹ[۲۹] گیا
وہ باغیوں کے ہاتھ سے جنگل میں لٹ[۳۰] گیا

۱۹ اللہ رے خزاں کے دن اس باغ کی بہار
پھولے سماتے تھے نہ محمدؐ[۳۱] کے گل عذار
دولہا بنے ہوئے تھے، اجل تھی گلوں کا ہار
جاگے وہ ساری رات کے، وہ نیند کا خمار
راہیں تمام جسم کی خوشبو سے بس گئیں
جب مسکرائے، پھولوں کی کلیاں بِکس گئیں

۲۰ وہ دشت اور وہ خیمۂ زنگارگوں کی شان
گویا زمیں پہ نصب تھا اک تازہ آسماں
بے چوبہ[۳۲] سپہرِ بریں جس کا سائباں
بیت العتیق[۳۳] دیں کا مدینہ ، جہاں کی جاں
اللہ کے حبیب کے پیارے اِسی میں تھے
سب عرشِ کبریا کے ستارے اِسی میں تھے

۲۱ گردوں پہ ناز کرتی تھی اُس دشت کی زمیں
کہتا تھا آسمانِ[۳۴] دہم چرخِ ہفتمیں
پردے تھے رشکِ پردۂ چشمانِ حورِ عیں
تاروں سے تھا فلک اُسی خرمن کا خوشہ چیں
دیکھا جو نور ، شمسہ[۳۵] کیواں جناب پر
کیا کیا ہنسی ہے صبحِ گلِ آفتاب[۳۶] پر

۲۲ ناگاہ چرخ پر خطِ ابیض[۳۷] ہوا عیاں
تشریف جانماز پہ لائے شہِ زماں
سجّادے بچھ گئے عقبِ شاہِ انس و جاں
صوتِ حسن سے اکبرِ مہ رو نے دی اذاں
ہر اک کی چشم آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی
گویا صدا رسولؐ کی کانوں میں آ گئی

۲۳ چپ تھے طیور ، جھومتے تھے وجد میں شجر
تسبیح خواں تھے برگ و گل و غنچہ و ثمر
محوِ ثنا ، کلوخ[۳۸] و نباتات و دشت و در
پانی سے منہ نکالے[۳۹] تھے دریا کے جانور
اعجاز تھا کہ دلبرِ شبّیر کی صدا
ہر خشک و تر سے آتی تھی تکبیر کی صدا

۲۴ ناموسِ شاہ[۳۰] روتے تھے خیمے میں زار زار
چپکی کھڑی تھی صحن میں بانوے نام دار
زینب بلائیں لے کے یہ کہتی تھی بار بار
صدقے نمازیوں کے ، مؤذن کے میں نثار
کرتے ہیں یوں ثنا و صفت ذوالجلال کی
لوگو ! اذاں سنو ، مرے یوسف جمال کی

۲۵ یہ حسنِ صوت[۳۱] اور یہ قراءت ، یہ شد و مد[۳۲]
حقا کہ افصح الفصحا ہے انھی کا جد
گویا ہے لحنِ حضرتِ داؤد[ع] با خرد
یا رب رکھ اِس صدا کو زمانے میں تا ابد
شعبے صدا میں ، پنکھڑیاں جیسے پھول میں
بلبل چہک رہا ہے ریاضِ رسول[ص] میں

۲۶ میری طرف سے کوئی بلائیں تو لینے جائے
عین الکمال[۳۳] سے تجھے بچے خدا بچائے
خوش‌لہجہ[۳۴] یہ کہ جس کی تلاوت دلوں کو بھائے
دو روز ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے
غربت[۳۵] میں پڑ گئی ہے مصیبت حسین[ع] پر
فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نورِ عین پر

۲۷ صف میں ہؤا جو نعرۂ "قد قامت الصلوٰت"
قائم ہوئی نماز ، اٹھے شاہِ کائنات
وہ نور کی صفیں ، وہ مصلّی مَلک صفات
قدموں[۳۶] سے جن کے ملتی تھی آنکھیں رہِ نجات
جلوہ[۳۷] تھا تا بہ عرشِ معلیٰ حسین[ع] کا
مصحف کی لوح تھی کہ مصلیٰ حسین[ع] کا

۲۸ قرآں کھلا ہوا کہ جماعت کی تھی نماز
بسم اللہ جیسے آگے ہو ، یوں تھے شہِ حجاز
سطریں تھیں یا صفیں عقبِ شاہِ سرفراز
کرتی تھی خود نماز بھی ان کی ادا پہ ناز
صدقے سحر ، بیاض پہ بین السطور کی
سب آیتیں تھیں مصحفِ ناطق کے نور کی

۲۹ اُمید[۴۸] مغفرت ہے علیِ علیم سے
غیر از کرم کچھ اور نہ ہوگا کریم سے
لیکن ڈگیں نہ پاؤں رہِ مستقیم سے
پہلے[۴۹] اشارہ ہے یہ "الف - لام - میم" سے
حبل المتیں یہی ہے ، نجات ان کے ہاتھ ہے
قرآں کا اور آلِ محمدؐ کا ساتھ ہے

۳۰ باہم مُکبّروں کی صدائیں وہ دل پسند
کرّوبیانِ[۵۰] عرش تھے سب جن سے بہرہ‌مند
ایماں کا نور چہروں پہ تھا چاند سے دوچند
خوفِ خدا سے کانپتے تھے سب[۵۱] کے بند بند
خم گردنیں تھیں سب کی خضوع و خشوع میں
سجدوں میں چاند تھے ، مہِ نو تھے رکوع میں

۳۱ اک صف میں سب محمدؐ و حیدرؑ کے رشتہ‌دار
اٹھارہ نوجوان ہیں اگر کیجیے شمار
پر[۵۲] سب وحیدِ عصر و حق آگاہ و خاکسار
پیرو امامِ پاک کے ، دانائے روزگار
تسبیح ہر طرف تہِ افلاک انھی کی ہے
جس پر درود پڑھتے ہیں یہ خاک[۵۳] انھی کی ہے

۳۲ دنیا سے اٹھ گیا وہ قیام اور وہ قعود
ان کے لیے تھی بندگیِ واجبُ الوجود[۵۴]
وہ عجز، وہ طویل رکوع اور وہ سجود
طاعت میں نیست جانتے تھے اپنی ہست و بود
طاقت نہ چلنے پھرنے کی تھی ہاتھ پاؤں میں
گر گر کے سجدے کر گئے[۵۵] تیغوں کی چھاؤں میں

۳۳ ہاتھ اُن کے جب قنوت میں اٹھے سوئے خدا
خود ہو گئے فلک پہ اجابت[۵۶] کے باب وا
تھرائے آسمان، ہلا عرشِ کبریا
شہپر تھے دونوں ہاتھ پئے طائرِ دعا
وہ خاکسار محوِ تضرّع تھے فرش پر
روح القدس کی طرح دعائیں تھیں عرش پر

۳۴ فارغ ہوئے نماز سے جب قبلۂ انام
آئے مصافحے کو جوانانِ تشنہ کام
چومے کسی نے دستِ شہنشاہِ خاص و عام
آنکھیں ملیں کسی[۵۷] نے قدم پر بہ احترام
کیا دل[۵۸] تھے، کیا سپاہِ رشید و سعید تھی
باہم معانقے تھے، کہ مرنے کی عید تھی

۳۵ سجدے میں شکر[۵۹] کے تھا کوئی مردِ باخدا
پڑھتا تھا کوئی حزن سے قرآں، کوئی دعا
نعت نبیؐ کہیں تھی، کہیں حمدِ کبریا
مولاؑ اٹھا کے ہاتھ یہ کرتے تھے التجا
فاقوں پہ[۶۰] تشنہ کامی و غربت پہ رحم کر
یارب! مسافروں کی جماعت پہ رحم کر

۴۶

زاری تھی ، التجا تھی ، مناجات تھی اِدھر
واں صف کشی و ظلم و تعدّی و شور و شر
کہتا تھا ابنِ سعد یہ جا جا کے نہر پر
گھاٹوں سے ہوشیار ، ترائی سے با خبر
دو روز سے ہے تشنہ دہانی حسینؑ کو
ہاں مرتے دم بھی دیجو نہ پانی حسینؑ کو

۴۷

بیٹھے تھے جانماز پہ شاہِ فلک سریر
ناگہ قریب آکے گرے تین چار تیر
دیکھا ہر اک نے مڑ کے سوے لشکرِ شریر
عبّاس اٹھے تول کے شمشیرِ بے نظیر
پروانہ تھے سراجِ امامت کے نور پر
روکی سپر ، حضورِ کرامت ظہور پر

۴۸

اکبر سے مُڑ کے کہنے لگے سرورِ زماں
باندھے ہے سرکشی پہ کمر لشکرِ گراں
تم جا کے کہہ دو خیمے میں یہ اے پدر کی جاں
بچّوں کو لے کے صحن سے ہٹ جائیں بیبیاں
غفلت میں تیر سے کوئی بچّہ تلف نہ ہو
ڈر ہے مجھے کہ گردنِ اصغر ہدف نہ ہو

۴۹

کہتے تھے یہ پسر سے شہِ آسماں سریر
فِضّہ پکاری ڈیوڑھی[۶۱] سے اے خلق کے امیر
ہے ہے علیؑ کی بیٹیاں کس جا ہوں گوشہ گیر
اصغر کے گہوارے تک آکر گرے ہیں تیر
گرمی میں ساری رات یہ گھٹ گھٹ کے روئے ہیں
بچّے ابھی تو سرد ہوا پا کے سوئے ہیں

۴۰ باقر[۶۲] کہیں پڑا ہے ، سکینہ کہیں ہے غش
گرمی کی فصل ، یہ تب و تاب اور یہ عطش
رو رو کے سو گئے ہیں صغیرانِ ماہوش[۶۳]
بچّوں کو لے کے یاں سے کہاں جائیں فاقہ کش
یہ کس خطا پہ تیر پیاپے برستے ہیں
ٹھنڈی ہوا کے واسطے بچّے ترستے ہیں

۴۱ اٹھے یہ شور سن کے امامِ فلک وقار
ڈیوڑھی تک آئے ڈھالوں کو رو کے رفیق و یار
فرمایا مڑ کے چلتے ہیں اب بہرِ کار زار
کمریں کسو جہاد پہ ، منگواؤ راہوار
دیکھیں فضا بہشت کی ، دل باغ باغ ہو
اُمّت کے کام سے کہیں جلدی فراغ ہو

۴۲ فرما کے یہ حرم میں گئے شاہِ بحر و بر
ہونے لگیں صفوں میں کمر بندیاں اِدھر
جوشن پہن کے حضرتِ عبّاسِ نام ور
دروازے پر ٹہلنے لگے مثلِ شیرِ نر
پرتو سے رخ کے برق چمکتی تھی خاک پر
تلوار ہاتھ میں تھی سپر دوشِ پاک پر

۴۳ شوکت میں رشکِ تاجِ سلیماں تھا خودِ سر
کلغی پہ لاکھ بار تصدّق ہُما کے پر
دستانے دونوں فتح کے[۶۴] مسکن ، ظفر کے گھر
وہ رعب "الاماں" وہ تہوّر کہ "الحذر"
جب ایسا بھائی ظلم کی تیغوں میں آڑ ہو
پھر کس طرح نہ بھائی کی چھاتی پہاڑ[۶۵] ہو

۴۴ خیمے میں جا کے شہ نے یہ دیکھا حرم کا حال
چہرے تو فق ہیں اور کھلے ہیں سروں کے بال
زینب کی یہ دعا ہے کہ اے رب ذوالجلال
بچ جائے اس فساد سے خیرالنساء[٦٦] کا لال
بانوے نیک نام کی کھیتی ہری رہے
صندل[٦٧] سے مانگ، بچّوں سے گودی بھری رہے

۴۵ آفت میں ہے مسافرِ صحرائے کربلا
بے کس پہ یہ چڑھائی ہے، سیّد پہ یہ جفا
غربت میں ٹھن گئی جو لڑائی تو ہوگا کیا
ان ننّھے ننّھے بچّوں پہ کر رحم اے خدا!
فاقوں سے جاں بلب ہیں، عطش سے ہلاک ہیں
یا رب! ترے رسولؐ کی یہ[٦٨] آلِ پاک ہیں

۴۶ سر پر نہ اب علیؑ، نہ رسولؐ فلک وقار
گھر لٹ گیا، گزر گئیں خاتونِ روزگار[٦٩]
امّاں کے بعد روئی حسنؑ کو میں سوگوار
دنیا میں اب حسینؑ ہے ان سب کا یادگار
تو داد دے مری کہ عدالت پناہ ہے
کچھ اس پہ بن گئی تو یہ مجمع تباہ ہے

۴۷ بولے قریب جا کے شہِ آسماں جناب
مضطر نہ ہو، دعائیں ہیں تم سب کی مستجاب[٧٠]
مغرور ہیں، خطا پہ ہیں یہ خانماں خراب
خود جا کے میں دکھاتا ہوں ان کو رہِ صواب[٧١]
موقع نہیں بہن ابھی فریاد و آہ کا
لاؤ تبرکات[٧٢] رسالت پناہ کا

۴۸ معراج میں رسولؐ نے پہنا تھا جو لباس
کشتی میں لائیں زینب آسے شاہِ دیں کے پاس
سر پر رکھا عمامہ سردارِ حق شناس
پہنی قبائے پاکِ رسولِؐ فلک اساس
بر میں درست و چست تھا جامہ رسولؐ کا
رومال فاطمہؑ کا ، عمامہ رسولؐ کا

۴۹ شملے کے دو سرے جو چُھٹے تھے بصد وقار
ثابت یہ تھا کہ دوش پہ گیسو پڑے ہیں چار
بل کھا رہا تھا زلفِ سمن بُو کا تار تار
جس کے ہر ایک مو پہ ختا و ختن نثار
مُشک و عبیر و عود اگر ہیں تو ہیچ ہیں
سنبل پہ کیا کھلیں گے ، یہ گیسو کے پیچ ہیں

۵۰ کپڑوں سے آ رہی تھی رسولِ زمن کی بو
دولھا نے سونگھی ہوگی نہ ایسی دلھن کی بو
حیدرؑ کی ، فاطمہؑ کی ، حسینؑ و حسنؑ کی بو
پھیلی ہوئی تھی چار طرف پنجتن کی بو
لٹتا تھا عطر وادیٔ عنبر سرشت میں
گل جھومتے تھے باغ میں ، رضواں بہشت میں

۵۱ پوشاک سب پہن چکے جس دم شہِ زمن
لے کر بلائیں بھائی کی رونے لگی بہن
چلّائی ، ہائے آج نہیں حیدرؑ و حسنؑ
امّاں کہاں سے لائے تمھیں ، اب یہ بےوطن
رخصت ہے اب رسولؐ کے یوسف جمال کی
صدقے گئی ، بلائیں تو لو اپنے لال کی

۵۲ صندوق اسلحہ کے جو کھلوائے شاہ نے
پیٹا منہ اپنا زینبِ عصمت پناہ نے
پہنی زرہ امامِ فلک بارگاہ نے
بازو پہ جوشنین[۷۶] پڑھے عزّ و جاہ نے
جوہر بدن کے حُسن سے سارے چمک گئے
حلقے تھے جتنے آتنے ستارے چمک گئے

۵۳ یاد آ گئے علی[۴] ، نظر آئی جو ذوالفقار
قبضے کو چوم کر شہِ دیں روئے زار زار
تولی جو لے کے ہاتھ میں شمشیرِ آب دار
شوکت نے دی صدا کہ تری شان کے نثار
فتح و ظفر قریب ہو ، نصرت قریب ہو
زیب اِس کی تجھ کو ، ضرب عدو کو نصیب ہو

۵۴ باندھی کمر سے تیغ جو زہرا[۴] کے لال نے
پھاڑا فلک پہ اپنا گریباں ، ہلال نے
دستانے پہنے سرورِ قدسی خصال نے
معراج پائی دوش پہ حمزہ[۷۷] کی ڈھال نے
رتبہ بلند تھا کہ سعادت نشان تھی
ساری[۷۸] سپر میں مُہرِ نبوت کی شان تھی

۵۵ ہتھیار اِدھر لگا چکے آقائے خاص و عام
تیّار اُدھر ہوا عَلمِ سیّد الانام[۷۹]
کھولے سروں کو گرد تھیں سیدانیاں تمام
روتی تھی تھامے چوبِ عَلم خواہرِ امام
تیغیں کمر میں ، دوش پہ شملے پڑے ہوئے
زینب کے لال زیرِ علم آ کھڑے ہوئے

۵۶ گردانے دامنوں کو قبا کے وہ گل عذار
مرفق[۸۰] تک آستینوں کو الٹے بہ صد وقار
جعفر کا رعب، دبدبۂ شیرِ کردگار[۸۱]
بوٹا[۸۲] سے اُن کے قد، پہ نمودار و نام دار
آنکھیں مَلیں عَلم سے پھریرے کو چوم کے
رایت[۸۳] کے گرد پھرنے لگے جھوم جھوم کے

۵۷ گہ ماں کو دیکھتے تھے، کبھی جانبِ عَلم
نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ اُمم
کرتے تھے دونوں بھائی کبھی مشورے بہم
آہستہ پوچھتے کبھی ماں سے وہ ذی حشم
کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا؟
امّاں! کسے ملے گا عَلم نانا جان[۸۴] کا؟

۵۸ کچھ مشورے کریں جو شہنشاہِ خوش خصال
ہم بھی محق[۸۵] ہیں، آپ کو اِس کا رہے خیال
پاس ادب سے عرض کی ہم کو نہیں مجال
اِس کا بھی خوف ہے کہ نہ ہو آپ کو ملال
آقا کے ہم غلام ہیں اور جاں نثار ہیں
عزّت طلب ہیں، نام کے امیدوار ہیں

۵۹ بے مثل تھے رسولؐ کے لشکر کے سب جواں
لیکن ہمارے جد کو نبیؐ نے دیا نشاں
خیبر میں دیکھتا رہا منہ لشکرِ گراں
پایا مگر علیؑ نے عَلم[۸۶] وقتِ امتحاں
طاقت میں کچھ کمی نہیں، گو بھوکے پیاسے ہیں
پوتے[۸۷] اُنھی کے ہم ہیں، اُنھی کے نواسے ہیں

۶۰ زینب نے تب کہا کہ تمھیں اِس سے کیا ہے کام ؟
کیا دخل[۸۸] مجھ کو ، مالک و مختار ہیں امام
دیکھو ! نہ کیجو بے ادبانہ کوئی کلام !
بگڑوں گی میں جو لو گے زباں سے عَلم کا نام
لو ، جاؤ ! بس کھڑے ہو الگ ہاتھ جوڑ کے
کیوں[۸۹] آئے تم یہاں علی اکبر کو چھوڑ کے ؟

۶۱ سر کو ، ہٹو ، بڑھو ، نہ کھڑے ہو علم کے پاس
ایسا نہ ہو کہ دیکھ لیں شاہِ فلک اساس
کھوتے ہو اور آئے ہوے تم مِرے حواس
بس قابلِ قبول نہیں ہے یہ التماس
رونے لگو گے پھر جو برا یا بھلا کہوں
اِس ضد کو بچپنے کے سوا اور کیا کہوں

۶۲ عمریں قلیل ، اور ہوسِ منصبِ جلیل
اچھّا نکالو قد کے بھی بڑھنے کی کچھ سبیل
ماں صدقے جائے ، گرچہ یہ ہمّت کی ہے دلیل
ہاں اپنے ہم سِنوں میں تمھارا نہیں عدیل[۹۰]
لازم ہے سوچے ، غور کرے ، پیش و پس کرے
جو ہو سکے نہ ، کیوں بشر اُس کی ہوس کرے

۶۳ اِن ننھے ننھے ہاتھوں سے اُٹھے گا یہ عَلم ؟
چھوٹے قدوں میں سب سے ، سِنوں میں سبھوں سے کم
نکلے تنوں سے سبطِ نبیؐ کے قدم پہ دم
عہدہ یہی ہے بس ، یہی منصب ، یہی حشم
رخصت طلب اگر ہو تو یہ میرا کام ہے
ماں صدقے جائے ، آج تو مرنے میں نام ہے

۶۴ پھر تم کو کیا، بزرگ تھے گر فخرِ روزگار
زیبا نہیں ہے وصفِ اِضافی[۹۱] پہ افتخار
جوہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار
دکھلا دو آج حیدر[ع] و جعفر[رض] کی کارزار
تم کیوں کہو کہ لال خدا کے ولی کے ہیں
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علی[ع] کے ہیں

۶۵ کیا کچھ عَلم سے جعفرِ طیّار کا تھا نام ؟
یہ بھی تھی اِک عطائے رسولِ[ص] فلک مقام
بگڑی لڑائیوں میں بن آئے انھی سے کام
جب کھینچتے تھے تیغ تو ہلتا تھا روم و شام
بے جاں ہوئے تو نخلِ وغا نے ثمر دیے
ہاتھوں کے بدلے حق نے جواہر کے پر دیے

۶۶ لشکر نے تین روز ہزیمت اٹھائی جب
بخشا عَلم رسولِ خدا[ص] نے علی[ع] کو تب
مرحب[۹۲] کو قتل کرکے بڑھا جب وہ شیرِ رب
در بند کر کے قلعے کا بھاگی سپاہ سب
اکھڑا وہ یوں، گراں تھا جو در سنگِ سخت سے
جس طرح توڑ لے کوئی پتّا درخت سے

۶۷ نرغے میں تین دن سے ہے مشکل کشا کا لال
انساں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال
پوچھا نہ یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال
میں لٹ رہی ہوں اور تمھیں منصب کا ہے خیال
غمخوار تم مرے ہو، نہ عاشق امام کے
معلوم ہو گیا مجھے، طالب ہو نام کے

۶۸ ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام
غصّے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام
واللہ کیا مجال جو لیں اب عَلم کا نام
کھل جائے گا لڑیں گے جو یہ باوفا غلام
فوجیں بھگا کے گنجِ شہیداں میں سوویں گے
تب قدر ہوگی آپ کو جب ہم نہ ہوویں گے

۶۹ یہ کہہ[۹۳] کے بس ہٹے جو سعادت نشاں پسر
چھاتی بھر آئی ماں کی ، کہا تھام کر جگر
دیتے ہو اپنے مرنے کی پیارو مجھے خبر
ٹھہرو ذرا بلائیں تو لے لے یہ نوحہ گر
کیا ، صدقے جاؤں ، ماں کی نصیحت بری لگی ؟
بچّو ! یہ کیا کہا کہ جگر پر چھری لگی

۷۰ زینب کے پاس آ کے یہ بولے شہِ زمن
کیوں ، تم نے دونوں بیٹوں کی باتیں سنیں بہن
شیروں کے شیر ، عاقل و جرّار[۹۴] و صف شکن
زینب ! وحید عصر ہیں ، دونوں یہ گل بدن
یوں دَیکھنے کو سب میں بزرگوں کے طور ہیں
تیور ہی اِن کے اور ، ارادے ہی اور ہیں

۷۱ نو دس برس کے سن میں یہ جرأت یہ ولولے !
بچّے کسی نے دیکھے ہیں ایسے بھی من چلے !
اقبال کیوں کہ اِن کے نہ قدموں سے منہ ملے
کس گود میں بڑے ہوئے ، کس دودھ سے پلے
بے شک یہ ورثہ دارِ جنابِ امیر ہیں
پر کیا کروں کہ دونوں کی عمریں صغیر ہیں

۷۲ اب[۹۵] تم جسے کہو ، اسے دیں فوج کا عَلم
کی عرض ، جو صلاحِ شہِ آسماں حشم
فرمایا جب سے اٹھ گئیں زہرائے باکرم
اس دن سے تم کو ماں کی جگہ جانتے ہیں ہم
مالک ہو تم ، بزرگ کوئی ہو کہ خُرد ہو
جس کو کہو اسی کو یہ عہدہ سپرد ہو

۷۳ بولی بہن کہ آپ بھی تو لیں کسی کا نام
ہے کس طرف توجہِ سردارِ خاص و عام
قرآں[۹۶] کے بعد ہے تو ہے بس آپ کا کلام
گر مجھ سے پوچھتے ہیں شہِ آسماں مقام
شوکت میں ، قد میں ، شان میں ، ہمسر کوئی نہیں
عبّاسِ نام دار سے بہتر کوئی نہیں

۷۴ عاشق ، غلام ، خادمِ دیرینہ ، جاں نثار
فرزند ، بھائی ، زینتِ پہلو ، وفا شعار
راحت[۹۷] رساں ، مطیع ، نمودار ، نام دار
جرّار ، یادگارِ پدر ، فخرِ روزگار
صفدر ہے ، شیر دل ہے ، بہادر ہے ، نیک ہے
بے مثل[۹۸] سینکڑوں میں ، ہزاروں میں ایک ہے

۷۵ آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہِ زمن
ہاں تھی یہی علی[ع] کی وصیّت بھی اے بہن
اچھا بُلائیں آپ ، کدھر ہے وہ صف شکن
اکبر چچا کے پاس گئے سن کے یہ سخن
کی عرض ، انتظار ہے شاہِ غیور کو
چلیے ! پھپھی نے یاد کیا ہے حضور کو

۷۶ عبّاس آئے ہاتھوں کو جوڑے حضورِ شاہ
جاؤ بہن کے پاس ، یہ بولا وہ دیں پناہ
زینب وہیں علم لیے آئیں بہ عزّو جاہ
بولے نشاں کو لے کے شہِ عرش[۹۹] بارگاہ
اِن کی خوشی وہ ہے جو رضا پنجتن کی ہے
لو بھائی[۱۰۰] لو علم یہ عنایت بہن کی ہے

۷۷ رکھ کر علم پہ ہاتھ جھکا وہ فلک[۱۰۱] وقار
ہمشیر کے قدم پہ مَلا منہ بہ افتخار
زینب بلائیں لے کے یہ بولیں کہ میں نثار
عبّاس فاطمہ[۴] کی کمائی سے ہوشیار
ہو جائے آج صلح کی صورت تو کل چلو
اِن آفتوں سے بھائی کو لے کر نکل چلو

۷۸ کی عرض ، میرے جسم پہ جس وقت تک ہے سر
ممکن نہیں ہے یہ کہ بڑھے فوجِ[۱۰۲] بد گُہر
تیغیں کھنچیں جو لاکھ تو سینہ کروں سپر
دیکھیں[۱۰۳] اُٹھا کے آنکھ یہ کیا تاب ، کیا جگر !
ساونت ہیں پسر اسدِ ذوالجلال کے
گر شیر ہو تو پھینک دیں[۱۰۴] آنکھیں نکال کے

۷۹ منہ کرکے سوئے قبرِ[۱۰۵] علی پھر کیا خطاب
ذرّے کو آج کر دیا مولا نے آفتاب
یہ عرض خاکسار کی ہے یا ابو تراب
آقا کے آگے ہوں میں شہادت سے[۱۰۶] کامیاب
سر تن سے ابنِ فاطمہ کے روبرو گرے
شبّیر کے پسینے پہ میرا لہو گرے

۸۰ یہ سن کے آئی[۱۰۷] زوجۂ عباسِ نام ور
شوہر کی سمت پہلے کنکھیوں سے کی نظر
لیں سبطِ مصطفیٰؐ کی بلائیں بہ چشمِ تر
زینب کے گرد پھر کے یہ بولی وہ نوحہ گر
فیض آپ کا ہے اور تصدّق اِمام کا
عزّت بڑھی کنیز کی ، رتبہ غلام کا

۸۱ سر کو لگا کے چھاتی سے زینب نے یہ کہا
تو اپنی مانگ کوکھ سے ٹھنڈی رہے سدا !
کی عرض ، مجھ سی لاکھ کنیزیں ہوں تو فدا
بانوے نام ور کو سہاگن رکھے خدا
بچے جییں ، ترقیِ اقبال و جاہ ہو
سائے میں آپ کے عَلی اکبر کا بیاہ ہو

۸۲ قسمت وطن میں خیر سے پھر سب[۱۰۸] کو لے کے جائے
یثرب میں شور ہو کہ سفر سے حسین آئے
اُم البنین جاہ و حشم سے پسر کو پائے
جلدی شبِ عروسیِ اکبر خدا دکھائے
مہندی تمھارا لال مَلے ہاتھ پاؤں میں
لاؤ دلھن کو بیاہ کے تاروں کی چھاؤں میں

۸۳ ناگاہ آ کے بالی سکینہ نے یہ کہا
کیسا ہے یہ ہجوم ، کدھر ہیں مرے چچا
عہدہ عَلم کا اُن کو مبارک کرے خدا
لوگو ! مجھے بلائیں تو لینے دو اک ذرا
شوکت خدا بڑھائے مرے عمّو جان کی
میں بھی تو دیکھوں شان علیؑ کے نشان کی

۸۴ عبّاس مسکرا کے پکارے کہ آؤ آؤ
عمّو نثار ، پیاس سے کیا حال ہے بتاؤ
بولی لپٹ کے وہ کہ مری مشک لیتے جاؤ
اب تو عَلم ملا تمھیں ، پانی مجھے پلاؤ
تحفہ نہ کوئی دیجیے ، نہ انعام دیجیے
قربان جاؤں ، پانی کا اک جام دیجیے

۸۵ باتوں[109] پہ اس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام
کی عرض آ کے ابنِ حَسن نے کہ یا امام
انبوہ ہے ، بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام
فرمایا آپ نے کہ نہیں فکر کا مقام
عبّاس اب عَلم لیے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو ، بہن سے مِل کے گلے ، ہم بھی چلتے ہیں

۸۶ ناگہ[110] بڑھے عَلم لیے عبّاسِ باوفا
دوڑے سب اہلِ بیت کھلے سر ، برہنہ پا
حضرت نے ہاتھ اٹھا کے یہ اک ایک سے کہا
لو الوداع ، اے حرمِ پاکِ مصطفیٰ ص!
صبحِ شبِ فراق ہے پیاروں کو دیکھ لو
سب مِل کے ڈوبتے ہوئے تاروں کو دیکھ لو

۸۷ شہ کے قدم پہ زینبِ زار و حزیں گری
بانو[111] پچھاڑ کھا کے پسر کے قریں گری
کلثوم تھرتھرا کے بروئے زمیں گری
باقر کہیں گرا تو سکینہ کہیں گری
اُجڑا چمن ، ہر اک گلِ تازہ نکل گیا
نکلا عَلم کہ گھر سے جنازہ نکل گیا

۸۸ دیکھی جو شانِ حضرتِ عبّاسِ عرش جاہ
آگے ہوئی[۱۱۲] عَلَم کے پس از تہنیت سپاہ
نکلا حرم سرا سے دو عالم کا بادشاہ
نشتر بہ دل تھی بنتِ علیؑ کی فغان و آہ
رہ رہ کے اشک بہتے تھے روئے جناب سے
شبنم ٹپک رہی تھی گلِ آفتاب سے

۸۹ مولا چڑھے فرس پہ محمدؐ کی شان سے
ترکش لگایا ہرنے[۱۱۳] پہ کس آن بان سے
نکلا یہ جنّ و انس و مَلک کی زبان سے
آترا ہے پھر زمیں پہ براق آسمان سے
سارا چلن خرام میں کبکِ دری کا ہے
گھونگھٹ نئی دلھن کا ہے، چہرہ پری کا ہے

۹۰ غصّے میں انکھڑیوں کے آبلنے کو دیکھیے
بن بن[۱۱۴] کے، جھوم جھوم کے چلنے کو دیکھیے
سانچے میں جوڑ بند کے ڈھلنے کو دیکھیے
تھم[۱۱۵] کر کنوتیوں کے بدلنے کو دیکھیے
گردن[۱۱۶] میں ڈالیں ہاتھ، یہ پریوں کو شوق ہے
بالا دوی[۱۱۷] میں اس کو ہما پر بھی فوق ہے

۹۱ تھم کر ہوا چلی فرسِ خوش قدم بڑھا
جوں جوں وہ سوئے دشت بڑھا، اور دم بڑھا
گھوڑوں کی لیں سواروں نے باگیں، عَلم بڑھا
رایت بڑھا کہ سروِ ریاضِ ارم بڑھا
پھولوں کو لے کے بادِ بہاری پہنچ گئی
بستانِ کربلا میں سواری پہنچ گئی

۹۲
پنجہ اِدھر چمکتا تھا اور آفتاب اُدھر
اُس کی ضیا تھی خاک پہ[۱۱۸] ، ضو اِس کی عرش پر
زر ریزیِ عَلم پہ ٹھہرتی نہ تھی نظر
دولھا کا رخ تھا سونے کے سہرے میں جلوہ گر
تھے دو طرف جو دو عَلم اس اِرتفاع کے
اُلجھے ہوئے تھے تار خطوطِ شعاع کے

۹۳
اللہ ری سپاہِ خدا کی شکوہ و شان
جھکنے[۱۱۹] لگے جَنودِ ضلالت کے بھی نشان
کمریں کسے ، عَلم کے تلے ہاشمی جوان
دنیا کی زیب ، دین کی عزّت ، جہاں کی جاں
ایک ایک دودمانِ علی کا چراغ تھا
جس[۱۲۰] کو بہشت پر تھا تفوّق وہ باغ تھا

۹۴
لڑکے وہ سات آٹھ ، سہی قد ، سمن عذار
گیسو کسی کے چہرے پہ ، دو اور کسی کے چار
حیدر کا رعب ، نرگسی آنکھوں سے آشکار
کھیلیں تو نیمچوں سے کریں شیر کو شکار
تیروں کے سمت چاند سے سینے تنے ہوئے
آئے تھے عید گاہ میں دولھا بنے ہوئے

۹۵
غرفوں[۱۲۱] سے حوریں دیکھ کے کرتی تھیں یہ کلام
دنیا کا باغ بھی ہے عجب پُر فضا مقام
دیکھو درود پڑھ کے سوئے لشکرِ امام
ہم شکلِ مصطفیٰؐ ہے یہی عرش احتشام
رایت لیے وہ لال خدا کے ولی کا ہے
اب تک جہاں میں ساتھ نبیؐ و علیؑ کا ہے

۹۶ دنیا سے اُٹھ گئے تھے جو پیغمبرِ زماں
ہم جانتے تھے حسن سے خالی ہے اب جہاں
کیوں کر سوئے زمیں نہ جھکے پیرِ آسماں
پیدا کیا ہے حق نے عجب حسن کا جواں
سب خوبیوں کا خاتمہ بس اِس حسیں پہ ہے
محبوبِ حق ہیں عرش پہ، سایہ زمیں پہ ہے

۹۷ ناگاہ تیر اُدھر سے چلے جانبِ امام
گھوڑا بڑھا کے آپ نے حجت[۱۲۲] بھی کی تمام
نکلے اِدھر سے شہ کے رفیقانِ تشنہ کام
بے سر ہوئے پروں میں سرانِ سپاہِ شام
بالا کبھی تھی تیغ، کبھی زیرِ تنگ تھی
ایک اک کی جنگ مالکِ اشتر[۱۲۳] کی جنگ تھی

۹۸ نکلے پئے جہاد، عزیزانِ شاہِ دیں
نعرے کیے کہ خوف سے ہلنے لگی زمیں
روباہ[۱۲۴] کی صفوں پہ چلے شیر خشم گیں
کھینچی جو تیغ، بھول گئے صف کشی لعیں
بجلی گری پروں پہ شمال و جنوب کے
کیا کیا لڑے ہیں شام کے بادل میں ڈوب کے

۹۹ اللہ رے علیؑ کے نواسوں کی کارزار
دونوں کے نیمچے تھے کہ چلتی تھی ذوالفقار
شانہ کٹا، کسی نے جو روکا سپر پہ وار
گنتی تھی زخمیوں کی، نہ کُشتوں کا تھا شمار
اِتنے سوار قتل کیے تھوڑی دیر میں
دونوں کے گھوڑے چھپ گئے لاشوں کے ڈھیر میں

۱۰۰ وہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ ، وہ گوری کلائیاں
آفت کی پُھرتیاں تھیں ، غضب کی صفائیاں
ڈر ڈر کے کاٹتے تھے کماں کش کنائیاں[۱۲۵]
فوجوں میں تھیں نبیؐ و علیؑ کی دہائیاں[۱۲۶]
شوکت[۱۲۷] تو ہُو بہو تھی جنابِ امیر کی
طاقت دکھا دی شیروں نے مادر کے شیر کی

۱۰۱ کس حُسن سے حَسن کا جوانِ حسیں لڑا
گِھر گِھر کے صورتِ اسدِ خشم گیں لڑا
دو دن کی بھوک پیاس میں وہ مہ جبیں لڑا
سہرا اُلٹ کے یوں کوئی دولہا[۱۲۸] نہیں لڑا
حملے دکھا دیے اسدِ کردگار کے
مقتل میں سوئے ارزقِ[۱۲۹] شامی کو مار کے

۱۰۲ چمکی جو تیغِ حضرتِ عبّاسِ عرش جاہ
روح الامیں[۱۳۰] پکارے کہ اللہ کی پناہ
ڈھالوں میں چھپ گیا پسرِ سعدِ رو سیاہ
کُشتوں سے بند ہو گئی امن و اماں کی راہ
جھپٹا جو شیر شوق میں دریا کی سیر کے
لے لی ترائی تیغوں کی موجوں کو پیر کے

۱۰۳ بے سر ہوئے مُؤکلِ[۱۳۱] سرچشمۂ فرات
ہل چل میں مثلِ فوج صفوں کو نہ تھا ثبات
دریا میں گر کے ڈوب گئے[۱۳۲] ، کتنے بد صفات
گویا حباب ہو گئے تھے نقطۂ حیات
عباس بھر کے مَشک کو یوں تشنہ لب لڑے
جس طرح "نہرواں"[۱۳۳] میں امیرِ عرب لڑے

۱۰۴ آفت تھی حرب و ضربِ علی اکبرِ دلیر
غصّے میں جھپٹے[۱۳۴] صید پہ جیسے گرسنہ شیر
سب سربلند پست ، زبردست سب تھے زیر
جنگل میں چار سمت ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
سر ان کے اترے تن سے جو تھے رن چڑھے ہوئے
عبّاس سے بھی جنگ میں تھے کچھ[۱۳۵] بڑھے ہوئے

۱۰۵ تلواریں برسیں صبح سے نصف النہار تک
ہلتی رہی زمین ، لرزتے رہے فلک
کانپا کیے پروں کو سمیٹے ہوئے ملک
نعرے نہ پھر وہ تھے ، نہ وہ تیغوں کی تھی چمک
ڈھالوں کا دور ، برچھیوں کا اوج ہو گیا
ہنگامِ ظہر خاتمۂ فوج ہو گیا

۱۰۶ لاشے سبھوں کے سبطِ نبیؐ خود اٹھا کے لائے
قاتل کسی شہید کا سر کاٹنے نہ پائے
دشمن کو بھی نہ دوست کی فرقت خدا دکھائے
فرماتے تھے بچھڑ گئے سب ہم سے ہائے ہائے
اتنے پہاڑ گر پڑیں جس پر وہ خم نہ ہو ؟
گر سو برس جیوں تو یہ مجمع بہم نہ ہو

۱۰۷ لاشے تو سب کے گرد تھے اور بیچ میں امام
ڈوبی ہوئی تھی خوں میں نبیؐ کی قبا تمام
افسردہ و حزیں و پریشان و تشنہ کام
برچھی تھی دل کو فتح[۱۳۶] کے باجوں کی دھوم دھام
اعدا کسی شہید کا جب نام لیتے تھے
تھرّا کے دونوں ہاتھوں سے دل تھام لیتے تھے

۱۰۸

پوچھو اُسی سے جس کے جگر پر ہوں اتنے داغ
اک[۱۳۷] عمر کا ریاض تھا جس پر لٹا وہ باغ
فرصت نہ اب بُکا سے، نہ ماتم سے ہے[۱۳۸] فراغ
جو گھر کی روشنی تھے وہ گل ہو گئے چراغ
پڑتی تھی دھوپ سب کے تنِ پاش پاش پر
چادر بھی اک نہ تھی علی اکبر کی لاش پر

۱۰۹

مقتل سے آئے خیمے کے در پر شہِ زمن
پر شدّتِ عطش سے نہ تھی طاقتِ سخن
پردے پہ ہاتھ رکھ کے پکارے بہ صد محن[۱۳۹]
اصغر کو گاہوارے سے لے آؤ اے بہن
پھر ایک بار اُس مہِ انور کو دیکھ لیں
اکبر[۱۴۰] کے شیرخوار برادر کو دیکھ لیں

۱۱۰

خیمے سے دوڑے[۱۴۱] آلِ محمدؐ برہنہ سر
اصغر کو لائیں ہاتھوں پہ بانوے نوحہ گر
بچے کو لے کے بیٹھ گئے آپ خاک پر
منہ سے ملے جو ہونٹ تو چونکا وہ سیم بر
غم کی چُھری چلی جگرِ چاک چاک پر
بٹھلا لیا حسینؑ نے زانوے پاک پر

۱۱۱

بچے سے ملتفت تھے شہِ آسماں سریر
تھا اُس طرف کمیں میں بنِ کاہلِ[۱۴۲] شریر
مارا جو تین بھال[۱۴۳] کا اُس بے حیا نے تیر
بس دفعتاً نشانہ ہوئی گردنِ صغیر
تڑپا جو شیرخوار تو حضرت نے آہ کی
معصوم ذبح ہو گیا گودی میں شاہ کی

۱۱۲ جس دم تڑپ کے مر گیا وہ طفلِ شیرخوار
چھوٹی سی قبر تیغ سے کھودی بحالِ زار
بچے کو دفن کرکے پکارا وہ ذی وقار
اے خاکِ پاک ! حرمتِ مہماں نگاہ دار
دامن میں رکھ اسے جو محبّت علیؑ کی ہے
دولت ہے فاطمہؑ کی ، امانت علیؑ کی ہے

۱۱۳ پہلے پہل[۱۴۴] چھٹا ہے یہ ماں کے کنار سے
واقف نہیں ہے قبر کی شب ہائے تار سے
اے قبر ! ہوشیار مرے گل عذار سے
گردن چھدی ہوئی ہے ، بچانا فشار سے
سیّد ہے ، لال حضرتِ خیرالنسا کا ہے
معصوم ہے ، شہید ہے ، بندہ خدا کا ہے

۱۱۴ یہ کہہ کے آئے فوج پہ تولے ہوے حسام[۱۴۵]
آنکھیں لہو تھیں ، رونے سے چہرہ تھا سرخ فام
زیبِ بدن کیے تھے بہ صد عزّ و احتشام
پیراہنِ مطہّرِ پیغمبرِ انام
حمزہ کی ڈھال ، تیغ شہِ لافتا[۱۴۶] کی تھی
بر میں زرہ جناب رسولِ خداؐ کی تھی

۱۱۵ رستم تھا درع[۱۴۷] پوش کہ پاکھر میں راہوار
جرّار ، بُردبار ، سبک رو ، وفا شعار
کیا خوش‌نما تھا زینِ طلا کار و نقرہ کار
اکسیر تھا[۱۴۸] ، قدم کا جسے مل گیا غبار
خوش خو تھا ، خانہ زاد تھا ، دلدل[۱۴۹] نژاد تھا
شبّیر بھی سخی تھے ، فرس بھی جواد[۱۵۰] تھا

١١٦ گرمی[101] کا روزِ جنگ کی کیونکر کروں بیاں
ڈر ہے کہ مثلِ شمع نہ جلنے لگے زباں
وہ لُوں کہ الحذر ، وہ حرارت کہ الاماں
رن کی زمیں تو سرخ تھی اور زرد آسماں
آبِ خنک کو خلق ترستی تھی خاک پر
گویَا ہوا سے آگ برستی تھی خاک پر

١١٧ وہ لُوں ، وہ آفتاب کی حدّت ، وہ تاب و تب
کالا تھا رنگ دھوپ سے دن کا مثالِ شب
خود نہرِ علقمہ[102] کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب
خیمے جو تھے حبابوں کے ، تپتے تھے سب کے سب
اُڑتی تھی خاک ، خشک تھا چشمہ حیات کا
کھولا ہوا تھا دھوپ سے پانی فرات کا

١١٨ جھیلوں سے چارپائے نہ اٹھتے تھے تا بہ شام
مسکن میں مچھلیوں کے سمندر[103] کا تھا مقام
آہو[104] جو کاہلے تھے تو چیتے سیاہ فام
پتّھر پگھل کے رہ گئے تھے مثلِ مومِ خام
سرخی اُڑی تھی پھولوں سے ، سبزی گیاہ سے
پانی کنوؤں میں اترا تھا سائے کی چاہ سے

١١٩ کوسوں[105] کسی شجر میں نہ گل تھے ، نہ برگ و بار
ایک ایک نخل جل رہا تھا صورتِ چنار
ہنستا تھا کوئی گل ، نہ لہکتا تھا سبزہ زار
کانٹا ہوئی تھی سوکھ کے ہر شاخِ باردار
گرمی یہ تھی کہ زیست سے دل سب کے سرد تھے
پتّے بھی مثلِ چہرۂ مدقوق زرد تھے

۱۲۰ آبِ رواں سے منہ نہ اٹھاتے تھے جانور
جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر اُدھر
مردم[۱۵۶] تھے سات پردوں کے اندر عرق میں تر
خس خانۂ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جائے راہ میں
پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

۱۲۱ شیر اٹھتے تھے نہ دھوپ کے مارے کچھار سے
آہو نہ منہ نکالتے تھے سبزہ زار سے
آئینہ مہر کا تھا مکدّر غبار سے
گردوں کو تپ چڑھی تھی زمیں کے بخار سے
گرمی سے مضطرب تھا زمانہ زمین پر
بُھن جاتا تھا جو گرتا تھا دانہ زمین پر

۱۲۲ گرداب پر تھا شعلۂ جوّالہ[۱۵۷] کا گماں
انگارے تھے حباب تو پانی شرر فشاں
منہ سے نکل پڑی تھی ہر اک موج کی زباں
تہہ پر تھے سب نہنگ[۱۵۸]، مگر تھی لبوں پہ جاں
پانی تھا آگ، گرمیٔ روزِ حساب تھی
ماہی جو سیخِ موج تک آئی کباب تھی

۱۲۳ آئینۂ فلک کو نہ تھی تاب و تب کی تاب
چھپنے کو برق چاہتی تھی دامنِ سحاب
سب سے سوا تھا گرم مزاجوں کو اضطراب
کافورِ صبح[۱۵۹] ڈھونڈھتا پھرتا تھا آفتاب
بھڑکی تھی آگ گنبدِ چرخِ اثیر[۱۶۰] میں
بادل چھپے تھے سب کرۂ زمہریر[۱۶۱] میں

۱۲۴ اُس دھوپ میں کھڑے تھے اکیلے شہِ اُمم
نے دامنِ رسول تھا ، نے سایۂ علم
شعلے جگر سے آہ کے اُٹھتے تھے دم بدم
اُودے تھے لب ، زباں میں کانٹے ، کمر میں خم
بے آب تیسرا تھا جو دن میہماں کو
ہوتی تھی بات بات میں لکنت زباں کو

۱۲۵ گھوڑوں کو اپنے کرتے تھے سیراب سب [۱۶۲] سوار
آتے تھے اونٹ گھاٹ پہ باندھے ہوئے قطار
پیتے تھے آبِ نہر پرند آ کے بے شمار
سقے زمیں پہ کرتے تھے چھڑکاؤ بار بار
پانی کا دام و دد کو پلانا ثواب تھا
اک ابنِ فاطمہ کے لیے قحطِ آب تھا

۱۲۶ سر پر لگائے تھا پسرِ سعد چترِ زر
خادم کئی تھے مروحہ جنباں [۱۶۳] ، اِدھر اُدھر
کرتے تھے آب پاش ، مکرر زمیں کو تر
فرزندِ فاطمہ پہ نہ تھا سایۂ شجر
وہ دھوپ دشت کی ، وہ جلال آفتاب کا
سنولا گیا تھا رنگ مبارک جناب کا

۱۲۷ کہتا تھا ابنِ سعد کہ اے آسماں جناب !
بیعت جو کیجے اب بھی تو حاضر ہے جامِ آب
فرماتے تھے حسین کہ او خانماں خراب !
دریا کو خاک جانتا ہے [۱۶۴] ابنِ بوتراب
فاسق ہے ، پاس کچھ تجھے اسلام کا نہیں
آبِ بقا [۱۶۵] ہو اب تو مرے کام کا نہیں

۱۲۸ کہہ دوں تو خوان لے کے خود آئیں ابھی[۱۶۶] خلیل
چاہوں تو سلسبیل کو دم میں کروں سبیل
کیا جام آب کا مجھے تُو دے گا، او ذلیل!
بے آبرو، خسیس، ستم گر، دنی[۱۶۷]، بخیل
جس پھول پر پڑے ترا سایہ وہ بو نہ دے
کھلوائے فصد تُو تو کبھی رگ لہو نہ دے

۱۲۹ گر جم کا نام لوں تو ابھی جام لے کے آئے
کوثر یہیں رسول کا احکام[۱۶۸] لے کے آئے
روح الامیں زمیں پہ مرا نام لے کے آئے
لشکر ملک کا فتح کا پیغام لے کے آئے
چاہوں جو انقلاب تو دنیا تمام ہو
الٹے زمین یوں کہ نہ کوفہ، نہ شام ہو

۱۳۰ فرما کے یہ، نگاہ جو کی سوئے ذوالفقار
تھرا کے پچھلے پاؤں ہٹا وہ ستم شعار
مظلوم پر صفوں سے چلے تیر بے شمار
آوازِ کوسِ حرب[۱۶۹] ہوئی آسماں کے پار
نیزے اٹھا کے جنگ پہ اسوار تل گئے
کالے[۱۷۰] نشانِ سپاہِ سیہ رو میں کھل گئے

۱۳۱ وہ دھوم طبلِ جنگ کی، وہ بُوق کا خروش
کر[۱۷۱] ہو گئے تھے شور کرّوبیوں کے گوش
تھرائی یوں زمیں کہ اڑے آسماں کے ہوش
نیزے ہلا کے نکلے سوارانِ درع پوش
ڈھالیں تھیں یوں سروں پہ سوارانِ شوم کے
صحرا میں جیسے آئے گھٹا جھوم جھوم کے

۱۳۲ لو[۱۷۲] پڑھ کے چند شعر رجز شاہِ دیں بڑھے
گیتی کو تھام لینے کو روح الامیں بڑھے
مانندِ شیرِ نر کہیں ٹھہرے کہیں بڑھے
گویا علی[ع] اُلٹتے ہوئے آستیں بڑھے
جلوہ[۱۷۳] دیا جری نے عروسِ مصاف کو
مشکل کشا کی تیغ نے چھوڑا غلاف کو

۱۳۳ کاٹھی سے اس طرح ہوئی وہ شعلہ خو جدا
جیسے کنارِ شوق سے ہو خوب رو جدا
مہتاب سے شعاع جدا ، گل سے بو جدا
سینے سے دم جدا ، رگِ جاں سے لہو جدا
گرجا جو رعد ، ابر سے بجلی نکل پڑی
محمل میں دم جو گھٹ گیا ، لیلی نکل پڑی

۱۳۴ آئے حسین[ع] یوں کہ عقاب آئے جس طرح
آہو پہ شیرِ شرزۂ غاب[۱۷۴] آئے جس طرح
تابندہ برق سوئے سحاب آئے جس طرح
دوڑا فرس ، نشیب میں آب آئے جس طرح
یوں تیغِ تیز کوند گئی اس گروہ پر
بجلی تڑپ کے گرتی ہے جس طرح کوہ پر

۱۳۵ گرمی میں برقِ تیغ جو چمکی ، شرر اُڑے
جھونکا چلا ہوا کا جو سَن سے تو سر اُڑے
پرکالۂ سپر جو اِدھر اور اُدھر اُڑے
روح الامیں نے صاف یہ جانا کہ پر اُڑے
ظاہر نشانِ اسمِ عزیمت اثر[۱۷۵] ہوئے
جن پر علی[ع] لکھا تھا وہی پر سپر ہوئے

۱۳۶ جس پر چلی وہ تیغ ، دوپارا کیا اُسے
کھنچتے ہی چار ٹکڑے دوبارا کیا اُسے
واں تھی ، جدھر اجل نے اشارا کیا اُسے
سختی بھی کچھ پڑی[۱۷۶] تو گوارا کیا اُسے
نے زین[۱۷۷] تھا فرس پہ ، نہ اسوار زین پر
کڑیاں زرہ کی بکھری ہوئی تھیں زمین پر

۱۳۷ آئی چمک کے غول پہ جب ، سر گرا گئی
دم میں جمی صفوں کو برابر گرا گئی
اک ایک قصرِ تن کو زمیں پر گرا گئی
سیل آئی زور شور سے جب گھر گرا گئی
آ پہنچا اس کے گھاٹ پہ جو مر کے رہ گیا
دریا لہو کا تیغ کے پانی سے بہہ گیا

۱۳۸ اس آب[۱۷۸] پر یہ شعلہ فشانی خدا کی شان
پانی میں آگ ، آگ میں پانی خدا کی شان
خاموش اور تیز زبانی ، خدا کی شان
استادہ آب میں یہ روانی ، خدا کی شان
لہرائی جب ، اُتر گیا دریا چڑھا ہوا
نیزوں تھا ذوالفقار کا پانی بڑھا ہوا

۱۳۹ قلب[۱۷۹] و جناح و میمنہ و میسرہ تباہ
گردن کشان اُمّتِ خیرالورا تباہ
جنباں زمیں ، صفیں تہ و بالا ، پرا تباہ
بے جان جسم ، روح مسافر[۱۸۰] ، سرا تباہ
بازار بند ہو گئے[۱۸۱] ، جھنڈے اُکھڑ گئے
فوجیں ہوئیں تباہ ، محلے اُجڑ گئے

١٤٠
اللہ ری تیزی و بُرش اُس شعلہ رنگ کی
چمکی سوار پر تو خبر لائی تنگ کی
پیاسی فقط لہو کی ، طلب گار جنگ کی
حاجت نہ سان[١٨٢] کی تھی اُسے کچھ ، نہ سنگ کی
خوں سے فلک کو ، لاشوں سے مقتل کو بھرتی تھی
سو بار[١٨٣] دم میں چرخ پہ چڑھتی اُترتی تھی

١٤٠
تیغ خزاں تھی ، گلشنِ ہستی سے کیا اُسے
گھر جس کا خود اُجڑ گیا ، بستی سے کیا اُسے
وہ حق نما تھی ، کفر پرستی سے کیا اُسے
جو آپ سربلند ہو ، پستی سے کیا اُسے
کہتے ہیں راستی جسے ، وہ خم کے ساتھ ہے
تیزی زباں کے ساتھ ، بُرش دم کے ساتھ ہے

١٤٢
سینے پہ چل گئی تو کلیجا لہو ہوا
گویا جگر میں موت کا ناخن فرو ہوا
چمکی تو الاماں کا غل چار سو ہوا
جو اس کے منہ پہ آ گیا ، بے آبرو ہوا
رکتا تھا ایک وار نہ دس سے ، نہ پانچ سے
چہرے سیاہ ہو گئے تھے اس کی آنچ سے

١٤٣
بچھ بچھ[١٨٤] گئیں صفوں پہ صفیں ، وہ جہاں چلی
چمکی تو اُس طرف ، اِدھر آئی ، وہاں چلی
دونوں طرف کی فوج پکاری ، کہاں چلی ؟
اُس نے کہا یہاں ، وہ پکارا وہاں چلی
منہ کس طرف ہے ؟ تیغ زنوں کو خبر نہ تھی
سر گر رہے تھے اور تنوں کو خبر نہ تھی

۱۴۴
دشمن جو گھاٹ پر تھے وہ دھوئے تھے جاں سے ہاتھ
گردن سے سر الگ تھا ، جدا تھے عناں[۱۸۵] سے ہاتھ
توڑا[۱۸۶] کبھی جگر ، کبھی چھیدا سناں سے ہاتھ
جب کٹ کے گر پڑیں تو پھر آئیں کہاں سے ہاتھ
اب ہاتھ دستیاب[۱۸۷] نہیں منہ چھپانے کو
ہاں پاؤں رہ گئے ہیں فقط بھاگ جانے کو

۱۴۵
اللہ رے خوف تیغِ شہِ کائنات کا
زہرہ تھا آب ، خوف کے مارے فرات کا
دریا پہ تھا یہ حال ہر اک بد صفات کا
چارہ فرار کا تھا ، نہ یارا ثبات کا
غل تھا کہ برق گرتی ہے ہر درع پوش پر
بھاگو خدا کے قہر کا دریا ہے جوش پر

۱۴۶
ہر چند[۱۸۸] مچھلیاں تھیں زرہ پوش سر بسر
منہ کھولے چھپتی پھرتی تھیں لیکن اِدھر اُدھر
بھاگی تھی موج چھوڑ کے گرداب کی سپر
تھے تہ نشیں نہنگ ، مگر آب تھے جگر
دریا نہ تھمتا خوف سے اُس برق تاب کے
لیکن پڑے تھے پاؤں میں چھالے حباب کے

۱۴۷
آیا خدا کا قہر ، جدھر سن سے آ گئی
کانوں میں الاماں کی صدا رن سے آ گئی
دو کرکے خود ، زین پہ جوشن سے آ گئی
کھنچتی ہوئی زمین پہ توسن سے آ گئی
بجلی گری جو خاک پہ تیغِ جناب کی
آئی صدا زمین سے "یا بو تراب" کی

۱۴۸ پس پس کے کشمکش میں کماں دار مر گئے
چلّے تو سب چڑھے رہے ، بازو اُتر گئے
گوشے کٹے کمانوں کے ، تیروں کے پر گئے
مقتل میں ہو سکا نہ گزارا ، گزر گئے
دہشت سے ہوش اُڑے ہوئے تھے مرغِ وہم[۱۸۹] کے
سوفار[۱۹۰] کھول دیتے تھے منہ سہم سہم کے

۱۴۹ تیر افگنی کا جن کی ہر اِک شہر میں تھا شور
گوشہ کہیں نہ ملتا تھا اُن کو سوائے گور
تاریک شب میں جن کا نشانہ تھی[۱۹۱] چشمِ مور
لشکر میں خوف جاں نے اُنھیں[۱۹۲] کر دیا تھا کور
ہوش اُڑ گئے تھے فوجِ ضلالت نشان کے
پیکاں میں زہ کو رکھتے تھے سوفار جان کے

۱۵۰ صف پر صفیں ، پروں پہ پرے ، پیش و پس گرے
اسوار پر سوار ، فرس پر فرس گرے
اُٹھ کر زمیں سے پانچ جو بھاگے تو دس گرے
مخبر[۱۹۳] پہ پیک ، پیک پہ مر کر عسس گرے
ٹوٹے پرے ، شکست بنائے ستم ہوئی
دنیا میں اس طرح کی بھی اُفتاد کم ہوئی

۱۵۱ غصے تھا شیرِ شرزۂ صحرائے کربلا
چھوڑے تھے گرگ منزل و ماوائے کربلا
تیغِ علیؑ تھی معرکہ آرائے کربلا
خالی نہ تھی سروں سے کہیں جائے کربلا
بستی بسی تھی مُردوں کی ، قریے اُجاڑ تھے
لاشوں کی تھی زمین ، سروں کے پہاڑ تھے

۱۵۲ غازی نے رکھ لیا تھا جو شمشیر کے تلے
تھی طرفہ کشمکش ، فلک پیر کے تلے
چلّے سمٹ کے جاتے تھے زہ گیر[۱۹۴] کے تلے
چھپتی تھی سر جھکا کے کماں تیر کے تلے
اِس تیغِ بے دریغ کا جلوہ کہاں نہ تھا
سہمے تھے سب پہ گوشۂ امن و اماں نہ تھا

۱۵۳ چاروں طرف کمانِ کیانی کی وہ ترنگ
رہ رہ کے ابرِ شام سے وہ بارشِ خدنگ
وہ شورِ صیحۂ فرسِ ابلق و سرنگ[۱۹۵]
وہ لوں ، وہ آفتاب کی تابندگی ، وہ جنگ
پھنکتا تھا دشتِ کیں ، کوئی دل تھا نہ چین سے
اس دن کی تاب و تب کوئی پوچھے حسین ؑ سے

۱۵۴ سقّے[۱۹۶] پکارتے تھے یہ مشکیں لیے ادھر
بازارِ جنگ گرم ہے ، ڈھلتی ہے دوپہر
پیاسا جو ہو وہ پانی سے ٹھنڈا کرے جگر
مشکوں پہ دوڑ دوڑ کے گرتے تھے اہلِ شر
کیا آگ لگ گئی تھی جہانِ خراب کو
پیتے تھے سب ، حسین ؑ ترستے تھے آب کو

۱۵۵ گرمی میں پیاس تھی کہ پھنکا جاتا تھا جگر
اُف اُف کبھی کہا ، کبھی چہرے پہ لی سپر
آنکھوں میں ٹیس اٹھی جو پڑی دھوپ پر نظر
جھپٹے کبھی اِدھر ، کبھی حملہ کیا اُدھر
کثرت عرق کے قطروں کی تھی روے پاک پر
موتی برستے جاتے تھے مقتل کی خاک پر

۱۵۶ سیراب چھپتے پھرتے تھے پیاسے کی جنگ سے
چلتی تھی ایک تیغِ علیؑ ، لاکھ رنگ سے
چمکی جو فرق پر تو نکل آئی تنگ سے
رکتی نہ تھی سپر سے[۱۹۷] ، نہ آہن ، نہ سنگ سے
خالق نے منہ دیا تھا عجب آب و تاب کا
خود اس کے سامنے تھا پھپھولا حباب کا

۱۵۷ سہمے ہوئے تھے یوں کہ کسی کو نہ تھی خبر
پیکاں کدھر ہے تیر کا ، سوفار ہے کدھر
مردم کی کشمکش سے کمانوں کو تھا یہ ڈر
گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں[۱۹۸] زمیں پر جھکائے سر
ترکش سے کھینچے تیر کوئی ، یہ جگر نہ تھا
سیسر[۱۹۹] پہ جس نے ہاتھ رکھا ، تن پہ سر نہ تھا

۱۵۸ گھوڑے کی وہ تڑپ ، وہ چمک تیغِ تیز کی
سو سو صفیں کچل گئیں جب جست و خیز کی
لاکھوں میں تھی نہ ایک کو طاقت ستیز کی
تھی چار سمت دھوم گریزا گریز کی
آری جو ہو گئی تھیں وہ سب ذوالفقار سے
تیغوں نے منہ پھرا لیے تھے کارزار سے

۱۵۹ گھوڑوں[۲۰۰] کی جست و خیز سے اٹھّا غبار زرد
گردوں میں مثلِ شیشۂ ساعت بھری تھی گرد
تودا بنا تھا خاک کا مینائے لاجورد
کوسوں سیاہ و تار تھا سب وادیِ نبرد
پنہاں نظر سے نیّرِ گیتی فروز تھا
ڈھلتی تھی دوپہر ، پہ نہ شب تھی ، نہ روز تھا

۱۶۰ اللہ ری لڑائی میں شوکت جناب کی
سنولائے رنگ میں تھی ضیا آفتاب کی
سوکھے وہ لب کہ پنکھڑیاں تھیں گلاب کی
تصویر ذوالجناح پہ تھی بوتراب کی
ہوتا تھا غل جو کرتے تھے نعرے لڑائی میں
بھاگو کہ شیر گونج رہا ہے ترائی میں

۱۶۱ پھر تو یہ غل ہوا کہ دہائی حسینؑ کی
اللہ کا غضب ہے لڑائی حسینؑ کی
دریا حسینؑ کا ہے، ترائی حسینؑ کی
دنیا حسینؑ کی ہے، خدائی حسینؑ کی
بیڑا بچایا آپ نے طوفاں سے نوحؑ کا
اب رحم واسطہ علی اکبر کی روح کا

۱۶۲ اکبر کا نام سن کے جگر پر لگی سناں
آنسو بھر آئے، روک لی رہوار کی عناں
مڑ کر پکارے لاشِ پسر کو شہِ زماں
تم نے نہ دیکھی جنگ مری[۲۰۱]، اے پدر کی جاں
قسمیں تمھاری روح کی یہ لوگ دیتے ہیں
لو[۲۰۲] اب تو ذوالفقار کو ہم روک لیتے ہیں

۱۶۳ چلّایا ہاتھ مار کے زانو پہ ابنِ سعد
اَے وافضیحتا[۲۰۳]، یہ ہزیمت ظفر کے بعد
زیبا دلاوروں کو نہیں ہے خلافِ وعد
اِک پہلواں یہ سنتے ہی گرجا مثالِ رعد
نعرہ کیا، کہ کرتا ہوں حملہ امام پر
اے ابنِ سعد! لکھ لے ظفر میرے نام پر

۱۶۴ بالا قد و کُلفت و تنومند و خیره سو[۲۰۴]
روئیں تن و سیاہ دروں ، آہنی کمر
ناوک پیام مرگ کے ، ترکش اجل کا گھر
تیغیں ہزار ٹوٹ گئیں جس پہ ، وہ سپر
دل میں بدی ، طبیعتِ بد میں بگاڑ تھا
گھوڑے پہ تھا شقی کہ ہوا پر پہاڑ تھا

۱۶۵ ساتھ اس کے اور آسی قد و قامت کا ایک[۲۰۵] یل
آنکھیں کبود ، رنگ سیہ ، ابروؤں پہ بل
بدکار و بدشعار و ستم گار و پُر دغل[۲۰۶]
جنگ آزما ، بھگائے ہوئے لشکروں کے دل
بھالے لیے ، کسے ہوئے کمریں ستیز پر
نازاں وہ ضربِ گُرز پہ ، یہ تیغِ تیز پر

۱۶۶ کھنچ[۲۰۷] جائے شکلِ حرب وہ تدبیر چاہیے
دشمن بھی سب مُقر ہوں ، وہ تقریر چاہیے
تیزی زباں میں صورتِ شمشیر چاہیے
فولاد کا قلم دمِ تحریر چاہیے
نقشہ کھنچے گا صاف صفِ کارزار کا
پانی دوات چاہتی ہے ذوالفقار کا

۱۶۷ لشکر میں اِضطراب تھا فوجوں میں کھلبلی
ساونت بے حواس ، ہراساں[۲۰۸] دھنی بلی
ڈر تھا کہ لو حسین[۴] بڑھے ، تیغ اب چلی
غل تھا اِدھر ہیں مرحب و عنتر[۲۰۹] ، اُدھر علی[۴]
کون آج سربلند ہو ، اور کون پست ہو
کس کی ظفر ہو دیکھیے ، کس کی شکست ہو

۱۶۸ آواز دی یہ ہاتفِ غیبی نے تب کہ[210] ہاں
بسم اللہ ، اے اسیرِ عرب کے سُرورِ جاں
بیٹھے درست ہو کے فرس پر شہِ زماں
اُٹھی علیؑ کی تیغِ دو دم ، چاٹ کر زباں
وان سے وہ شوربخت بڑھا نعرہ مار کے
پانی بھر آیا منہ میں اِدھر ذوالفقار کے

۱۶۹ لشکر کے ، سب جواں تھے لڑائی میں[211] جی لڑائے
وہ بدنظر تھا آنکھوں میں آنکھیں آدھر گڑائے
ڈھالیں لڑیں سپاہ کی ، یا ابر گڑگڑائے
غصے میں آ کے گھوڑے نے بھی دانت کڑکڑائے
ماری جو ٹاپ ، ڈر کے ہٹے ہر لعیں کے پاؤں
ماہی پہ ڈگمگا گئے گاوِ زمیں کے پاؤں

۱۷۰ نیزہ ہلا کے شاہ پر آیا وہ خود پسند
مشکل کشا کے لال نے کھولے تمام بند
تیر و کماں سے بھی نہ ہوا کچھ وہ بہرہ مند
چلہ ادھر کھنچا کہ چلی تیغِ سربلند
وہ تیر کٹ گئے جو در آتے تھے سنگ میں
گوشے نہ تھے کماں میں ، نہ پیکاں خدنگ میں

۱۷۱ ظالم اُٹھا کے گُرز کو آیا جناب پر
طاری ہوا غضب خلفِ بوتراب پر
مارا جو ہاتھ ، پاؤں جما کر رکاب پر
بجلی گری شقی کے سرِ پُر عتاب پر
بد ہاتھ میں شکست ، ظفر نیک ہاتھ میں
ہاتھ اڑ کے جا پڑا کئی ہاتھ ایک ہاتھ میں

۱۷۲
کچھ دست پاچہ[۲۱۲] ہو کے چلا تھا وہ نابکار
پنجے سے پر اجل کے کہاں جا سکے شکار
واں اُس نے بائیں ہاتھ میں لی تیغ آب دار
یاں سر سے آئی پشت کے[۲۱۳] فقروں پہ ذوالفقار
قربان[۲۱۴] تیغِ تیزِ شہِ نام دار کے
دو ٹکڑے تھے سوار کے، دو راہوار کے

۱۷۳
پھر دوسرے پہ گُرز اٹھا کر پکارے شاہ
کیوں، ضربِ ذوالفقار پہ تو نے بھی کی نگاہ؟
سرشار تھا شرابِ تکبّر سے روسیاہ
جاتا کہاں کہ موت تو روکے ہوے تھی راہ
غل تھا اُسے اجل نے بڑھایا جو گھیر کے
لو، دوسرا شکار چلا منہ میں شیر کے

۱۷۴
آتا تھا وہ کہ اسپِ شہِ دیں پلٹ پڑا
ثابت ہوا کہ شیرِ گرسنہ جھپٹ پڑا
تیغہ شقی نے ڈھال پہ مارا تو پٹ پڑا
ضربت پڑی کہ گنبدِ دوار پھٹ پڑا
پیوندِ صدرِ زیں جسد و فرق[۲۱۵] ہو گیا
گھوڑا زمیں میں سینے تلک غرق ہو گیا

۱۷۵
پریوں سے قاف چھوٹ گیا، اور جنوں سے گھر
شیروں سے دشت، گرگ سے بن، اژدروں سے در
شاہین و کبک چھپ گئے اک جا ملا کے[۲۱۶] سر
اڑ کر گرے جزیروں میں دریا کے جانور
سمٹے پہاڑ منہ کو جو دامن سے ڈھانپ کے
سیمرغ نے گرا دیے پر کانپ کانپ کے

١٧٦
آئی ندائے غیب[٢١٧] کہ شبّیر ! مرحبا !
اِس ہاتھ کے لیے تھی یہ شمشیر ، مرحبا !
یہ آبرو[٢١٨] ، یہ جنگ ، یہ توقیر ، مرحبا !
دکھلا دی ماں کے دودھ کی تاثیر ، مرحبا !
غالب کیا خدا نے تجھے کائنات پر
بس[٢١٩] خاتمہ جہاد کا ہے تیری ذات پر

١٧٧
بس اب نہ کر وغا کی ہوس ، اے حسینؑ ! بس
دم لے ہوا میں چند نفس ، اے حسینؑ ! بس
گرمی سے ہانپتا ہے فرس ، اے حسینؑ ! بس
وقتِ نمازِ عصر ہے ، بس اے حسینؑ ! بس
پیاسا لڑا نہیں کوئی یوں ازدحام میں
اب اہتمام چاہیے اُمّت کے کام میں

١٧٨
لبّیک کہہ کے تیغ رکھی شہ نے میان میں
پلٹی سپاہ ، آئی قیامت جہان میں
پھر سرکشوں نے تیر مِلائے کمان میں
پھر کھل گئے لپٹ کے پھریرے نشان میں
بے کس[٢٢٠] حسینؑ ظلم شعاروں میں گھر گئے
مولا تمھارے لاکھ سواروں میں گھر گئے

١٧٩
سینے پہ سامنے سے چلے دس ہزار تیر
چھاتی پہ لگ گئے کئی سو ایک بار تیر
پہلو کے پار برچھیاں ، سینے کے پار تیر
پڑتے تھے دس ، جو کھینچتے تھے تن سے چار تیر
یوں تھے خدنگ ظلِّ الٰہی کے جسم پر
جس طرح خار ہوتے ہیں ساہی[٢٢١] کے جسم پر

۱۸۰ چلتے تھے چار سمت سے بھالے حسینؑ پر
ٹوٹے ہوئے تھے ۲۲۲ برچھیوں والے حسینؑ پر
قاتل تھے ۲۲۲ خنجروں کو نکالے حسینؑ پر
یہ دکھ نبی کی گود کے پالے حسینؑ پر!
تیرِ ستم نکالنے والا کوئی نہ تھا
گرتے تھے اور سنبھالنے والا کوئی نہ تھا

۱۸۱ لاکھوں میں ایک بیکس و دلگیر ہائے ہائے!
فرزند فاطمہؑ کی یہ توقیر؟ ہائے ہائے!
بھالے وہ اور پہلوئے شبّیر ہائے ہائے!
وہ زہر میں بجھائے ہوئے تیر ہائے ہائے!
غصّے میں تھے جو فوج کے سرکش بھرے ہوئے
خالی کیے حسینؑ پہ ترکش بھرے ہوئے

۱۸۲ وہ گرد تھے جو بھاگتے پھرتے تھے وقتِ جنگ
اِک سنگ دل نے پاس سے مارا جبیں پہ سنگ
صدمے سے زرد ہو گیا سبطِ نبی کا رنگ
ماتھے پہ ہاتھ تھا کہ گلے پر لگا خدنگ
تھاما گلا جناب نے ماتھے کو چھوڑ کے
نکلا وہ تیر حلقِ مبارک کو توڑ کے

۱۸۳ لکّھا ہے، تین بھال ۲۲۳ کا تھا ناوکِ ستم
منہ کھل گیا، الٹ گئی گردن، رکا جو دم
کھینچی سری ۲۲۴ گلے کی طرف سے بہ چشمِ نم
بھالیں نکالیں پشت کی جانب سے ہو کے خم
اُبلا جو خوں، نکلتا ہوا دم ٹھہر گیا
چُلّو رکھا جو زخم کے نیچے تو بھر گیا

۱۸۴ دشمن تھا شہ کا اعورِ سلمی عدوے دیں
سر پر اگائی تیغ کہ شق ہو گئی جبیں
ماری جگر پہ ابنِ انس نے[۲۲۶] سنانِ کیں
بھاگا[۲۲۷] گڑا کے کوکھ میں برچھی کو اک لعیں
گھوڑے پہ ڈگمگا کے جو حضرت نے آہ کی
تھرّا گئی ضریح رسالت پناہؐ کی

۱۸۵ گرتے ہیں اب حسین فرس پر سے ، ہے غضب !
نکلی رکاب پائے مطہّر سے ، ہے غضب !
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ، ہے غضب !
غش میں جھکے ، عمامہ گرا سر سے ، ہے غضب !
قرآن[۲۲۸] رحلِ زیں سے سرِ فرش گر پڑا
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی ، عرش گر پڑا

۱۸۶ گر کر کبھی اٹھے[۲۲۹] کبھی رکھا زمیں پہ سر
آگلا لہو کبھی[۲۳۰] تو سنبھالا کبھی جگر
حسرت سے کی خیام کی جانب کبھی نظر
کروٹ کبھی تڑپ کے اِدھر لی ، کبھی اُدھر
اٹھ بیٹھے جب تو زخموں سے برچھی کے پھل گرے
تیر اور تن میں گڑگئے جب منہ کے بھل گرے

۱۸۷ جنگل سے آئی فاطمہؑ زہرا کی یہ صدا
اُمّت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمداؐ !
اِس وقت کون[۲۳۱] حقِّ رفاقت کرے ادا
ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا
اُنّیس سو ہیں زخم تنِ چاک چاک پر
زینب نکل ، حسینؑ تڑپتا ہے خاک پر

۱۸۸ پردہ آلٹ کے بنت علیؑ نکلی ننگے سر
لرزاں قدم ، خمیدہ کمر ، غرقِ خوں جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر
اے کربلا ! بتا ترا مہماں ہے کدھر؟
اماں قدم اب اٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہنچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

۱۸۹ اِس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ
لوگو خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ
سید[۲۲۲] کدھر تڑپتا ہے ، اماں کدھر ہیں آہ !
کس سمت ہے نبیؐ کے نواسے کی قتل گاہ
شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

۱۹۰ کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ
بس اب سفر قریب ہے لِلّٰہ گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے آلِ رسولِ خدا کی ناؤ
یا مرتضیٰ ! غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ
اب چھوڑیو نہ دشتِ بلا میں حسینؑ کو
یا فاطمہ ! چھپا لو[۲۲۳] ردا میں حسینؑ کو

۱۹۱ بنت علیؑ تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر
کٹتا تھا نور چشمِ علیؑ کا گلا آدھر
زینب کو منع کرتے تھے ہرچند اہلِ شر
لیکن وہ دوڑی جاتی تھی[۲۲۴] تھامے ہوئے جگر
پہنچی جو قتل گاہ میں اِس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسینؑ کو نیزے کی نوک پر

۱۹۲ نیزے کے نیچے جا کے پکاری وہ سوگوار
سیّد ! تری لہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیّا ! چھری کی دھار
بھولے بہن کو اے اسدِ حق کے یادگار
صدقے گئی ، لٹا گئے گھر وعدہ گاہ[۲۳۵] میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی ذکرِ الٰہ میں

۱۹۳ بھیّا[۲۳۶] سلام کرتی ہے خواہر جواب دو !
چلّا رہی ہے دخترِ حیدر[۴] جواب دو !
سوکھی زباں سے بہرِ پیمبر جواب دو !
کیوں کر جیے گی زینبِ مضطر جواب دو !
جز مرگ دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

۱۹۴ بھیّا میں اب کہاں سے تمھیں لاؤں ، کیا کروں !
کیا کہہ کے اپنے دل کو میں سمجھاؤں ، کیا کروں !
کس کی دہائی دوں ، کسے چلّاؤں ، کیا کروں !
بستی پرائی ہے میں کدھر جاؤں ، کیا کروں !
دنیا تمام اُجڑ گئی ، ویرانہ ہو گیا
بیٹھوں کہاں کہ گھر تو عزاخانہ ہو گیا

۱۹۵ ہے ہے تمھارے آگے نہ خواہر گزر گئی
بھیّا ! بتاؤ کیا تہِ خنجر گزر گئی ؟
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گزر گئی
صد شکر جو گزر گئی بہتر گزر گئی
سر کٹ چکا[۲۳۷] ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گر ہے تو بس تمھاری جدائی کا داغ ہے

۱۹۶ گھر[۲۳۸] لوٹنے کو آئے گی اب فوجِ نابکار
کہیو نہ کچھ زباں سے بجز شکرِ کردگار
خیمے میں جب کہ آگ لگا دیں ستم شعار
رہیو مری یتیم سکینہ سے ہوشیار
بیزار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

۱۹۷ بس اے انیس ضعف سے لرزاں ہے بند بند
عالم میں[۲۳۹] یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند
عالم پسند لفظ ہیں، سلطاں پسند بند
یہ فصل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں[۲۴۰] خزاں کی بہار ہے

۱۱

آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے

۴۰ بند ، بحرِ رمل

(اہلِ بیت کا دربارِ شام میں جانا اور حضرتِ زینب[ع] کی تقریر)

مراجع

* مرثیۂ انیس : جلد چہارم ، مطبوعہ نول کشور پریس ، طبع اول ، صفحہ ۲۶۹ و طبع دوم مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۵۸ع -
* مراثیِ انیس : جلد سوم ، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ، طبع اول و دوم ، صفحہ ۳۴۸ -
* مراثیِ انیس : جلد دوم، مطبوعہ لاہور، طبع اول و دوم، صفحہ ۳۷۷ -

تبصرہ

حضرت زینب واقعاتِ کربلا میں بڑی اہمیت رکھتی ہیں ۔ انیس نے اس کردار کو بار بار پیش کیا ہے ۔ اس مختصر مرثیے کا موضوع دربارِ شام میں حضرت زینب کی تقریر اور ان کی شخصیت ہے ۔ اس مرثیے میں وہی مرکزی کردار ہیں ۔ وہ جرأت و شجاعت کا مظہر ہیں اور ایک خاص انداز میں ان کی شخصیت سامنے آئی ہے ۔ اس کردار کا ارتقاء بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے ۔

یہ چالیس بند یعنی ایک سو بیس شعر واقعۂ کربلا کی ایک کڑی ہیں ۔ مرثیے کا آغاز ولادتِ امام حسین سے ہوتا ہے اور ہجرت از مدینہ، ورودِ کربلا ، شہادتِ امام حسینؑ ، پھر کربلا سے شام اور شام سے مدینہ کے سفر پر مرثیہ ختم ہو جاتا ہے ۔ یہ مرثیہ سہل ممتنع ، سادگی و برجستگی کے علاوہ بڑی دل کشی رکھتا ہے ۔ انیس کی ژرف نگاہی ، باریک بینی ، منظر نگاری ، زبان و بیان پر قدرت اور فنی اظہار کے تمام کمالات اس مرثیے میں موجود ہیں ۔

یہ مرثیہ زمانۂ عزا میں پڑھا جاتا ہے اور اربابِ ذوق میں بہت مقبول ہے ۔ لکھنؤ ، بدایوں اور لاہور کے مطبوعہ مراثی میں چھپ چکا ہے ۔ ہم نے مختلف مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کر کے شریکِ انتخاب کیا ہے ۔

مرتضیٰ حسین فاضل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱ آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے
صبح سے جشن کا غُل شام کے بازار میں ہے
صحبتِ عیش و طرب مجلسِ غدار میں ہے
شورِ فریاد و بُکا عترتِ اطہار میں ہے
نوبتیں بجتی ہیں ، دشمن تو خوشی ہوتے ہیں
فاطمہؑ پیٹتی ہیں ، شیرِ خداؑ روتے ہیں

۲ آگے آگے تو ہیں سجّاد جھکائے گردن
پاؤں بیڑی میں ، گلا طوق میں ، گردن میں رسن
مثل خورشیدِ فلک شرم سے لرزاں ہے بدن
چاک ہے غم میں گریبانِ قبا تا دامن
بیٹھ جاتے ہیں تو جھنجلا کے اٹھاتے ہیں لعیں
بوڑیاں نیزوں کی شانوں میں چبھاتے ہیں لعیں

۳ پنڈلیاں سوجی ہیں اور طوق سے چھلتا ہے گلا
سخت ایذا میں ہے فرزندِ شہِ کرب و بلا
خار تلووں میں ہیں ، مقتل سے ہے پیدل جو چلا
دھجّیاں پاؤں میں باندھے ہے وہ نازوں کا پلا
اس کی مظلومی پہ بے تاب حرم ہوتے ہیں
دیدۂ حلقۂ زنجیر لہو روتے ہیں

۴ پیچھے بیمار کے ہے قافلۂ اہلِ حرم
چپ ہیں تصویر سے ، گویا کہ کسی میں نہیں دم
دخترِ فاطمہ زہرا[ع] کا عجب ہے عالم
تھرتھری جسم میں ہے ، اٹھ نہیں سکتے ہیں قدم
رو کے فرماتی ہیں کس گوشے میں جائے زینب
ہاتھ کھل جائیں تو منہ اپنا چھپائے زینب

۵ کبھی سجّاد سے کہتی ہیں بہ آہ و زاری
مجھ کو دربار کی آفت سے بچاؤ واری !
کر کے زاری یہ بیاں کرتا ہے وہ [ع]آزاری
صبر فرماؤ ، جو مرضیِ جنابِ باری
کم نہ کچھ مرتبۂ آلِ عبا ہووے گا
عاصیوں کا اسی پردے میں بھلا ہووے گا

۶ گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک رسن
جس طرح ہوتے ہیں گلدستے میں گلہائے چمن
رشتہ دارانِ علی[ع] سب ہیں گرفتارِ محن
شرم کے مارے موئی جاتی ہے اک شب کی دلھن
دم بدم ساس بھی سر پیٹتی ہے ساتھ اس کے
ابھی کنگنا نہ کھلا تھا کہ بندھے ہاتھ اس کے

۷ ہے اسی رسّی میں ننّھا سا سکینہ کا گلو
دم گھٹا جاتا ہے ، آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
چاک کُرتے کا گریباں ہے ، پریشاں گیسو
سُوجے تو گال ہیں ، کانوں سے ٹپکتا ہے لہو
آہ ہر گام پہ سینے سے نکل جاتی ہے
جب گُھڑکتے ہیں ستم گر تو دہل جاتی ہے

۸ ماں سے کرتی تھی اشارہ وہ گرفتارِ ستم
رسّی کھلوا دو ، نہیں گھٹ کے نکل جائے گا دم
رو کے وہ کہتی ہے ، مجبور ہوں میں کشتۂ غم
ہائے بچّی تری قسمت میں تھا یہ درد و الم
صدقے اماں ! یہ گرہ عقدہ کشا کھولے گا
بی بی ! اس عقدۂ مشکل کو خدا کھولے گا

۹ ماں سے رو رو کے وہ نادان یہ کرتی ہے بیاں
کس کا دربار ہے ، اس حال سے جاتی ہو کہاں ؟
یہ تو کہہ دو کہیں بابا بھی ملیں گے اماں ؟
کئی دن گزرے ہیں وہ ہیں مری آنکھوں سے نہاں
بھول جائے گا یہ سب دکھ جو انہیں پاؤں گی
دوڑ کر چاند سی چھاتی سے لپٹ جاؤں گی

۱۰ کہیں دربار میں امّاں ، وہ اگر مجھ کو ملے
دیکھنا کرتی ہوں کیسے شہِ والا سے گلے
وہ خبر لیویں نہ ، گردن مری رسّی سے چھلے
اُس کو یوں بھولتے ہیں باپ سے بچہ جو ہلے ؟
وجہ کیا ؟ کون سی تقصیر پہ منہ موڑا ہے ؟
سیلیاں[۳] کھانے کو اعدا میں مجھے چھوڑا ہے

۱۱ کان زخمی ہوئے اور لی نہ خبر ، واہ رے پیار
خوب بھولے مجھے ، بابا کی محبت کے نثار
دن میں چھاتی سے لگاتے تھے مجھے سو سو بار
مجھ پہ یہ ظلم ہیں ، آیا انہیں کس طرح قرار
منہ دکھاتے نہیں ، شفقت سے بلانا کیسا
خواب میں آئے نہ ، چھاتی سے لگانا کیسا

۱۲ روتے تھے سن کے سکینہ کا بیاں سارے اسیر
ہر قدم پر تھا یہی شور کہ 'ہے ہے شپیر'
اُس طرف ہوتی تھی آرائشِ دربارِ شریر
تخت پر آپ تھا اور کرسیوں پر سارے امیر
اک طرف لُوٹ کا سب زیور و زر رکھتا تھا
اور تلے فاطمہؑ کے لال کا سر رکھتا تھا

۱۳ نذریں ہاتھوں پہ لیے آتے تھے سب درباری
پڑھتے تھے تہنیتِ فتح کو باری باری
جمع دربار میں تھی شہر کی خلقت ساری
یاں تو تھا جشن کا غل اور آدھر تھی زاری
اِس طرف سے تو دف و نے کی صدا آتی تھی
اور اُس سمت سے 'ہے ہے' کی صدا آتی تھی

۱۴ دم بدم تخت سے اُٹھ اُٹھ کے یہ کہتا تھا شریر
قیدی کیوں جلد نہیں آتے ہیں؟ کیا ہے تاخیر؟
بڑھ کے کرتے تھے خبردارؑ یہ اس دم تقریر
ضعف سے پاؤں کو تھم تھم کے اٹھاتے ہیں اسیر
مارے دہشت کے لہو ان کا گھٹا جاتا ہے
ہر قدم ایک ضعیفہ کو غش آ جاتا ہے

۱۵ بولا وہ "کون سی عورت ہے وہ محبوسِ ستم؟"
عرض کی اس نے کہ ہمشیرِ شہنشاہِ اُمم
باپ جس کا ہے علیؑ پشت و پناہِ عالم
جس کی ماں فاطمہؑ ہے، فخرِ جنابِ مریم
ہے جو سلطانِ عرب، اس کی نواسی ہے وہ
کلمہ گو جس کے ہیں سب، اس کی نواسی ہے وہ

۱۶ ہے وہی حضرتِ جعفر کی بہو، سینہ فگار
وہی زینب ہے، جو شبّیر کی تھی عاشقِ زار
لاشِ شہ پر وہی اشتر سے گری تھی کئی بار
بعد مرنے کے بھی ہے بھائی بہن میں وہی پیار
قافلہ یوں تو سبھی شام و سحر روتا ہے
پر وہ روتی ہے تو شبّیر کا سر روتا ہے

۱۷ بولا وہ کیا ہے پھر اوروں کے نہ آنے کا سبب؟
عرض کی ایک ہی رسّی میں ہیں جکڑے ہوے سب
خاک پر گرتی ہے جب بنتِ شہنشاہِ عرب
شور ہوتا ہے اسیروں میں کہ 'ہے ہے زینب'
ہوش میں آن کے بھائی کو وہ جب روتی ہے
دیر تک قیدیوں میں سینہ زنی ہوتی ہے

۱۸ انھی رانڈوں میں ہے اک دخترِ فرزندِ نبیؐ
خوگرِ سینۂ دل بندِ رسولِ عربیؐ
آفتِ فاقہ کشی، بے پدری، تشنہ لبی
دم بدم لب پہ یہ ہے: "این ابی این ابی"
چھاتیاں پھٹتی ہیں، اس درد سے وہ روتی ہے
شمر جب آنکھ دکھاتا ہے تو چپ ہوتی ہے

۱۹ ذکر یہ تھا کہ وہ قیدی سرِ دربار آئے
سب پکارے کہ وہ حاکم کے گنہ‌گار آئے
آگے روتے ہوئے سجّادِ دل افگار آئے
سر برہنہ حرمِ احمدِ مختارؐ آئے
صاف خورشید سی شکلیں جو نظر آتی ہیں
آنکھیں سب ظالموں کی بند ہوئی جاتی ہیں

۲۰
گو کہ اس روز تھیں سیدانیاں کھولے ہوے بال
منہ چھپانے کو کسی پاس نہ تھا اک رومال
بیٹیوں کا اسد اللہ کی ، اللہ رے جلال
آنکھ اٹھا کر کوئی دیکھے ، یہ کسی کی تھی مجال ؟
جلوۂ روشنیِ طور نظر آتا تھا
کچھ نہ آنکھوں کو بجز نور نظر آتا تھا

۲۱
پردۂ چشم سے باہر نہ نکلتی تھی نظر
ایک سے پوچھتا تھا ایک کہ قیدی ہیں کدھر
بیٹیاں فاطمہ زہراؑ کی جو تھیں ننگے سر
دستِ حیدرؑ تھا تماشائیوں کی آنکھوں پر
تھا جو منظورِ خدا آلِ عبا کا پردہ
فاطمہؑ روکتی تھی اپنی ردا کا پردہ

۲۲
کہا ظالم نے کہ ہاں قیدیوں کو لاؤ قریب
حکم یہ سنتے ہی دوڑے گئے دو چار نقیب
شرم کے مارے ہوا بیبیوں کا حال عجیب
اپنا سر پیٹ کے بانو نے کہا وائے نصیب
کھینچ کر سب کو ستم گار جو لے جانے لگے
حضرت زینب و کلثوم کو غش آنے لگے

۲۳
تخت کے سامنے روتے ہوئے آئے جو اسیر
دیکھ کر سیدِ سجّاد کو بولا وہ شریر
سرکشی کرکے نہ سربر ہوئے مجھ سے شبّیر
شکر کرتا ہوں کہ خالق نے کیا تم کو حقیر
بیٹھنے کا کہیں دنیا میں سہارا نہ رہا
پنجتن اٹھ گئے ، اب زور تمھارا نہ رہا

۲۴
ہاں کہو، آج حمایت کو پیمبرؐ ہیں کہاں ؟
کیا ہوئے ابنِ علی، حیدرِ صفدر ہیں کہاں ؟
قید میں ان کی بہو آئی ہے، شبّر ہیں کہاں ؟
ننگے سر زینبِ دل گیر ہے، سرور ہیں کہاں ؟
ذبح خنجر سے ہوا جو وہ پدر کس کا ہے ؟
ذرا اک غور سے دیکھو تو یہ سر کس کا ہے ؟

۲۵
کس کے ناموس لٹے، کس کا ہوا گھر تاراج ؟
کون بے سر ہؤا اور کون ہؤا صاحبِ تاج ؟
ایک چادر کے لیے کس کی بہن ہے محتاج ؟
کون کمزور ہے اور کون زبردست ہے آج ؟
خلق میں کس کے لیے مرتبۂ عالی ہے ؟
کس کا اقبال ہے اور کس کی بداقبالی ہے ؟

۲۶
نہر پر بازوے شبّیر کو مارا کس نے ؟
جنگ میں اکبرِ دل گیر کو مارا کس نے ؟
تیر سے اصغرِ بے شیر کو مارا کس نے ؟
شاہ سے صاحبِ شمشیر کو مارا کس نے ؟
فوج بے سر ہوئی، سلطانِ حجازی نہ رہے
جن کی تلوار کا شہرہ تھا، وہ غازی نہ رہے

۲۷
سن کے یہ آ گیا بنتِ شہِ مرداں کو جلال
تھرتھرا کر کہا، کیا بکتا ہے او بد اقبال !
صاحبِ عزّت و توقیر محمدؐ کی ہے آل
کبھی ہم لوگوں کی عزّت پہ نہ آئے گا زوال
ہم کو بے قدر جو سمجھا تو خطا کرتا ہے
دیکھ مصحف میں خدا کس کی ثنا کرتا ہے ؟

۲۸
ہاں بتا ، آیۂ تطہیر[۷] کسے آیا ہے
دوست اپنا کسے اللہ نے فرمایا ہے
ُہل اتیٰ[۸] کس کے لیے روحِ امیں لایا ہے
کس نے معراج کا دنیا میں شرف پایا ہے
قرب ایسا کسے اللہ کی درگاہ میں ہے
فرق قوسین بتا کس میں اور اللہ میں ہے ؟

۲۹
زور اپنا کسے اللہ نے امداد کیا ؟
خانۂ کفر کو کس شیر نے برباد کیا ؟
حق نے قرآن کے سورے میں کسے یاد کیا ؟
کس کو ''اکملت لکم دینکم''[۹] ارشاد کیا ؟
کس سے ہر جنگ میں عاجز صفِ کفّار آئی ؟
بدر میں کس کے لیے عرش سے تلوار آئی ؟

۳۰
آلِ احمدؐ کو حقارت سے نہ دیکھ او مقہور !
سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگ ہیں اللہ کا نور
مار کر سبطِ پیمبرؐ کو یہ نخوت ، یہ غرور ؟
خیر ! ہم ُدور ، نہ تو ُدور ، نہ محشر ہے دور
حق کا دریاے غضب جوش میں جب آئے گا
باندھنا ہاتھ کا سادات کے کھل جائے گا

۳۱
فخر کیونکر نہ کرے ُتو کہ یہ ہے فخر کی جا
ُتو نے اللہ کے محبوب کا کاٹا ہے گلا
ہو گئے سرخ لہو میں حسنؑ سبز قبا
فاطمہؑ ذبح ہوئی ، شیرِ خداؑ قتل ہوا
آگ دی خیمے کو اور زیور و زر لوٹ لیا
جس کے درباں تھے َملک تو نے وہ گھر لوٹ لیا

۳۲ ترے ناموس تو ہیں پردہ نشیں او ظالم!
بال بکھرائے کھڑے ہیں ترے دربار میں ہم
ہائے بے پردہ ہو بانوے امامِ عالم
ہے سکینہ پہ وہ ظلم اور یہ کبرا پہ ستم
ننگے سر قید میں اک رات کی بیاہی آئی
تجھ کو شادی ہوئی اور ہم پہ تباہی آئی

۳۳ کہے زینب نے فصاحت سے یہ جس وقت کلام
کانپے سینوں میں جگر، رونے لگے لوگ تمام
تخت کے نیچے دھرا تھا جو سرِ پاکِ امام
متوجہ ہوا شرما کے اُدھر حاکمِ شام
اور اُن ظلم رسیدوں پہ جفا کرنے لگا
لبِ فرزندِ پیمبر پر چھڑی دھرنے لگا

۳۴ کھول کر چوب سے لب ہائے شہنشاہِ عرب
کہتا تھا پارۂ یاقوت سے بہتر ہیں یہ لب
دُرِ دنداں ہیں یہ تاباں کہ خجل ہیں کوکب
پیٹ کر سینے کو زینب نے کہا 'ہائے غضب'
نے محمدؐ سے نہ حیدرؑ سے حیا کرتا ہے
قطع ہو جائے ترا ہاتھ، یہ کیا کرتا ہے

۳۵ اس چھڑی کو مرے بھائی کے لبوں سے سرکا
بوسے لیتے تھے انھی ہونٹوں کے محبوبِ خداؐ
بہرِ امت انھی ہونٹوں سے دعا کی ہے سدا
انھی دانتوں پہ گُہر کرتی تھی صدقے زہراؑ
تجھ کو پیارے نہیں گو، ہم کو تو پیارے ہیں یہ
عرش تک جن کا ہے شہرہ وہ ستارے ہیں یہ

۳۶
یہ ستم بھائی پہ کن آنکھوں سے دیکھے ہمشیر
ارے ظالم سرِ بےسر کی بھلا کیا تقصیر؟
یہ چھُری، ہائے غضب، اور لبِ پاکِ شبیّر
نہ ستا مجھ کو، میں ہوں بنتِ شہِ خیبر گیر
ان کھلے بالوں کو اب ہاتھوں پہ دھرتی ہوں میں
لے شکایت تری اللہ سے کرتی ہوں میں

۳۷
کہہ کے یہ، غیظ میں آئی جو علیؑ کی جائی
آسماں آ گئے جنبش میں، زمیں تھرّائی
سرِ شبیّر سے ناگاہ صدا یہ آئی
تھام لے غیظ کو زینب، ترے صدقے بھائی
نہ تلاطم میں کہیں قہرِ الٰہی آ جائے
کہیں امّت کی نہ کشتی پر تباہی آ جائے

۳۸
تم تو آگاہ ہو شبیّر نے جو دکھ پائے
پر نہیں حرف شکایت کا زباں پر لائے
سر کو نہوڑا لیا، جب ذبح کو قاتل آئے
ہم نے امّت کے لیے چھاتی پہ نیزے کھائے
اِتنی سی بات پہ مصروفِ بُکا ہوتی ہو؟
تم چھُری ہونٹوں پہ دھرنے سے خفا ہوتی ہو؟

۳۹
برچھیاں کھانے سے کیا اس میں کچھ ایذا ہے بڑی؟
چپ رہے، تن پہ جو تلوار پہ تلوار پڑی
جانے دو، رکھتی تو رکھتی مرے ہونٹوں پہ چھُری
اے بہن! یہ بھی گزر جائے گی آفت کی گھڑی
چپ ہیں، جو ہم پہ ستم راہِ رضا میں ہوگا
اس کا انصاف تو دربارِ خدا میں ہوگا

۴۰ سرِ شبیر نے زینب سے جو یہ کی تقریر
آ کے غصے میں لگا کانپنے حاکم بے پیر
شمر سے بولا کہ بس اس کی یہی ہے تعزیر
سب کو لے جا کے تو کر سخت خرابے میں اسیر
بس **انیس** اب جگر و قلب پُھنکا جاتا ہے
حال زنداں کا نہیں منہ سے کہا جاتا ہے

۱۲

جب حرم مقتلِ سرور سے وطن میں آئے

۲۰ بند، بحرِ رمل

(مزارِ نبیؐ پر حضرتِ زینب کا مرثیہ)

تبصرہ

یہ مختصر ترین مرثیہ میر صاحب کا ایسا فن پارہ ہے جس میں رزم و بزم ، چہرہ ، سراپا ، تلوار ، گھوڑا ، جنگ ، یلغار ، شہادت اور بَین جیسے معروف اجزا کا رسمی التزام موجود نہیں۔ یہ عربی طرز کا مرثیہ ہے اور ایک عربی مرثیے کا معنوی ترجمہ ہے۔ عربی کا مرثیہ حضرت اُمِ کلثوم کی طرف منسوب ہے۔ مختلف کتابوں میں اس کے شعروں کی تعداد مختلف ہے۔ کتاب المنتخب ، مؤلفۂ طریحی مطبوعہ بمبئی میں اس عربی نظم کے اڑتیس شعر ہیں۔ (ملاحظہ ہو راقم الحروف کی تالیف "جہادِ حسینی" ص ۷۳ ، طبع کراچی)۔

زیرِ نظر مرثیے میں ساٹھ شعر ہیں جو سب رواں ، مربوط اور مسلسل ہیں۔ اگر کسی کو یہ نہ بتایا جائے کہ ترجمہ ہے تو ذہن ادھر منتقل نہیں ہو سکتا۔ یہ مرثیہ جلد ششم میں تھا۔ مراثی کے کراچی والے ایڈیشن سے ہم نے نقل کیا ہے۔

مرتضیٰ حسین ، فاضل

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

۱ جب حرم مقتلِ سرور سے وطن میں آئے
اشکِ خوں روتے ہوئے رنج و محن میں آئے
سب سیہ پوش غمِ شاہِ زمن میں آئے
خاک اڑانے کو خزاں دیدہ چمن میں آئے
بال تھے چہروں پہ سنبل سے پریشاں سب کے
مثلِ گل چاک تھے ماتم میں گریباں سب کے

۲ گردِ تھا ناقوں کے سادات مدینہ کا ہجوم
رو کے چلّاتے تھے سب ہائے امامِ مظلوم
سر نگوں آتے تھے سجّاد، بلکتے معصوم
ہاتھ اٹھا کر یہ بیاں کرتی تھی زینب مغموم
دشت میں سیّدِ ابرار کو رو آئے ہم
اے مدینہ! ترے سردار کو رو آئے ہم

۳ اے مدینہ! متوجہ نہیں ہوتا تُو اِدھر
آئے ہیں حسرت و اندوہ سے ہم خستہ جگر
ہو کے آگاہ یہ دے احمدِ مرسل کو خبر
یا نبی! لٹ گیا پردیس میں سادات کا گھر
داد دیجے کہ بہت بے کس و نادار ہوں میں
اپنے بھائی کی مصیبت میں گرفتار ہوں میں

۴ رن میں افتادہ ہیں بے گور و کفن اور بے سر
بھائی مارا گیا ، سب ذبح ہوے خویش و پسر
چادریں چھن گئیں ، قیدی ہوے ہم خستہ جگر
لے گئے ہم کو کنیزوں کی طرح بانیٔ شر
شہر یثرب کی جو بستی تھی وہ تاراج ہوئی
آپ کی آل کفن کے لیے محتاج ہوئی

۵ اے محمدؐ کے مدینے ! نہیں کیا تو آگاہ ؟
یاں سے جس روز گئے تھے حرمِ شیرِ الٰہ
بھائی ، فرزند ، بھتیجے تھے سب اس دن ہمراہ
آج ان میں سے کوئی ساتھ ہمارے نہیں آہ !
لختِ دل ہے کوئی ، نے راحتِ جاں ہے کوئی
اب نہ ہے پیر ، نہ بچہ ، نہ جواں ہے کوئی

۶ امن میں یاں سے گئے ، خائف و ترساں آئے
چادریں بھی نہ رہیں ، با سرِ عریاں آئے
جمع یاں سے گئے اور واں سے پریشاں آئے
گھر لٹا ، قید ہوئے ، بے سر و ساماں آئے
تعزیہ دارِ شہِ یثرب و بطحا ہم ہیں
سوگوار پسرِ حضرتِ زہراؑ ہم ہیں

۷ خاک اڑاتے ہیں کہ ہم لوگوں کا آقا نہ پھرا
ہم پھرے پیٹتے روتے ہوئے ، مولا نہ پھرا
وا دریغا ! پسرِ حضرتِ زہراؑ نہ پھرا
قافلہ لٹ کے پھرا ، شاہ ہمارا نہ پھرا
دکھ میں شاکر ہیں ہم ، آزار میں صابر ہیں ہم
اک جہاں روتا ہے جس پر وہ مسافر ہیں ہم

۸ یہ بیاں کرتی ہوئی دور[ع] سے با نالہ و آہ
متصل روضۂ احمد[ص] کے جو پہنچی ناگاہ
دخترِ فاطمہ[ع] و لختِ دلِ شیرِ الٰہ[ع]
رو کے چلّائی کہ لُوٹے گئے ہم یا جَدّاہ!
چھٹ گیا ہم سے شہنشاہ ہمارا، نانا!
بے گنہ ذبح ہوا آپ کا پیارا، نانا!

۹ ظلم جو چاہتے تھے حق میں ہمارے جلّاد
وہ کیا ہم پہ، بر آئی بس اب ان سب کی مراد
گھر کا گھر لوٹ لیا، کرتے رہے ہم فریاد
زندگی تھی جو بچے قتل سے بے کس سجّاد
کہتے تھے سب کہ اماں یہ بھی نہ اب پائے گا
خنجرِ ظلم سے سر اس کا بھی کٹ جائے گا

۱۰ لے گئے لوٹ کے اسباب بھی سب بانیِ شر
بلوۂ عام میں ہم پیٹتے تھے ننگے سر
بے ردا بانوے بے کس کو نکالا باہر
گوشوارے لیے کُبرا کے، سکینہ کے گُہر
رو کے چلّاتی تھی، دکھ دیتے ہیں ناری یا رب!
سن لے اِس وقت میں فریاد ہماری یا رب!

۱۱ زینبِ خستہ جگر، خواہرِ شاہِ ذی جاہ
درِ مسجد پہ جو روتی ہوئی پہنچی ناگاہ
اُس گھڑی اور بھی صدمے سے ہوا حال تباہ
سر کو ٹکرا کے دلِ زار سے کھینچی اک آہ
تھا یہ مشکل کہ کلیجے کو وہ خوش خو تھامے
غش جو آنے لگا، دروازے کے بازو تھامے

۱۲ دی یہ آواز کہ فریاد ہے یا خیرِ بشر!
کٹ گیا خنجرِ بے داد سے شبّیر کا سر
لائی ہوں آپ کے پیارے کی شہادت کی خبر
کیجے اس رختِ مشبّک[۵] پہ ذرا اٹھ کے نظر
بھر گیاَ خون میں افسوس عمامہ، نانا!
ٹکڑے تیغوں سے ہؤا آپ کا جامہ، نانا!

۱۳ کچھ نہ اُمّت نے کیا پاسِ رسولِ کونین
یا رسولِ عربی! ذبح ہوا رنَ میں حسین[ؑ]
ننگے سر ہم سوے کوفہ گئے با شیون و شین[۶]
چھپ گیا خاک میں وہ فاطمہ[ؑ] کا نُورالعین
قیدِ آفت میں کہیں چین نہ پایا، نانا!
در بَدر آپ کی اُمّت نے پھرایا، نانا!

۱۴ دیکھتے کاش ہمیں آپ اُن اونٹوں پہ سوار
جن پہ تھی کوئی عماری[۷]، نہ کجاوہ[۸] زنہار
شہر وہ شام کا اور ظلم و ستم کا بازار
پہنچی بعد اس کے یہ نوبت کہ گئی تا دربار
بال بکھرا دیے چہروں پہ، یہ پردا ٹھہرا
ننگے سر دیکھنا لوگوں کا تماشا ٹھہرا

۱۵ کاش اے فاطمہ[ؑ] تم دیکھتیں ہم سب کو اسیر
کہ ہر اک شہر میں کس طرح پھرے ہم دل گیر
دیکھتیں سیّدِ سجّاد کو با حالِ تغیر[۹]
طوق پہنے ہوئے اور ہاتھ سے تھامے زنجیر
منزلوں رنج و مصیبت میں گرفتار رہے
دن کو خوں بار رہے، راتوں کو بیدار رہے

۱۶ ہم پہ[۱۰] اے فاطمہ[۴] ! جو کچھ کہ ہوے ظلم و ستم
تم نے اک حصہ بھی دیکھا نہیں وہ درد و الم
زندہ رکھتا جو سدا تم کو خدائے اکرم
حشر تک ہم پہ بکا کرتیں بہ صد حسرت و غم
ٹکڑے ہو جاتا ، اگر کوہ پہ آفت پڑتی
پھٹ کے گرتا ، جو فلک پر یہ مصیبت پڑتی

۱۷ آج اے فاطمہ[۴] ! ہے روزِ غم و درد و بُکا
دیجے رو رو کے بقیعہ[۱۱] میں حسن[۴] کو یہ صدا
اے جگر بندِ نبی[ص] ، اے حسنِ[۴] سبز قبا
کٹ گیا تیغِ ستم سے ترے بھائی کا گلا
تشنہ لب رن میں امامِ ازلی کو مارا
فوجِ اعدا نے حسین[۴] ابنِ علی[۴] کو مارا

۱۸ کربلا میں ہوئی ضائع ترے بھائی کی عیال
مل گیا خاک میں وہ حیدرِ کرّار کا لال
تنِ بے سر کو کیا اہلِ ستم نے پامال
دفن بھی ہونے نہ دی لاشِ شہِ نیک خصال
بے کفن رن میں تنِ سبطِ پیمبر[ص] رکھا
سرِ مجروح کو خولی[۱۲] نے سناں پر رکھا

۱۹ یا حسن[۴] چھپ گیا آنکھوں سے وہ اللہ کا نور
یا حسن[۴] حربوں سے سب جسم تھا بھائی کا چُور
کوئی ایسا نہ ہوا ہوگا غریب و مجبور
اس کی مظلومی پہ کرتے ہیں فغاں وحش[۱۳] و طیور
تا بہ مقتل جو بیاباں سے ہوا آتی تھی
صاف ”مظلوم حسینا“ کی صدا آتی تھی

۲۰ کاش وہ واقعہ تم دیکھتے با دیدۂ تر
جب ستم گر لیے جاتے تھے ہمیں ننگے سر
نہ تو برقع ، نہ عصابہ[۱۴] تھا ، نہ سر پر چادر
کوئی غم خوار ، نہ مونس ، نہ انیس و یاور
ایک عابد تھا سو آہن میں مسلسل[۱۵] تھا وہ
اہلِ کیں گھوڑوں پہ اسوار تھے ، پیدل تھا وہ

حواشی

مرثیہ ۱

یا رب ! چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر

۱ - لآلی : لؤلؤ کی جمع = موتی - غواص : غوطہ خور ، موتی نکالنے والا -

۲ - نظم طباطبائی کہتے ہیں : ''ساقی نامہ کبھی مرثیے میں میر صاحب نے نہیں کہا ، ان کے بعد یہ ایجاد ہوا اور بہت ہی بے تکا ثابت ہوا'' - (مقدمۂ مراثیِ انیس ، جلد دوم ، ص ۴) ساقی نامہ ، رزمیہ و بزمیہ شاعری میں قدیم سے چلا آتا ہے - میر حسن نے داستان کے ہر موڑ پر ساقی کو یاد کیا ہے - میر انیس نے ساقی نامے کو مرثیے میں ایک مستقل جز کی حیثیت تو نہیں دی لیکن دو چار مرثیوں میں ساقی کو یاد ضرور کیا ہے - یہ بند اس کی ایک مثال ہے - کہنے کو تو یہ تین شعر ہیں لیکن بعض طویل و متوسط ساقی ناموں سے لطف میں بہتر ہیں - میر صاحب کے مرثیے :

''اے شمع قلم روشنیٔ طور دکھا دے''

کا گیارھواں بند ہے :

اے ساقیٔ کوثر ! مئے فردوس عطا کر
اے عیسیٔ دوراں مرضِ دل کی دوا کر
اے دست خدا ! قلبِ مکدّر کی صفا کر
اے نور حق ! آئینۂ خاطر کی جلا کر
مستی میں نہ فکرِ خرد و ہوش کروں میں
کیفیتِ دنیا کو فراموش کروں میں

میں نے فائز مرحوم اور رفیع مرحوم کو ساقی نامے پڑھتے سنا ہے اور مجلسوں میں اکابرِ نقد و ادب کو داد دیتے دیکھا ہے - کبھی

کبھی یہ حضرات میر صاحب کے مصرعوں کے حوالے سے جوابی بند اور مصرعے بھی پڑھتے تھے - چنانچہ انیس نے مرثیے میں ساقی نامے کی طرح ضرور ڈالی - البتہ اسے پھیلاؤ بعد میں دیا گیا - اور ہو سکتا ہے کہ کبھی کسی شاعر کے یہاں مرثیے میں ساقی نامہ بے تکا بھی ثابت ہوا ہو -

۳ - نول کشور طبع اول : ''جنت کی یہ موج آ گئی ہے'' -

۴ - نول کشور طبع اول : ''رہتے ہیں'' -

۵ - حسان بن ثابت : اسلام سے پہلے عرب کے مشہور شاعر تھے - اسلام لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت اور آپ کے دشمنوں کی ہجو کہہ کر مقبولِ بارگاہِ رسالت ہوئے -

۶ - فرزدق ، ہمام بن غالب : بنی امیہ کے عہد کا نام ور عرب شاعر جس نے حضرت امام زین العابدین کی مدح میں مشہور میمیہ قصیدہ لکھ کر مداحِ اہل بیت کی سند پائی -

۷ - شاید ''دعبل و سحبان'' صحیح ہے کہ دعبل شاعر تھے اور سحبان بن زفر بن ایاد بنی وائل بن ربیعہ جاہلیت کا خطیب جو ۵۴ھ/۶۷۴ع میں فوت ہوا - اسے سحبان وائل کہتے ہیں - وائل ، سحبان کے جدِ اعلی کا نام ہے -

۸ - نسخۂ لاہور میں یہاں ایک دل چسپ غلطی یوں ہے :

''چولی کی بحالی سے قبا چست ہے تن کی''

۹ - مراثی انیس طبع نول کشور و لکھنؤ ۱۹۵۸ع متن کے مطابق ہے - نظامی بدایوں اور لاہور میں ''اے ظلمت غم دیدہ تو عالم'' ہے -

۱۰ - نو نور خدا : امام حسین کی اولاد در اولاد کے نو امام -

۱۱ - رکن یمانی : خانۂ کعبہ کی دیوار کا وہ گوشہ جو گوشۂ حجر اسود کی پشت پر ہے -

۱۲ - لکھنؤ طبع ۱۹۵۸ع : ''اے رتبۂ اعلیٰ'' -

۱۳ - تغیری : تغیّر ، تبدیلی -

۱۴ - نول کشور طبع اول : ''صدقے گل جنت'' -

۱۵ - فرد : حساب کا کاغذ -

۱۶ - ناجی : جہنم سے نجات یافتہ - نول کشور طبع اول : ''ناجی ہوئے صدقے سے -''

۱۷ - مراثی انیس طبع اول ، ۱۸۷۶ع : ''چاند اترتا ہے زمیں پر'' -

۱۸ - مراثی انیس طبع اول : ''سجدے کو جھکے'' -

۱۹ - باہر : روشن -

۲۰ - نول کشور طبع اول : ''سرسبزیِ ایماں ہے'' - نظامی ، لاہور ، لکھنؤ ۱۹۵۸ع مطابقِ متن - تیسری بیت میں نول کشور طبع اول :

''کچھ اس پہ فرزند کا باعث نہ علی کا''

۲۱ - لاہور کے نسخے میں ''سب'' ندارد -

۲۲ - نسخۂ لاہور : ''دو نور کے دریاؤں کو ہم نے کیا'' -

۲۳ - لکھنؤ طبع اول : ''اس حسن کا پیدا'' قافیہ مکرر ہے -

۲۴ - تارے دیکھنا : چھٹی کی رسم میں زچہ کا نہانے کے بعد وقتِ مغرب باہر آن کر پہلے قرآن مجید دیکھنا ، پھر اسے سر پر رکھ کر آسمان کے تارے دیکھنا -

۲۵ - چلّہ : چالیسویں دن زچہ کا نہانا اور اس کی رسمیں -

۲۶ - نول کشور طبع اول : ''یاں بعد مرے'' -

۲۷ - نول کشور طبع اول : ''خالق نے دیا ہے تجھے وہ مرتبہ اعلیٰ'' -

۲۸ - نول کشور طبع اول : ''روئے گی اس کو'' - دوسرے نسخوں میں : ''روئیں گی اس کو'' - صحیح ''روئے گی'' کیوں کہ انیس جمع کو واحد کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں ، مثلاً ''ارواح روئے گی'' -

۲۹ - (بند نمبر ۷۶ ، پہلا مصرع) مُسن : سن رسیدہ ، بڑی عمر کا آدمی -

۳۰ - مردم : لوگ - نیز آنکھ کی پُتلی (ایہام) -

۳۱ - نول کشور طبع اول میں ''مطلع سوم'' لکھا ہے ، باقی نسخوں میں ''سوم'' حذف ہے -

۳۲ - یوسف حسین صاحب ، میر انیس کے خاندان سے ہیں - موصوف نے ''کلامِ انیس کی اشاعتوں میں غلطیاں'' بتلاتے ہوئے ''کوثر پہ ہے تم بن'' کو غلط فرمایا ہے اور ''کوثر پہ بھی تم بن'' کو صحیح لکھا ہے - میرے پاس نول کشور طبع اول ، تیج کمار ۱۹۵۸ء ، بدایوں طبع دوم ، لاہور طبع اول و دوم ، ارمغان انیس طبع اول پانچ نسخے ہیں - ان سب میں ''کوثر پہ ہے'' درج ہے - یوسف حسین صاحب فرماتے ہیں : ''اس 'ہے' سے مصرع میں تعقید پیدا ہو گئی جو عیب ہے اور ذوقِ صحیح پر بار ہے - یہاں 'ہے' کی جگہ 'بھی' صحیح ہے'' (ماہ نو ، انیس نمبر) - مآخذ اور قدیم نسخے اگر 'بھی' نہیں بتاتے تو 'ہے' کو 'بھی' بنانا ذوقِ سلیم کی اصلاح ہوگی جس کا ہر شخص کو اختیار نہیں ہے -

۳۳ - نول کشور طبع اول : ''انھیں بیٹوں ہی کے دم تک'' - نسخۂ بدایوں ، لاہور ، لکھنؤ ۱۹۵۸ء ، ارمغانِ انیس مطابقِ متن -

۳۴ - صاحب : شوہر کا زوجہ کو اور زوجہ کا شوہر کو مخاطب کرنے کے لیے کلمۂ احترام و تعظیم -

۳۵ - گود پالا : حضرتِ علی اکبر مراد ہیں -

۳۶ - اس مصرعے کو تین طرح لکھا گیا ہے - بدایوں و ارمغان انیس : ''یہ کہہ کچھ الفاظ کہے گوشِ پسر میں'' - لکھنؤ طبع ۱۹۵۸ء و لاہور : ''یہ کہہ کچھ آہستہ کہا'' - نول کشور طبع اول کا نسخہ مصرع کو صاف اور چست لکھتا ہے یعنی : ''یہ کہہ کے کچھ ارشاد کیا گوشِ پسر میں'' یعنی حضرت سید سجاد سے کچھ فرمایا -

۳۷ - نسخۂ بدایوں و ارمغانِ انیس و لاہور و لکھنؤ ۱۹۵۸ع : ''ٹھہرا نہ گیا واں ، شہِ والا''۔ متن مطابق نسخۂ نول کشور طبع اول ہے ۔
۳۸ - دوشِ یمیں : داہنا کاندھا ۔
۳۹ - نسخۂ لاہور میں ''خدا داد'' غلط ہے ۔ ناز ، ساز قافیہ ہے ۔
۴۰ - سید یوسف حسین صاحب کے پاس کوئی خطی نسخہ ہے جس سے یہ بند (۱۱۷ تا ۱۲۰) موصوف نے بطور اضافہ شائع کیے ہیں ۔ (ماہ نو ، انیس نمبر ، ۱۹۷۲ع ، ص ۲۱۶) - یہ چاروں بند کسی مطبوعہ مرثیے میں موجود نہیں ہیں ۔
۴۱ - افسر : تاج ۔
۴۲ - عُزّیٰ اور لات ، زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے دو بت تھے ۔ حضرت علی کی بت شکنی کے لیے ان لفظی مناسبات میں خاص حسن ہے - ''لات'' میں ایہام ہے ۔ یہاں 'لات' پیر کے معنوں میں استعمال ہوا ہے ۔
۴۳ - ناب : تلوار کے پھل کے بیچ کی نالی ۔
۴۴ - ماوا : ٹھکانا ، منزل ۔
۴۵ - غربت کا چلن : مسافرت و بدحالی میں میرا کردار دیکھ چکے ، اب دوسرا رخ اور بہادری کے انداز و تیور دیکھو ۔
۴۶ - زر اور ضرب میں مناسبتِ ایہام ہے ۔ ضرب کے معنی ہیں سکّہ لگانا ، روپے اشرفی وغیرہ کا نقش کرنا ۔
۴۷ - سہم : تیر اور خوف ۔ یہاں ڈر مراد ہے ۔
۴۸ - گھر یعنی نیام : 'موت کی تصویر' تلوار کا استعارہ ۔
۴۹ - زُبانہ : شعلہ ، بھڑک ، آنچ ۔
۵۰ - نول کشور طبع اول : ''ہر غول سے اور سب سے'' ۔
۵۱ - نول کشور طبع اول : ''نیزوں پہ گئی'' ۔ صحیح ''ایروں پہ گئی'' ۔
۵۲ - جائزہ : معائنہ ، معائنے کی رپورٹ ۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں ۔
۵۳ - نول کشور طبع اول : ''حیلہ کشی عہد شکن'' ۔

۵۴ - نول کشور طبع اول : ''بہر غضب'' -

۵۵ - متداول مطبوعہ مرثیوں میں اس بند کی بیت یہ لکھی ہے :

دنیا جو بچی روحِ محمدؐ کا سبب تھا
شبّیر اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا

لیکن یوسف حسین صاحب نے خاندانی بستے کے کسی قلمی نسخے سے جو تقابل کیا ہے اس کی رو سے میر صاحب نے بیت بدل دی ہے - یہ بیت چاروں مصرعوں کی مناسبت اور چستی کی وجہ سے ہم نے متن میں داخل کر لی ہے - (بشکریۂ 'ماہ نو' اور جناب مضمون نگار) -

۵۶ - ٹھکرانے کا کس قدر لطیف استعمال ہے - مراد تو ہے ایڑ لگانا . مگر شبہ ہوتا ہے کہ تیرے مجروح ہونے کو ہم سبک اور حقیر نہیں جانتے اور نظرانداز نہیں کر سکتے -

۵۷ - نول کشور طبع اول : ''کون سی صورت'' -

۵۸ - نول کشور طبع اول و تیج کمار : ''ذی حق ہمیں اس کے ہیں کہ ورثہ ہے پدر کا'' - بدایوں ، لاہور اور ارمغانِ انیس میں مصرع کی وہی صورت ہے جو ہم نے متن میں لکھی ہے -

۵۹ - موالی : دوست ، چاہنے والے -

۶۰ - بدایوں کے نسخے میں ''ابنِ اشعب'' غلط ہے - قیس ابن اشعث آخری وقت کے ستم گاروں میں تھا جس نے آپ کی یمنی چادر بھی اتار لی تھی - (طبری ، جلد ۶ ، ص ۳۶۰) -

۶۱ - زنخداں : ٹھڈی -

۶۲ - مِعجر : چادر ، ڈوپٹہ -

۶۳ - کوتل : وہ باساز و زین گھوڑا جس پر کوئی سوار نہ ہو -

۶۴ - جناب یوسف حسین صاحب کے پاس انیس کا خاندانی ذخیرہ ہے - غالباً میر صاحب نے اسی سے مراثی مطبوعہ لاہور پر بحث کرتے ہوئے اس بند (نمبر ۱۸۰) کا اضافہ کیا ہے (بشکریۂ ماہ نو ، انیس نمبر) -

مرثیہ ۲

فرزندِ پیمبر کا مدینے سے سفر ہے

۱ - مراثیِ انیس ، جلد اول ، نسخۂ بدایوں ص ۱۴ - طبع نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۶ع ، ص ۲۳ -

۲ - مخدومۂ عالم : حضرت فاطمہؑ -

۳ - تردد : دوڑ دھوپ -

۴ - گھٹا ٹوپ : گرد اور بارش سے حفاظت کے لیے بڑے غلاف جو ہاتھی یا پالکی وغیرہ پر ڈالتے ہیں -

۵ - پُرسے کے موقع پر وقفے وقفے سے شورِ گریہ بلند ہوتا ہے - ایک مرتبہ کوئی خاتون آتی ہیں - صاحبِ عزا کو دیکھ کر روتی ہیں - صاحبِ عزا اور دوسرے عزیز بھی رونے لگتے ہیں - ذرا آوازیں رکیں کہ دوسری سواری آ گئی اور پھر کہرام برپا ہوگیا -

۶ - خلقت : آبادی ، لوگ - یہاں سے خاص عورتوں کی زبان اور ان کے تاثرات کی بے مثل ترجمانی ہے -

۷ - مدینۂ منورہ سے مکۂ مکرمہ آتے ہوئے طائف سے شہر معظم تک پہاڑ ہی پہاڑ ہیں - بعض مقامات پر راستہ بہت سخت اور خطرناک ہے -

۸ - نسخۂ لاہور : ''تربت سے نہ منہ موڑیو'' تصحیح از نسخۂ بدایوں و لکھنؤ -

۹ - نسخۂ بدایوں : ''یہ کس کے لیے کرتے ہیں سب گریہ و زاری'' نول کشور اول : ''بے کس کے لیے'' -

۱۰ - نسخۂ بدایوں : ''رہ جاتی'' -

۱۱ - نسخۂ لاہور : ''گھر بھر میں'' -

۱۲ - عیادت اور بیمار پرسی کا دستور ہے کہ آنے والا اور مزاج پرسی کرنے والا مریض کے بازو پر ہاتھ رکھ کر سورۃ الحمد پڑھتا ہے - اس سے بیمار کو سکون ملتا اور شفا حاصل ہوتی ہے -

۱۳ - بیمار بچی کی دیر تک بے ہوشی کے بعد اس کی زبان سے باتیں سن کر ماں کو جو خوشی ہوئی ہے ، اس کا عکس ان لفظوں اور مصرعوں سے عیاں ہے - جذبات کی تصویر اور کیفیات کا اس سے بہتر نقشہ اور کیا ہوگا .

۱۴ - ''بی بی ادھر دیکھو ، شہ ذی شان روتے ہیں'' - نول کشور میں ''دیکھو تو ادھر روتی ہے بی بی'' اور لکھنؤ ۱۹۱۵ع و لاہوری ایڈیشن میں ''روتی ہیں بی بی'' غلط چھپا ہے -

۱۵ - تبرید : ٹھنڈائی ، صبح کی دوا -

۱۶ - فضہ : حضرت فاطمہ زہرا[ع] کی کنیزِ خاص جنھوں نے امام حسین[ع] اور زینب و ام کلثوم کو پالا تھا -

۱۷ - یہ مصرع امام حسین[ع] کے اس جملے کا جواب ہے کہ :

پھر آتا ہے وہ گھر میں ، سفر میں جو ہو بیمار
تکلیف تمھیں دوں ، یہ مناسب نہیں زنہار

۱۸ - یہاں تک پانچ بند مسلسل احتجاج و طنز پر مشتمل ہیں - لیکن حفظِ مراتب اور احترام و درجاتِ محبت کے آئینہ دار ہیں -

۱۹ - نول کشور اول : ''چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہ دل گیر'' -

۲۰ - نیگ : سہرا بندھائی اور دوسری رسموں کے وقت دولھا یا دولھن کی بہن کا حق - وہ روپیہ جو شادی کی رسموں میں بہن کو دیا جاتا ہے -

۲۱ - نول کشور و بدایوں کے نسخے میں ''قبر پر دھر دیجیو'' نسخۂ لاہور میں ''قبر پر رکھ دیجیو'' -

۲۲ - سورۂ ''یسین'' قرآن مجید کا چھتیسواں سورہ ہے - عام طور سے نزع کے وقت مریض کے سرہانے بیٹھ کر پڑھا کرتے ہیں -

۲۳ - جب کسی کو ہچکی آتی ہے تو کہتے ہیں فلاں یاد کر رہا ہے - خیال ہے کہ یاد کرنے والے کا نام آتے ہی ہچکی بند ہو جاتی ہے - جناب صغرا اپنی آخری ہچکیوں کو یادِ علی اکبر کی علامت قرار دیتی ہیں - اس حسنِ تعلیل سے خیال و بیان میں بے حد لطف پیدا ہو گیا ہے -

۲۴ - شُقّہ : قنات یا پردے کا کوئی کونہ یا حصہ -

۲۵ - مرثیۂ میر انیس ، جلد اول ، ص ۳۷ ، طبع نول کشور میں یہاں کچھ بندوں کی ترتیب بدلی ہوئی ہے - یعنی بند ۶۲ کے بعد بند ۶۵ اور بند نمبر ۶۴ کے بعد دو بند اور ہیں جو لکھنؤ طبع ۱۹۵۸ع ، نظامی پریس بدایوں اور لاہور کے مجموعوں میں موجود نہیں ہیں - دوسرے بند کی بیت ، بند ۶۵ میں ہونے کی وجہ سے مکرر ہو گئی ہے - ہم نے نسخۂ بدایوں سے مطابقت رکھی ہے -

۲۶ - نسخۂ بدایوں : ''پہنچی جُھہیں'' -

۲۷ - اس بند سے پہلے نول کشور کے نسخے میں ''مطلع دوم'' کرکے یہ بند ہے :

آمد ہے مدینے کے گلستاں پہ خزاں کی
بستی سب اجڑتی ہے شہِ کون و مکاں کی
ہر کوچے میں اک دھوم ہے فریاد و فغاں کی
احباب سے رخصت ہے امامِ دوجہاں کی
مل مل کے گلے سب سے جدا ہوتے ہیں حضرت
آغوش میں اصغر کو لیے روتے ہیں حضرت

جب قصد کیا کوچ کا سلطانِ زمن نے
فریاد کا اک شور کیا اہلِ وطن نے
پوشاک کو رو رو کے جو پہنایا بہن نے
فرمایا یہ تب ابنِ شہِ قلعہ شکن نے
صدمہ ہے بچھڑنے کا مرے روحِ نبی پر
رخصت کو چلو قبرِ رسولِ عربی پر

۲۸ - نول کشوری نسخے میں اس کے بعد چھ مصرعے زائد ہیں، یعنی بند ۷۳ :

اُمت میں عجب غدر ہے یا صاحبِ معراج
ہیں دشمنِ دیں مالکِ تخت و علم و تاج
دنیا کا زر و مال میسر ہے انھیں آج
میں گوشہ نشیں، فاقہ کش و بے کس و محتاج

اپنا علم و تخت اسی دن گیا نانا
جب فاطمہؑ سے .... گیا نانا

۲۹ - شبّر : امام حسن علیہ السلام، جنھیں جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا، جس کے اثر سے آپ کو خون کا استفراغ ہوا اور آپ ۲۸ صفر ۵۰ھ کو راہیِ جنت ہوئے۔

۳۰ - نسخۂ نول کشور میں اس کے بعد ایک بند اور ہے، یعنی :

پہلا تو وہ تھا ظلم کہ .... گردن
اب بازوے زینب میں رسن باندھیں گے دشمن
باقی تھا یہی ایک چراغِ سرِ مدفن
اس کو بھی بجھا دیں گے مرے دل پہ ہے روشن

کیونکر نہ بھلا ماتمِ اولاد کروں میں
اب کس سے اس اندھیر کی فریاد کروں میں

۳۱ - نول کشوری نسخے میں دوسرے مصرع کو تیسرے اور تیسرے کو دوسرے مصرع کی جگہ لکھا گیا ہے۔

۳۲ - بیوائیں، یتیم، اپاہج، ضعیف، گدا اور محتاج افراد جن کی امام مالی امداد فرماتے تھے، وہ فریاد کر رہے ہیں۔ اس بات کو اتنے خوبصورت انداز میں لکھا گیا ہے کہ مجمعِ عظیم نظر آتا ہے اور اسی کے ساتھ امام کی سخاوت کا حال کھلتا ہے۔

۳۳ - ناکہ : شہر کی آخری حد۔

۳۴ - لکھنؤ کے جدید اور لاہور کے مطبوعہ مرثیے میں ہے : ''عابد کی طرف خانۂ...'' نول کشور طبع اول و بدایوں سے تصحیح کی گئی ہے - عابد سے مراد عبادت گزار امام ہیں -

۳۵ - شرفا : شریف کی جمع ، اور شریف اصطلاح میں سیّد ، نیز حاکمِ مکہ کو کہتے ہیں -

۳۶ - نول کشور طبع اول : ''قبریں نظر آئیں کسی صحرا میں جو دو چار'' دوسرے مصرع کی آیت سورۃ الحشر کی آیت نمبر ۲ ہے -

۳۷ - نول کشور ۱۹۱۵ع : ''جو دوریمیں رہتے تھے'' -

۳۸ - نول کشور ۱۹۱۵ع و لاہور : ''دور کی تقریر'' -

۳۹ - یہ بند کمالِ فن کا شاہ کار ہے - اختصار ، سہل ممتنع ، رعایاتِ لفظی و معنوی ، شعور و تحت الشعور کی عکاسی اور گریز جیسے متعدد پہلو جمع ہیں -

۴۰ - نول کشور ۱۹۱۵ع ، ص ۱۴ : ''ہم ڈھونڈھتے ہیں ، پردۂ صحرا نہیں ملتا'' -

۴۱ - فرات کا پانی میٹھا ہے -

۴۲ - مسلم بن عقیل ۹ ذی الحجہ کو کوفے میں شہید ہوئے تھے -

۴۳ - چاند دیکھ کر آئینہ دیکھا جاتا ہے - سلاطین تلوار دیکھتے ہیں - انیس نے دونوں باتیں جمع کی ہیں اور تلوار کی صفائی کی مدح بھی کر دی ہے - دوسرے بند میں چاند دیکھنے کے بعد کا دستور بیان کیا ہے کہ سب نے امام کو آ کر سلام کیا -

۴۴ - نسخۂ لکھنؤ ۱۹۵۸ع و لاہور میں ''حضرت پہ دعا پڑھ کے'' غلط ہے - عموماً ماثور دعائے رؤیتِ ہلال پڑھنے کے بعد خاص خاص دعائیں بھی مانگتے ہیں -

۴۵ - نول کشور ۱۹۱۵ع ص ۴۲ : ''اب فضل بجز وصل'' -

۴٦ - یہ بیان بھی حقیقت پر مبنی ہے - عموماً مائیں یا اور لوگ بھی چاند دیکھ کر بڑے بزرگوں کی صورت ، عالموں کا چہرہ یا اپنے لڑکوں کو دیکھتے ہیں - حضرت زینب بھی چاند دیکھ کر سب سے پہلے اپنے فرزند (بھتیجے) کو دیکھنا چاہتی ہیں کہ وہ خوبصورت بھی ہیں اور تصویرِ نبی بھی -

۴۷ - نول کشور : ''پہلو پہ لگے گی'' ، ''بازو پہ لگے گی'' -

۴۸ - غربال : چھلنی -

۴۹ - لکھنؤ اور لاہور کے نئے ایڈیشن : ''چاند سفر کا'' -

مرثیہ ۳

جب کربلا میں داخلۂ شاہِ دیں ہوا

۱ - مراثیِ انیس ، جلد اول ، طبع اول ، نظامی پریس بدایوں ص ۴۰ ، جسے نسخۂ بدایوں یا ''بدایوں'' سے تعبیر کیا جائے گا - مراثی انیس مرحوم ، جلد دوم ، تیج کمار پریس لکھنؤ ۱۹۵۸ع جسے طبع جدید لکھنؤ قرار دیا گیا ہے ، ص ۱۴۱ -

مراثیِ انیس ، جلد چہارم ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ، جسے طبع لاہور لکھا جائے گا ، ص ۳۹ -

۲ - رفیع المکان : بلند مرتبہ -

۳ - دارِ محن : مصیبتوں کا گھر ، صحرائے کربلا مراد ہے -

۴ - طبع لاہور : ''روشن کیے دماغ'' غلط ہے -

۵ - رخت : لباس -

٦ - مُہر نبوت پہ قدم تھے ، یعنی یہ شاہزادے حسنؑ و حسینؑ ، آنحضرتؐ کے کاندھے پر بیٹھتے تھے -

۷ - کیواں : ستارۂ زحل - کیواں اساس : بلند مرتبہ ، وہ جس کی بنیاد بلند ترین ستارے پر ہو -

۸ - لاہور و لکھنؤ کے نسخوں میں یہ مقام کاتب کی غفلت سے صحیح نہیں پڑھے جاتے -

۹ - نسخۂ بدایوں : ''یہ وہ زمیں ہے'' -

۱۰ - مشہد : شہادت کی جگہ -

۱۱ - نشر : مراد قیامت ، پھیلنا ، حشر -

۱۲ - لکھنؤ طبع جدید : ''دس دن سے'' غلط ہے - تیسرے مصرع میں ہے : ''پانی یہ سرد ہے'' متن دونوں جگہ نسخۂ لاہور کے مطابق ہے - اشرفی ، مہر ، طلا ، اکسیر ، گرد سب متناسب الفاظ ہیں ؛ صنعت مراعاۃ النظیر -

۱۳ - فشار : زمین کا میت کو دبانا -

۱۴ - صُرّہ : تھیلی - صرۂ خاک شفا : کربلا کی مٹی ایک چھوٹی سی پوٹلی میں رکھ کر میت کے ساتھ قبر میں رکھتے ہیں کہ برکت حاصل ہو -

۱۵ - 'خاک اور آب' متقابل لفظ ہیں - آب خضر جو پی لے وہ زندۂ جاوید اور امام کے ساتھی اس خاک پر پہنچ کر زندۂ جاوید ہو گئے - بیت میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر سمندر میں طوفان ہو تو خاک کربلا ڈالنے سے طوفان بھی رک جاتا ہے -

۱٦ - غاضریہ : کربلا کے متصل ایک قریہ جو اب شہر کربلا میں داخل ہو چکا ہے - عام نسخوں میں اس کا املا ''غازریہ'' صحیح نہیں - دیکھیے میرا مقالہ 'کربلا' در دائرۂ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور -

۱۷ - الیاسؑ : ایک نبی کا نام جو خضر کی طرح بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ بتاتے ہیں - خضر سمندر و تری میں اور حضرت الیاس خشکی و صحرا میں رہتا ہیں -

۱۸ - مِرجان : مونگا ۔ ایک سمندری پتھر جو بیل یا درخت کی جڑوں کے مانند پھیلتا اور سمندر میں بڑھتا ہے ۔ یہ نباتاتی قسم کا پتھر قیمتی ہوتا ہے ۔

۱۹ - لکھنؤ طبع جدید : ''عباس نام دار'' ۔

۲۰ - عمّاری : ناقے پر بیٹھنے کا محافہ ، ہودج ۔

۲۱ - دم رکے ہوئے : یعنی دم گھٹے ہوئے ۔

۲۲ - خاتونِ روزگار : حضرت فاطمۂ زہرا ؑ ۔

۲۳ - جبل اور پہاڑ میں حسنِ ترادف ہے ، جبکہ ''پہاڑ تھا'' کٹھن تھا کے معنوں میں استعمال کرکے ایہام کا حسن بھی پیدا کر رہا ہے ۔ اس کے بعد ''زمیں پہ لایا ہے آسماں'' میں صنعتِ طباق و تضاد ہے ۔

۲۴ - مصلحت لازم ہے : صلاح مشورہ ضروری ہے ۔

۲۵ - رد و بدل نہ ہو : جھڑپ نہ ہو ، تلوار نہ چلے ۔

۲٦ - مشہور ہے کہ دریاے فرات حضرت فاطمہ زہرا ؑ کے مہر میں ہے ۔

۲۷ - عمل کرنا : قبضہ و تصرف و حکومت کرنا ۔

۲۸ - زہرہ کسی کا کیا ہے ؟ : کسی کا کیا پتّہ ہے ؟ کسی کی کیا ہمت و حوصلہ ہے ۔ چوتھے مصرع میں ''جو حسین سے جنگ و جدل کرے'' صحیح معلوم ہوتا ہے ۔ اس سے ملتا جلتا کلمہ آخر میں ہے ۔ دوسرا مصرع اسی سے شروع ہوا ، اسے ردالعجز علی الصدر کہتے ہیں ۔

۲۹ - مترصّد : تاک میں بیٹھا ہوا ، منتظر ۔

۳۰ - امام دھوپ میں تشریف فرما ہیں ۔ شان یہ ہے کہ خدام و غلام کام کر رہے ہیں ۔ کرسی پر حضور سلطان زمانہ ہیں ۔ سونے کی چھتری آفتاب بنا ہوا ہے ۔ چونکہ شاعر کے عقیدے میں نورِ رسالت کے پرتو سے حرارت و تمازتِ آفتاب ختم ہو جاتی ہے ، اس کے بعد سورج سونے کے چتر کے علاوہ کیا رہ جاتا ہے ۔

۳۱ - رایت : فوج کا نشان ، جھنڈا -

۳۲ - ولی : دوست ، خدا رسیدہ - امام کا صحابی مراد ہے -

۳۳ - قشون : فوج -

۳۴ - پیل زور : ہاتھی کی قوت کا پہلوان - تہمتن شکوہ : رستم کی شان کا - لکھنؤ طبع جدید میں ''پیر زور'' غالباً طباعت کی غلطی ہے -

۳۵ - مگر : شاید -

۳٦ - عرض : کشادگی ، چوڑائی -

۳۷ - فوجِ قاہرہ : زبردست فوج -

۳۸ - محق : میر صاحب حق دار کے معنی میں استعمال کرتے ہیں -

۳۹ - مورچہ : فوج کے لڑنے کی جگہ ، نیز چیونٹی - یہاں ایہام ترادف ہے -

۴۰ - نسخۂ لاہور میں ''چھوڑیں نہ زیں جو گرے'' طباعت کی غلطی ہے -

۴۱ - تم نے جو محبت بھرے خط لکھے اور ہمارے بلانے میں تپاک دکھایا تھا ، اسے بھول گئے ؟

۴۲ - ابو ثمامہ صائدی ، سعد مولئی عمر بن خالد ، زہیر بن قین ، حبیب ابن مظاہر ، اسد ، عابس ، ہلال ، اصحابِ امام جو معرکۂ کربلا میں موجود تھے -

۴۳ - ولا : محبت -

۴۴ - حسام : تلوار -

۴۵ - خشم : غصہ -

۴٦ - طبع لاہور : ''اف کروں تو یہ ناری ہلاک ہوں'' - تصحیح از بدایوں -

۴۷ - بند نمبر ۸۲ ، ۸۳ ، ۸۴ مراثی انیس طبع بدایوں سے حذف ہیں -

۴۸ - سرائے عاریت : چند روز رہنے کی جگہ -

۴۹ - طبع لکھنؤ جدید : ''دولت ملے گی یاں'' - شاید ''دولت مٹے گی'' - صحیح وہی ہے جو ہم نے متن میں لکھا ہے -

۵۰ - آلِ عبا : پنجتن پاک جو ایک عبا میں آرام فرما ہوئے تھے -

۵۱ - محاسن : ڈاڑھی - نماز کے بعد متقی حضرات ڈاڑھی میں کنگھی کرتے ہیں -

۵۲ - روباہ : لومڑی -

۵۳ - کفیل : ذمہ دار ، محافظ -

۵۴ - نصف النہار تک : آدھے دن تک ، دوپہر تک -

۵۵ - بضاعت : سرمایہ ، پونجی -

۵٦ - یعنی "ہے کوئی لڑنے والا ؟"

۵۷ - چلی : مری ، دم نکلا -

۵۸ - بدایوں کا نسخہ : "اشارے میں عباس" -

۵۹ - طبع لاہور : "شاہ پر جو سر" - متن مطابقِ طبع لکھنؤ -

٦۰ - اذن : اجازت -

٦۱ - فرق : سر -

٦۲ - قدم قدم : شاہی سواری کے خادموں کی صدا

٦۳ - نحس : منحوس ، بدبخت -

٦۴ - نسخۂ بدایوں : "آنکھوں میں پھر گئی" -

٦۵ - دمنا : تلوار کا کسنا -

٦٦ - دو ، چار ، پنج : تنسیق الاعداد کی صنعت ہے -

٦۷ - بُرّش : کاٹ -

٦۸ - طبع لاہور : "مٹی کا پھل" -

٦۹ - یعنی پھر حباب کی نظر میں آسمان کی کیا وقعت ہے -

۷۰ - حمیّت : غیرت -

۷۱ - خطی نیزہ : ایک اعلیٰ درجے کا عربی نیزہ -

۷۲ - دژم : غضب ناک -

۷۳ - صف : چٹائی اور قطار ۔ دونوں کے لیے بچھنا اور الٹنا استعمال ہوتا ہے ۔ یہاں مراد ہے آدھا لشکر تہِ شمشیر آ گیا ، آدھا بھاگ گیا ۔ صنعتِ ایہام کی بہترین مثال ہے ۔

۷۴ - کیا لطیف مبالغہ اور کس قدر عمدہ تصویر ہے ۔

۷۴ - لکھنؤ طبع جدید : ''رہتا تھا ہاتھ تیغ'' ۔

۷۵ - نسخۂ بدایوں ''گرزِ ستم سے'' ۔

۷۶ - احتضار : دم نکلنے کی حالت ۔ لکھنؤ کے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۵۸ع میں ''اختصار'' غلط ہے ۔

مرثیہ ۲

بہ خدا فارسِ میدانِ تہوّر تھا حُر

۱ - بہ خدا : خدا کی قسم ۔ مسعود حسن صاحب نے اس شعر کو ایک نسخے میں یوں دیکھا ہے :

فارسِ عرصۂ اقبال و تہوّر تھا حُر
ایک دد لاکھ جوانوں میں ....

فارس : شہسوار ، بہادر ۔

تہوّر : غیر معمولی بہادری ۔

ابوذر : جندب بن جنادہ ، صحابیِ رسول جو دولت سے سخت نفرت کرتے تھے ۔

حُر : حر بن یزید ریاحی ، کوفے کے سردار ، فوج یزید کے جرنیل جو امام حسین کی خدمت میں حاضر ہوگئے تھے ، نیز بمعنی آزاد و شریف انسان ۔

۲ - بحل کرنا : معاف کرنا ۔

۳ - موے پر : مرنے کے بعد -

۴ - نول کشور طبع اول و بدایوں و لاہور : ''خلق طینت میں ہے جس کے وہی ہوتے ہیں خایق -'' طبع لکھنؤ جدید : ''خلق طینت میں ہو جس کے''- متن مطابق روح انیس -

۵ - تلوار کا کسنا : تلوار کے لوہے کی اور تلوار کی خوبی یہ ہے کہ جھکے اور جھک کر پھر سیدھی ہو جائے - اس خوبی کا نام ہے ''کسنا'' -

٦ - بگڑے ہوے : خراب ، بد کردار ، بد نصیب -

۷ - جنود : جمع ُجند ، یعنی لشکر -

۸ - بدایوں کا نسخہ : ''کوئی ہم صورتِ خورشید کوئی غیرتِ ماہ'' -

۹ - کڑکا ہونا : جوش آفریں للکار اور اشعار پڑھے جانا -

۱۰ - روح انیس کا حاشیہ : ''یکہ تازوں میں ہوا شور مبارز طلبی'' - مبارز طلب : حریف کو مقابلے کے لیے للکارنے اور بلانے والا -

۱۱ - مصحفِ ناطق : بولتا قرآن ، حضرت علی کا لقب -

۱۲ - نسخۂ بدایوں ، طبع اول ، جلد اول ، ص ٦۷ : ''سنو میرا نام'' -

۱۳ - جلاجل : جمعِ جلجل ، اونٹ کے گلے میں ڈالے جانے والے گھونگھرو ، مراد جھانجھ -

۱۴ - سرمۂ آواز ہونا : آواز کو گلو گیر کرنا - سرمہ کھانے سے آواز بیٹھ جاتی ہے -

۱۵ - نسخۂ بدایوں و حاشیۂ روح انیس : ''تیر جوڑے ہیں جو تم نے تو خطا کرتے ہو'' -

۱٦ - شباب : جمعِ شاب ، جوان - حدیث ہے : ''الحسن و الحسین سیدا شباب اہل الجنۃ'' یعنی امام حسن و حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں -

۱۷ - قلمی مرثیہ :

بخدا دولتِ ایماں اسی سرکار میں ہے
سب بزرگوں کا تبرّک اسی دربار میں ہے

۱۸ - نسخۂ بدایوں : ''یہ تھی کس کی مجال''۔

۱۹ - لکھنؤ طبع جدید : ''دیکھا ہے سب نے مرے شیروں کا جلال''۔

۲۰ - لکھنؤ طبع جدید و لاہور : ''غیظ سے ہاتھ چباتے تھے''۔ نولِ کشور طبع اول و روح انیس و قلمی مرثیہ مطابقِ متن۔

۲۱ - جگر بند حسن : حضرتِ قاسم مراد ہیں۔

۲۲ - قلمی مرثیہ : ''منہ سے باہر نکل آئی تھیں زبانیں''۔ مطبوعہ مراثی : ''منہ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں''۔

۲۳ - روح انیس کے حاشیے پر ایک نسخے سے یہ نقل ہے : ''سقے مشقوں کے دہن کھول کے''۔

۲۴ - قلمی مرثیے میں دوسرے مصرع کو تیسرے کی جگہ اور تیسرے کو دوسرے کی جگہ لکھا گیا ہے۔

۲۵ - قاطر : خچر۔

۲۶ - نسخۂ بدایوں : ''شکر کرنے لگی ، تر ہو گئی ہر خشک زباں''۔

۲۷ - حاشیۂ روح انیس پر کسی قلمی نسخے سے ، نیز میرے قلمی مرثیے میں 'آہ' کی بجائے 'واہ' درج ہے۔

۲۸ - قلمی مرثیہ : ''کئی مہمان ہیں کم سن''۔ نول کشور ، طبع اول و طبع جدید لکھنؤ و لاہور و بدایوں : ''کئی طفل ان میں ہیں کم سن''۔ متن مطابقِ روح انیس۔

۲۹ - میرے قلمی مرثیے میں : ''پسرِ سعد نے مڑ کے''۔

۳۰ - قلمی مرثیہ ''تو کافر ہو جائے''۔

۳۱ - روح انیس کے علاوہ پیشِ نظر تمام قلمی و مطبوعہ مرثیوں میں یہ بند نمبر ۳۳ کے بعد ہے۔

۳۲ - قلمی مرثیے میں مصرع ۲ ، ۴ کی جگہ اور ۳ ، ۲ کی جگہ ہے ور نسخۂ بدایوں میں یہ بند ، بند نمبر ۳۴ کے بعد ہے -

۳۳ - حاشیۂ روح انیس اور میرا قلمی مرثیہ : ''پسر سعد'' -

۳۴ - یہاں سے تمام بند ، عجب تیور اور عجب لہجے میں لکھے ہیں - پھر ان میں سے ہر بات کا جواب آگے چل کر لکھیں گے -

۳۵ - قلمی مرثیہ اور طبع اول : ''ٹپکتی ہے یہ رال'' -

۳٦ - قلمی مرثیہ : ''تسنیم نے مدہوش کیا'' -

۳۷ - طبع نول کشور اول : ''جسم خاکی ہے ادھر'' -

۳۸ - خالصہ : شاہی ملکیت - خالصہ لگنا : جائداد کا بحقِ سرکار ضبط ہونا - قلمی مرثیے اور نول کشور و نظامی طبع اول میں ''خال سے لگ جائے گا'' املے کی غلطی ہے -

۳۹ - نسخۂ بدایوں : ''محبت کا وبال'' متن مطابق روح انیس -

۴۰ - نول کشور طبع اول : ''چہرا ترا کٹ جائے گا'' - متن مطابق روح انیس -

۴۱ - آلِ عبا : وہ حضرات جن کو آنحضرتؐ نے اپنے ساتھ اپنی چادر میں جمع کیا تھا اور یہ آیت اتری تھی : ''انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا'' - آلِ عبا یا اصحابِ کسا سے پنجتن پاک مراد ہیں -

۴۲ - علمائے مناقب کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی تین سو آیتیں مدح اہل بیت میں ہیں -

۴۳ - نسخۂ بدایوں : ''کیا جانے گا تو'' متن مطابق روح انیس -

۴۴ - انیس کے دور میں ناسخ اور ان کے ہم عصر ''کبھو'' کو ترک کر چکے تھے - میر انیس کے متعدد مراثی میں یہ کلمہ موجود ہے -

۴۵ - لکھنؤ طبع اول میں ''ہے شبیر'' ردیف ہے -

۴٦ - نسخۂ بدایوں : ''جان زہرا کی محمد کی زباں ہیں شبیر'' -

۴۷ - حاشیۂ روح انیس : ''یہ نہ بخشیں'' ۔

۴۸ - نسخۂ بدایوں : ''کیا میں اور دوست مرے کیا ہیں مری کیا ہے عیال'' ۔

۴۹ - ''خانہ بربادیٔ سادات کا غم'' حاشیۂ روح انیس ۔

۵۰ - دوں : حقیر ، ذلیل ۔

۵۱ - طوبلیٰ : جنت کا ایک درخت ۔ زیر نظر نسخوں میں ''دارِ طوبلیٰ'' ہی درج ہے لیکن ''شاخِ طوبلیٰ'' زیادہ موزوں نظر آتا ہے ۔

۵۲ - بند نمبر ۵۰ تا ۵۵ میرے قلمی مرثیے سے حذف ہیں ۔ نیز اس بند کے چوتھے مصرع میں نول کشور طبع اول میں ہے : ''خواب غفلت ہے اسے ، میرا ہے طالع بیدار'' ۔

۵۳ - ذقن : ٹھڈی ، سیبِ ذقن اضافتِ تشبیہی ہے ۔

۵۴ - راس : سر ، سردار ۔

۵۵ - پرچہ نویس : رپورٹر ، جاسوس ، مخبر ۔ نسخۂ بدایوں : ''لکھے پرچہ نویس'' ۔

۵۶ - قنبر : حضرت علیؑ کے غلامِ خاص کا نام ۔

۵۷ - قلمی مرثیہ اور روح انیس : ''ہاں بہادر'' ۔ لیکن مطبوعہ نسخوں میں ''ہاں برادر'' ہے ۔

۵۸ - رضوان : جنت کا نگہبان فرشتہ ۔

۵۹ - قلمی مرثیہ : ''کس تلاطم سے بچی ہے'' ۔

۶۰ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے ۔

ہزبر : شیرِ ببر ۔

۶۱ - تعویق : تاخیر ۔ روح انیس میں 'تعویق' کے بجائے 'تاخیر' کو نسخۂ بدل لکھا گیا ہے ۔

۶۲ - گبر : آتش پرست ۔

۶۳ - عمر بن سعد : کہاں دار فوجِ یزید -

۶۴ - نسخۂ بدایوں : ''واں ہوئے'' -

۶۵ - قلمی و طبع اول : ''مددے نوح غریباں'' -

۶۶ - نسخۂ بدایوں : ''خلق میں آپ کے والد کے کرم ہیں مشہور'' -

۶۷ - کہتے ہیں اسود نامی ایک شخص نے مالِ غنیمت سے ایک زرہ چرا لی - آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا - حضرت علی نے تعمیل حکم کی - اسود نے خوشی خوشی سزا قبول کی اور بصد ندامت معافی مانگی - آنحضرتؐ نے خدا سے دعا کرکے اس کے ہاتھ کی کٹی ہوئی انگلیاں جوڑ کر اس کی خطا معاف فرما دی -

۶۸ - یہاں سے تین بند قلمی مرثیے میں نہیں ہیں -

۶۹ - خذ بیدی : میرا ہاتھ تھامیے ، یعنی میری مدد کیجیے -

۷۰ - مور : چیونٹی -

۷۱ - نحیف : ناتواں -

۷۲ - خفیف : رسوا ، ذلیل ، شرمندہ -

۷۳ - روح انیس کے حاشیے پر ہے : ''بس ہے مولا ، اگر اتنا ہی کرم ہو جائے'' -

۷۴ - روح انیس : ''ہاتھوں کو پھیلائے'' - باقی قلمی و مطبوعہ نسخے مطابقِ متن -

۷۵ - 'صدا' کے بجائے 'ندا' بھی ایک نسخے میں ہے -

۷۶ - نول کشور اول : ''تری اللہ نے بخشی تقصیر'' -

۷۷ - یہ بند قلمی مرثیے سے حذف ہے -

۷۸ - سلمان ، ابوذر ، مقداد بن عمرو کندی اور عمار بن یاسر یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ممتاز و محترم صحابی تھے - مالک بن

حارث نخعی ، حضرت علی علیہ السلام کے وفادار دوست اور جنگِ جمل و صفین کے بہادر جرنیل تھے۔ قنبر، حضرت علی کے جاں نثار غلام تھے - روح انیس کے علاوہ زیرِ نظر تمام نسخوں میں 'ابوذر' کے بجائے 'اباذر' ہی لکھا ہے -

۷۹ - مسبّب : سبب پیدا کرنے والا ، مراد خداوند عالم -

۸۰ - بند ۷۸ ، ۷۹ قلمی مرثیے میں نہیں ہیں -

۸۱ - نول کشور طبع اول : ''ہم اسے بھولیں تو بھولیں ، اسے ہر وقت ہے یاد'' -

۸۲ - نسخۂ بدایوں : ''شکر معبود کا اس پر بھی نہیں کرتے عباد'' -

۸۳ - نول کشور طبع اول : ''برساتے ہیں - آتے ہیں'' -

۸۴ - دستور تھا کہ اسلحہ باندھتے ہوئے سپاہی سورۂ الحمد پڑھا کرتے تھے - نیز فاتحہ پڑھنا بمعنی مایوس ہو جانا ، توقع نہ رکھنا - فاتحہ پڑھ کے ، یعنی زندگی سے ہاتھ دھو کر -

۸۵ - حاشیۂ روح انیس : ''اسی عزم'' -

۸۶ - صرف قلمی مرثیے میں ہے : ''خیر، اب خلد میں ہو جائے گی دعوت تیری'' -

۸۷ - خیل : لشکر ، مجمع -

۸۸ - بند نمبر ۸۴ قلمی مرثیے میں نہیں ہے - نسخۂ بدایوں : ''تجھ پہ مخفی نہیں'' -

۸۹ - ''ہر سمت سے'' حاشیۂ روح انیس -

۹۰ - نسخۂ بدایوں : ''ہاتھ میں تیغ ، سپر دوش پہ'' -

۹۱ - حاشیۂ روح انیس : ''جو لہراتے تھے'' -

۹۲ - حاشیۂ روح انیس : ''برچھیوں اڑتا تھا جو دب کے فرس'' -

۹۳ - بند نمبر ۸۸ ، ۸۹ قلمی مرثیے میں نہیں ہیں -

۹۴ - نسخۂ بدایوں : ''تیغ پہ رکھے تھا'' -

۹۵ - قدر انداز : نشانہ باز ، تیر انداز -

۹۶ - مطلع سے مراد وہ حصہ ہے جہاں مرثیہ خواں طول سے بچنے کے لیے گزشتہ بند چھوڑ کر اس بند سے مرثیے کا آغاز کر سکتا ہے -

۹۷ - تُتقِ نور : پردۂ نور - لاہوری نسخے میں غلطی سے ''طبقِ نور'' چھپ گیا ہے -

۹۸ - مِس : تانبا - اکسیر : وہ خاکستر جو تانبے کو سونا بنا دیتی ہے -

۹۹ - نول کشور طبع اول ، لکھنؤ طبع جدید و لاہور و بدایوں : ''چاندنی جس سے'' - متن مطابق روح انیس -

۱۰۰ - مرثیۂ انیس ، جلد اول ، طبع اول میں بند نمبر ۸۹ کی بیت ''تتق نور سر راہ'' یہاں مکرر لکھ دی گئی ہے - طبع جدید و طبع لاہور و روح انیس مطابق متن ہے -

۱۰۱ - نسخۂ بدایوں : ''پسر فاطمہ'' -

۱۰۲ - خسرو پرویز : ایرانِ قدیم کا بادشاہ تھا جس کے آٹھ خزانے تاریخ میں مشہور ہیں -

۱۰۳ - نول کشور اول : ''دور دور آج تو میرا ہے'' -

۱۰۴ - نول کشور طبع اول ''مل کے آتا ہوں منہ'' -

۱۰۵ - نول کشور طبع اول : ''نظرِ رحمت سے'' -

۱۰۶ - روح انیس کے حاشیے پر اختلاف کے مطابق بیت یوں بھی لکھی گئی ہے :

مجھ کو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہیں

بے خبر آنکھیں تو کھولے ہیں مگر سوتے ہیں

۱۰۷ - نسخۂ بدایوں و لکھنؤ و لاہور میں تیسرا مصرع چوتھے کی جگہ اور چوتھا مصرع تیسرے کی جگہ ہے۔

۱۰۸ - نسخۂ بدایوں : "نیک کلام۔"

۱۰۹ - نول کشور طبع اول : "لے کے حربوں کو۔"

۱۱۰ - اس کے بعد سات بند قلمی مرثیے میں نہیں ہیں۔

۱۱۱ - نول کشور طبع اول : "تھی وہ طرار۔"

۱۱۲ - ڈورا ڈالا یعنی ڈورے ڈالے، ڈھب پر لائی، پھانسنا چاہا۔

۱۱۳ - روح انیس کے علاوہ نول کشور، لکھنؤ اور لاہور میں ہے : "ہاتھ منہ، صدر و کمر۔"

۱۱۴ - قلمی مرثیے میں بند نمبر ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۰۹ نہیں ہیں۔

۱۱۵ - سیفی : ایک جلالی دعا اور اس کا عمل ہے جو دشمن کی تباہی کے لیے تیر بہدف مانا جاتا تھا۔

۱۱۶ - نسخۂ بدایوں : "ہاتھ آڑا دیتی تھی۔"

۱۱۷ - جوہر : وہ نیلے رنگ کی لہریں جو اعلیٰ درجے کے فولاد میں صیقل کے بعد نظر آتی ہیں۔ میر صاحب نے جوہر کی لکیروں کو جال کہہ کر تلوار کو مقید کر دیا ہے۔

۱۱۸ - بند ۱۱۲ تا ۱۱۸ قلمی مرثیے میں نہیں ہیں۔

۱۱۹ - نول کشور طبع اول : "جامع کفر کے پرزے بھی رہے قطع و برید۔" ایک جگہ املا اور دو جگہ نقطوں کی دل چسپ غلطی ہے۔ اسے بعد کے نسخے میں یوں پڑھا گیا : "جامۂ کفر کے پرزے بھی ہوئے قطع و برید"۔ دیکھیے لکھنؤ طبع جدید و لاہور۔

۱۲۰ - وہ گرز جو 'الف' کی طرح سیدھے تھے، ضرب کے زور سے 'د' کی طرح جھک گئے تھے۔

۱۲۱ - نول کشور طبع اول و بدایوں و طبع جدید و لاہور : "پھال۔" مسعود حسن، روح انیس : "پھال۔"

۱۲۲ - ورطہ : بھنور -

۱۲۳ - نول کشور و بدایوں و لکھنؤ جدید و لاہور مطابق متن - روح انیس میں ''گھیر'' کو ''کبھی'' لکھا گیا ہے -

۱۲۴ - نول کشور طبع اول و لکھنؤ طبع جدید و لاہور : ''کوئی فرق کے بھل'' - روح انیس : ''سر کے بل -''

۱۲۵ - ہر مصرع میں ایک معزز ہاشمی کی زبان سے تعریف ہے اور کیا خوب ہے - روح انیس : ''زہے ہمت و جاہ''- متن مطابق بدایوں و لکھنؤ -

۱۲۶ - قلمی اور مطبوعہ نسخے : ''اتنے جھکنے''- روح انیس : ''حیف جھکنے'' نسخۂ بدایوں : ''سامنے چھوڑ کے'' - بند نمبر ۱۲۱ تا ۱۲۷ قلمی نسخے میں موجود ہیں -

۱۲۷ - قربوس : زین کا وہ حصہ جو سامنے کی طرف قوسی شکل میں اٹھا ہوتا ہے - (برہان قاطع) -

۱۲۸ - نول کشور طبع اول :

خادمِ حضرتِ زہرا و علی گرتا ہے
خاک پر اب وہ شہیدِ ازلی گرتا ہے

۱۲۹ - حاشیۂ روح انیس : ''اے جانِ پدر -''

۱۳۰ - نول کشور طبع اول :

''لاش اٹھاؤں گا کہ مہمان کا حق مجھ پر ہے''

۱۳۱ - قلمی مرثیہ : ''وہ بھی تو کچھ ہو مسرور -''

۱۳۲ - قلمی مرثیہ :

سانس کو سینۂ مجروح میں اڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ مہماں کو رگڑتے دیکھا

۱۳۳ - قلمی مرثیہ : ''اور آہ ہمیں کی نہ خبر'' - روح انیس و بدایوں : ''اور آہ نہ کی مجھ کو خبر -'' باقی نسخے مطابقِ متن ہیں -

۱۳۴ - بدایوں و طبع اول لاہور و لکھنؤ میں ''چشم کو'' - روح انیس اور اصلاح طبع اول : ''آنکھوں کو -''

۱۳۵ - حبیب ابنِ مظاہر ، حضرت امام حسین[ع] کے بچپنے کے رفیق اور دوست کا اس موقع پر اچانک آنا کس قدر اثر انگیز ہے ، اور یہ منظر انیس کی فن کاری کا کتنا بڑا نمونہ ہے - انیس یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ حُر کا کردار یہ ہے کہ انجام کار حبیب کے برابر ہوگئے - پھر حبیب نے جس شرعی نکتے اور نصیبے کی یاوری کا ذکر کیا ہے ہے ، وہ بھی انیس کی نکتہ شناسی و ژرف نگاہی ہے - اسی سے انیس کا فن توانائی پاتا ہے -

۱۳۶ - نسخۂ بدایوں : ''شاخ سے میری -''

۱۳۷ - نول کشور طبع اول : ''کعبۂ دیں -''

۱۳۹ - ایک نسخہ : ''چل بسا حُرّ جری -''

۱۴۰ - بند نمبر ۱۳۷ تا ۱۴۱ روح انیس میں سے حذف کر دیے گئے ہیں - ہم نے نسخۂ بدایوں اور نول کشور طبع اول ۱۸۷۶ع ، طبع تیج کمار لکھنؤ ۱۹۵۸ع اور طبع لاہور ۱۹۵۹ع و ۱۹۶۷ع سے نقل کیے ہیں -

مرثیہ ۵

جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج

۱ - وغا : جنگ -

۲ - اثنائے سفر میں کچھ دیر ٹھہرنے کے لیے ، یا میدانِ جنگ میں انتظارِ حکم کے لیے ، گھوڑ سوار گھوڑوں سے اتر کر ان کے تنگ ڈھیلے کرتے ہیں ، زین پوش اتار کر زمین پر بچھاتے ہیں اور اس پر

بیٹھ جاتے ہیں ۔ گھوڑے کی لگام زانو سے باندھ لیتے ہیں ۔ عام سپاہیوں کا یہ دستور مولانا محمد حسین آزاد نے 'قصص ہند' میں یوں لکھا ہے :

''دن مورچوں کی درستی میں گزرا ، شام کو سب نے گھوڑوں کے تنگ ڈھیلے کر دیے ، دانہ چڑھا ، زین پوش بچھا کر بیٹھ گئے ، باگ ڈوریں زانوؤں سے باندھ لیں اور خورجیوں سے روٹیاں نکال کر کھانے لگے ۔'' (قصص ہند ، طبع مجلس ترقی ادب لاہور ، ص ۲۰) ۔

۳ ۔ نسخۂ بدایوں : ''وہ جرأت کے ولولے ۔''

۴ ۔ بادپا : تیز رفتار گھوڑے ۔

۵ ۔ ''جب قطع کی مسافتِ شب آفتاب نے'' اس مرثیے میں لکھنؤ و لاہور کے مطبوعہ نسخوں میں یہ بند نمبر ۸۶ ہے ۔

۶ ۔ نسخۂ بدایوں : ''نبی کی فوج میں ہے شیر کردگار ۔''

۷ ۔ شکوۂ معصومانہ کی ایک بے نظیر مثال ۔

۸ ۔ غِبطہ : کسی کے کمال و ہنر کو دیکھ کر خود بھی ویسا بننے کی خواہش کرنا ۔ حسد کی ضد اور صفت ممدوح ۔ انیس نے اسے حسد کے معنوں میں استعمال کیا ہے ۔

۹ ۔ لاہور کے مطبوعہ مرثیے میں یوں ہے : ''وہ کون غیر ہیں ، تم کون غیر ہو ۔''

۱۰ ۔ روح انیس : ''تا عصر تم نہ ہوگے نہ عباس خوش خصال'' ۔ اس کے بعد بند نمبر ۲۶ کے تیسرے مصرعے کے لیے دیکھیے پندرھواں بند ۔

۱۱ ۔ طبع بدایوں و لاہور اور انٹرمیڈیٹ کورس : ''ایسے بیٹے سب کو ۔'' معلوم ہوتا ہے کہ مسعود حسن صاحب نے ''لال'' کسی قلمی نسخے کی بنیاد پر لکھا ہے ۔

۱۲ ۔ روح انیس کا متبادل نسخہ : ''دولھا بنا کے لائیں جو شاہ امم کے پاس ۔''

۱۳ - روح انیس کا متبادل نسخہ : ''لشکر سے تیر کیں مرے جاتے ہی آئیں گے ۔''

۱۴ - انٹرمیڈیٹ کورس اور نسخۂ لاہور: ''مایا مری یہی ۔'' متن مطابق روح انیس ہے ۔

۱۵ - نسخۂ بدایوں ، انٹرمیڈیٹ کورس اور نسخۂ لاہور میں ہے :

پھر عرض کی کہ اے خلفِ شاہِ قلعہ گیر
اس کا نہ کیجے دھیان کہ یہ سن میں ہیں صغیر
دونوں نے بنتِ شیرِ خدا کا پیا ہے شیر
سینہ سپر کریں گے یہ ، جس دم چلیں گے تیر

۱۶ - یہ بیت مطبوعہ نسخوں میں بند ۳۵ کے ساتھ ہے اور ۳۵ ویں بند کی بیت ۳۴ ویں بند کے ساتھ ہے ۔ میرے خیال میں روح انیس کی روایت بہتر ہے کیونکہ :

کیا آپ ماموں جان کو تنہا سمجھتی ہیں

چھٹا مصرع اوپر کے چاروں مصرعوں سے زیادہ مربوط ہے ۔

۱۷ - زبردستی ، قوتِ بازو ، زور آوری ، رستم ، زبردست ، زیر کرنا ، زیر زبر ، یہ سب متناسب الفاظ ہیں جن سے حسنِ لفظ و معنی میں چار چاند لگ گئے ہیں ۔

۱۸ - شہ دین کے دشمنوں کا بال بیکا ہو - ''دشمنوں کا'' دراصل محاورہ ہے جو احترام و محبت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ۔ مراد یہ ہے کہ خدانخواستہ اگر امام کو کسی طرح کا زخم لگا تو دعا ہے کہ امام کی جگہ یہ زخم ان کے دشمنوں کو لگے ۔

۱۹ - بہادر کے پوتے : یعنی حضرت جعفر بن ابی طالب کے پوتے ۔ دلیر کے نواسے : یعنی حضرت علی علیہ السلام جو جنابِ عون و محمد کے نانا تھے ۔

۲۰ - روح انیس کے متن میں مصرع یوں ہے : ''حافظ ہیں سب یہ آپ کے بھائی کی جان کے ۔'' حاشیے کا نسخہ اور دوسرے مطبوعہ نسخوں میں مصرع مندرجۂ متن درج ہے ۔ ''حافظ'' کا تقاضا مصحفِ ناطق ہی ہے اور مصحفِ ناطق سے مراد حضرت علیؑ ہیں ۔ اس کے بعد بند نمبر ۳۸ کا تیسرا مصرع روح انیس میں یوں ہے :

ہم بھی ہیں بنت فاطمہ کے شیر سے پلے

۲۱ - آسمان پر لہو ، یعنی زمین کے خونیں رنگ کا عکس آسمان پر پڑ رہا ہوگا ۔ نیز خون کے فواروں کا چھوٹنا بھی مستعارلہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی کہ تلواروں کا خون حرکت کی وجہ سے فضا میں اڑ رہا تھا ۔ نیز سرخیٔ شفق کا بھی استعارہ سمجھنا چاہیے ۔ در اصل لاشے زمیں پہ ہوں گے — اور — لہو آسماں پر ، بڑا خوبصورت جملہ ہے ۔

۲۲ - عام نسخوں میں ''محسن ہو آج'' ہے ۔ میں نے 'روح انیس' کا نسخہ بہتر سمجھا ہے ۔

۲۳ - نسخۂ بدایوں : ''جب چین ہو ۔''

۲۴ - نسخۂ بدایوں و لاہور اور انٹرمیڈیٹ کورس میں ہے : ''ابھی بچوں کے سن ہیں کیا ۔'' متن مطابق روح انیس ۔

۲۵ - روح انیس : ''یہ کھیلنے کے دن'' ۔ نسخۂ لاہور و انٹرمیڈیٹ کورس متن کے مطابق ہے ۔

۲۶ - بند نمبر ۴۲ ، ۴۳ ، ۴۴ روح انیس میں نہیں ہے ۔ ہم نے یہ بند نسخۂ بدایوں و لکھنؤ اور لاہور سے لیے ہیں ۔

۲۷ - حضرت فاطمۂ زہرا کی جانشینی و ورثہ داری چاہتی ہے کہ جس طرح ان کے دو بیٹے حسن و حسین راہِ خدا میں شہید ہوئے ، اسی طرح میرے بھی دونوں بیٹے شہید ہوں ۔

۲۸ - عام نسخوں میں ہے: ''نہ ملیں گے یہ تشنہ کام'' - روح انیس: ''لالہ فام -''

۲۹ - مسعود حسن صاحب نے حاشیۂ روح انیس پر لکھا ہے -: ''ھدیہ غریب کا ہے -''

۳۰ - روح انیس: ''چپ رہ گئے'' بدایوں و لکھنؤ اور لاہوری ایڈیشن میں ہے: ''چپ ہو گئے -''

۳۱ - بدایوں و لکھنؤ اور لاہوری ایڈیشن: ''ہاتھوں کو جوڑ جلد جھکو چومنے قدم'' - روح انیس مطابقِ متن -

۳۲ - روح انیس کے حاشیے پر اس مصرع کو یوں لکھا ہے: ''لاکھوں جواں آدھر ہیں سب انھیں سولا پہر کی پیاس'' اور دوسرے میں ''کیا ہو جو نہر'' کے بجائے ''کیا ہو جو بھیڑ دیکھ کے'' لکھا ہے -

۳۳ - بدایوں و لکھنؤ اور لاہوری ایڈیشن میں ہے: ''کہ کریں جنگ میں قصور''- متن روح انیس کے مطابق ہے -

۳۴ - بدایوں و لکھنؤ اور لاہوری ایڈیشن میں ہے: ''لیث سے غالب انھیں کا جد'' - روح انیس کی قرأت ''لیث بنی غالب'' صحیح ہے - جیسا کہ روح انیس میں ہے، غالب بن فہر، اجدادِ آنحضرت میں دسویں پشت میں گزرے ہیں - بنی غالب سے خاندان غالب میں فہر مراد ہے - لیث بمعنی شیر، لیثِ بنی غالب، خاندانِ غالب کا شیر، مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں -
چھٹے مصرع میں روح انیس کی روایت ہے: ''شیر کی بچوں میں شیر کے'' -

۳۵ - نسخۂ بدایوں: ''دوش پہ سر شاہ بحر و بر -''

۳۶ - نسخۂ بدایوں کی ترتیب یہ ہے: ۱، ۳، ۲، ۴ -

۳۷ - مجرا : شاہی دربار کے ارکان کا بادشاہ کو سلام - مجرائی : خاص خاص امرا جنھیں بادشاہ کے استقبال اور سلام کا منصب حاصل ہوتا تھا -

۳۸ - یہ بند روح انیس میں نہیں ہے ، نسخۂ بدایوں و لاہور سے نقل کیا گیا ہے -

۳۹ - سِر : راز - سِر اور سَر میں تجنیس خطی ہے -

۴۰ - مالکِ رقاب : غلاموں کے آقا ، جانوں کے مختار -

۴۱ - کہتے ہیں کہ حبیب ابن مظاہر اسدی کوفی ، بہت بوڑھے تھے - بھویں سفید ، کمر جھکی ہوئی ، مگر بہادری و جوشِ نصرت میں جوان - ان کی زبان سے انیس کا یہ جملہ کس قدر معنی خیز ہے کہ ''جہاں سے جائیں گے سیدھے جناں میں ہم'' یعنی جنت میں جوان ہو کر جائیں گے ، وہاں کمر کا خم نہ رہے گا - اور ''جنت میں سیدھے'' جانے کا مطلب یہ بھی ہے کہ بلا روک ٹوک جائیں گے - گویا انیس نے ''صنعت اوماج'' استعمال کی ہے -

۴۲ - غلافی آنکھیں : خوبصورت بڑی آنکھیں - پہلے مصرعے میں آنکھوں کی سرخی اور ہیبت کی تشبیہ شیر کی آنکھوں سے دی ہے - دوسرے مصرعے میں آنکھوں کا ذوالفقار سے استعارہ کرکے غلاف کو علامت استعارہ قرار دیا ہے -

۴۳ - جھریوں کے مٹنے سے جسم کا آئینہ ہونا کیا پیارا خیال اور کس قدر نزاکتِ بیان ہے -

۴۴ - بدایوں و لکھنؤ اور لاہوری ایڈیشن : ''نہ ہوگے اگر سوار -''

۴۵ - بدایوں و لکھنؤ اور لاہوری ایڈیشن : ''پہنچو جناں میں -''

۴۶ - کہتے ہیں کہ حبیب ابن مظاہر مدینہ میں امام حسین[ع] کے قدموں کی خاک اٹھا کر آنکھوں میں لگاتے تھے اور امام حسین[ع] کے ساتھ ساتھ رہتے تھے - آنحضرت[ص] نے حبیب کی اس محبت کو دیکھ کر

لوگوں سے فرمایا تھا کہ حبیب میرے حسینؑ پر جان نثار کرے گا ۔

۴۷ - نسخۂ بدایوں و لاہور : ''اب ان کا دور ہے''۔ متن روح انیس کے مطابق ہے ۔

۴۸ - روح انیس : ''لجامِ فرس ۔''

۴۹ - حاشیۂ روح انیس :

جس دم فرس پہ چڑھ کے امامِ زماں بڑھے

کس شان سے جلو میں حسینی جواں بڑھے

۵۰ - بدایوں و لکھنؤ اور لاہوری ایڈیشن میں ہے : ''دعویٰ یہ تھا'' اور بیت کا قافیہ ہے : ''بستی اجاڑ دیں'' ، ''نشانوں کو گاڑ دیں'' ۔ متن روح انیس کے مطابق ہے ۔

۵۱ - بدایوں کے نسخے میں دو مصرعوں کی ردیف ہے ''دیں'' ۔ متن روح انیس کے مطابق ہے ۔

۵۲ - نسخۂ بدایوں : ''حد سے سوا تھی ۔''

۵۳ - لاتعد : بے حساب ، بے گنتی ، شمار سے زیادہ ۔

۵۴ - بدایوں و لکھنؤ اور لاہوری ایڈیشن : ''دستِ چپ کے بھی ممکن نہیں شمار'' ۔ دستِ چپ سے شمار کرنا حساب کے طریقۂ ''عقدِ اناسل'' کی طرف اشارہ ہے ۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ انگلیوں کو سیدھا کرنے سے اکائیاں اور دہائیاں ، اور بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے سینکڑے اور ہزار بناتے ہیں ۔ اس میں انگلیوں کو ٹیڑھا بھی کرتے ہیں ۔ صاحبِ غیاث اللغات نے تفصیل لکھ کر کہا ہے کہ اس طرح دس ہزار تک گنتی ممکن ہے ۔ یہاں مراد یہ ہے کہ اصولِ حساب ختم ہو جائیں مگر فوج کا شمار نہ ہو سکے ۔

۵۵ - اکناف : جمع ہے کنف کی ، کنارے ، اطراف ۔

۵۶ - سہل : ہموار میدان - جبل : پہاڑ - نسخۂ بدایوں و لاہور میں ''شہر و جبل'' غلط ہے -

۵۷ - نسخۂ بدایوں : ''کوفے تک ہے'' - قشون : فوج - قشونِ زبوں صفات : بد اوصاف فوجیں -

۵۸ - روح انیس میں ہے : ''دلیر ہیں''، ''بچے ہیں''، ''شیر ہیں'' - میر صاحب نے غالباً پہلے مصرع میں ''سبز رنگ کوئی تھا کوئی صبیح'' مناسبت سے دوسرے مصرع میں بھی ''تھے'' بنا دیا ہوگا - جیسا کہ نسخۂ بدایوں و لاہور میں ہے - لیکن آنے والے مصرعوں کی مناسبت سے ''ہیں'' مناسب تر ہے -

۵۹ - نسخۂ بدایوں : ''نذروں کے منتوں کے -''

۶۰ - نسخۂ لاہور و بدایوں و انٹرمیڈیٹ کورس : ''حسن کے دریا کا گنج ہے'' - متن مطابق روح انیس -

۶۱ - چہار و دو پنج : چودہ -

۶۲ - نسخۂ بدایوں : ''حسیں کوئی ، شیریں سخن کوئی -''

۶۳ - نسخۂ لاہور و انٹرمیڈیٹ کورس : ''مایا تھی'' - روح انیس و نسخۂ بدایوں : ''مایہ تھا -''

۶۴ - جناب حمزہ ، آنحضرت ؐ کے عمِ نامدار تھے جو غزوۂ احد میں شہید ہوئے - جناب جعفر، آنحضرت ؐ کے چچازاد بھائی اور حضرت ابوطالب کے فرزند - جناب جعفر جنگِ معتہ (۸ ھ) میں اس طرح شہید ہوئے کہ لڑتے لڑتے دونوں بازو کٹ گئے تھے - آنحضرت ؐ نے فرمایا تھا کہ خدا نے جعفر کو بازوؤں کے بدلے دو پر عطا کیے ہیں جن سے وہ پرواز کریں گے - اسی واسطے آپ کو جعفرِ طیّار کہتے ہیں -

۶۵ - حجّت تمام کرنا : دشمن کو لاجواب کرنا - حد مفاہمت و بحث ختم کرنا -

۶۶ - نسخۂ بدایوں و لاہور : ''سبقت نہ کرنا''۔ روح انیس مطابق متن ۔

۶۷ - نسخۂ بدایوں و لاہور : ''بولے وہ تشنہ کام ۔''

۶۸ - نسخۂ بدایوں و لاہور : ''روکے رہنا انھیں ۔''

۶۹ - بیرونِ شہرِ نجف ایک ریگستان ہے جس میں ایک صاف بلوری قسم کا پتھر ملتا ہے جسے ''درِ نجف'' کہتے ہیں ۔ در نجف کو زائر بڑے اہتمام سے ڈھونڈتے ہیں اور اسے انگوٹھی میں پہنتے ہیں ، ان سے تسبیحیں بناتے ہیں ۔ یہاں درِ نجف سے شاہِ نجف کی اولاد مراد ہے ۔

۷۰ - نسخۂ بدایوں میں بعض اہم غلطیوں کی بدولت اس مصرع کی صورت عجیب ہے : ''یاں منزلت تھی قدر تھی قیمت تھی قوت تھی ۔''

۷۱ - تیغ : چُھری ۔ اس مصرع میں حضرت یوسف اور زنانِ مصر کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ زلیخا نے طعنہ زن عورتوں کو چھری اور لیمو دے کر کہا تھا کہ میں حسنِ یوسف کی دل آویزی دکھاؤں گی ۔ یوسف آئیں گے اور میں تم سے کہوں گی کہ لیمو کاٹو ۔ عورتوں نے زلیخا کے اشارے پر چھری چلائی اور عالمِ مدہوشی میں لیمو کے بجائے انگلیاں کاٹ لیں ۔ میر صاحب فرماتے ہیں حسنِ علی اکبر کے لیے حوروں کے ہاتھ میں ہلال کی چھری اور آفتاب کا لیمو دیا جائے ، پھر علی اکبر سامنے سے بے نقاب گزریں ، اس وقت لوگوں کو ان کی خوبصورتی کا حال معلوم ہو ۔

۷۲ - نسخۂ بدایوں : ''سرکائے چہرۂ علی اکبر ۔''

۷۳ - یہ بند روح انیس سے حذف کر دیا گیا ہے ۔

۷۴ - طوبیٰ لکم : مبارک ہو تمہیں ۔ یہاں علم اور طوبیٰ میں ایہام ہے ۔

۷۵ - شیپور : بِگل ۔ نسخۂ بدایوں: ''شہپور'' ۔

۷۶ - بُوق : بگل نما باجہ ۔ شیپور ، بوق ، شہنا ، قرنا ، دُھل (ڈھول) ، طبل باجے ہیں ۔ دُھل اور دَھل میں تجنیس محرّف ہے ۔

۷۷ - کنوتی : گھوڑے کے کانوں کے سرے - خوف کے وقت گھوڑے اپنے کان کھڑے کرکے ان کی نوکوں کے رخ بدلتے ہیں -

۷۸ - نسخۂ بدایوں : ''سب جان نثار حق نمک سے ادا ہوئے -''

۷۹ - حُر بن یزید ریاحی - بریر بن خضیر ہمدانی - وہب بن سعدبن حارث و سعد بن عبداللہ حنفی - زہیر بن قین بجلی انصار امام حسین کے نام ہیں -

۸۰ - فرزندانِ جنابِ مسلم بن عقیل -

۸۱ - اساس : بنیاد - حضرت زینب کا مرتبہ آسمان بنیاد ہے -

۸۲ - روح انیس : ''وہ بجلیاں'' باقی نسخے : ''دو بجلیاں -''

۸۳ - روح انیس کے علاوہ : ''ہم نے سنا ہے یہ کہ'' -

۸۴ - روح انیس کے علاوہ ''دو نام کو ہیں'' اشارہ ہے اس حدیث مبارک کی طرف کہ ''انا و علی من نور واحد -''

۸۵ - یہ بند روح انیس میں نہیں ہے - بدایوں و لاہور اور لکھنؤ کے تمام نسخوں میں موجود ہے -

۸۶ - کہف الوریٰ : مخلوق کی پناہ گاہ - سراجِ ھدیٰ : ہدایت کی شمع - حجّتِ خدا : اللہ کی طرف سے قائم کی ہوئی دلیل ہدایت - نسخۂ بدایوں میں ترتیب بند یہ ہے : ۱ ، ۲ ، ۴ ، ۳ -

۸۷ - 'پہنچا' اور 'ہاتھ' میں ایہامِ تناسب ہے -

۸۸ - نسخۂ بدایوں : ''خیمہ گرا دو اس پہ -''

۸۹ - ایک دعا جسے دفعِ خوف اور حلِ مشکلات کے لیے پڑھتے ہیں - دعا یہ ہے :

''ناد علیا مظہر العجائب تجدہ عونا لک فی النوائب کل ھم و غم سینجلی بنبوتک یا محمد بولایتک یا علی یا علی یا علی'' -

۹۰ - نسخۂ بدایوں : ''جو کہ دس بڑھے -''

۹۱ - نسخۂ بدایوں و لکھنؤ و لاہور : ''وہ دونوں اشہبوں کی روا رو -'' متن مطابق روح انیس -

۹۲ - نسخۂ بدایوں : ''کاووں میں ۔''

۹۳ - آٹھ سہ نو : دونوں شہزادوں کے گھوڑوں کے آٹھ نعلوں کی تشبیہ ۔

۹۴ - نسخۂ بدایوں : ''آب تھے'' ، ''آفتاب تھے ۔''

۹۵ - یہ بند روح انیس میں نہیں ہے ۔ متن نسخۂ بدایوں کے مطابق ہے ۔

۹۶ - حضرت علی علیہ السلام کے والد حضرت ابوطالب کا نام ، عمران ۔
عمرانی : خاندانِ ابو طالب کا فرد ۔

۹۷ - نسخۂ بدایوں : ''باہم چلے نہ زور گیا کچھ نہ کس گیا ۔''

۹۸ - نسخۂ بدایوں : ''دو حصے ہو کے موت کے تقسیم ہو گئے ۔''

۹۹ - نسخۂ بدایوں و روح انیس کا حاشیہ ہے : ''جز گوشۂ مزار مقرّ و
مفر نہ تھا ۔''

۱۰۰ - لکھنؤ اور لاہور کے نسخے : ''زندہ جو بھاگے چین ادھر تھا ادھر
نہ تھا ۔''

۱۰۱ - جس جگہ شیر رہتا ہے وہاں سے گزرتے ہوئے جانور اس کی بو
سونگھ کر خوف زدہ ہوتے ہیں ۔ گھوڑے اور جانور بھی بھڑک
جاتے ہیں ۔

۱۰۲ - نسخۂ بدایوں : ''یکسر قدم سپاہ سے دریا کے اٹھ گئے ۔''

۱۰۳ - نسخۂ بدایوں : ''تیغِ علی ۔''

۱۰۴ - مردک : مرد کی تصغیر و تحقیر ۔

۱۰۵ - قِفا : گدی ۔ پشتِ گردن ۔

۱۰۶ - یہ بیت بند نمبر ۱۲۷ اور بند نمبر ۱۲۷ کی بیت دوسرے نسخوں
میں بند نمبر ۱۲۶ کے ساتھ ہے ۔ میں نے روح انیس کے نسخے کو
ترجیح دی ہے ۔

۱۰۷ - زیرِ نظر نسخوں میں ''جا پڑا'' ردیف ہے ، لیکن روح انیس

مطابق متن ہے ۔

۱۰۸ ۔ جلوہ ، عروس اور گھونگھٹ لفظی رعایتیں ہیں اور عجب بے تکلفی سے جمع ہیں ۔ ''گھونگھٹ کھانا'' پیٹھ دکھانا ، زک اٹھانا ، شکست کھانا ۔

۱۰۹ ۔ لٹ پٹے : ڈھیلے ڈھالے ۔ بے ترتیبی سے بندھے ہوئے عمامے ۔ نسخۂ بدایوں میں دوسرے مصرع کا آخری حصہ یوں ہے : ''فاطمہ کے ہاتھ سے بٹے ۔''

۱۱۰ ۔ نسخۂ بدایوں : ''غنچے میں وہ نہ رنگ ۔''

۱۱۱ ۔ روح انیس کے علاوہ : ''اک منجمد وہ قطرۂ نیساں ہے اور یہ سنگ'' ۔ لعل ، پتھر ہے ۔ گوہر ، قطرۂ آب نیساں ۔ ان کا بھلا عون و محمد کے لب و دنداں سے کیا مقابلہ ۔ دانتوں کی تشبیہ موتیوں سے جو نہ دی تو موتی چھد گئے ۔ ان کے کلیجے میں اس غم سے سوراخ پڑ گئے ۔ حسنِ تعلیل کی بڑی پیاری مثال ہے ۔

۱۱۲ ۔ اِرث : میراث ۔ بزرگوں سے ملی ہوئی نعمت و خصلت و دولت ۔

۱۱۳ ۔ برگستواں : پاکھر ۔ گھوڑے کی زِرہ ۔ درع : زِرہ ۔ غزال : ہرن ۔

۱۱۴ ۔ نسخۂ بدایوں : ''ہیکل کی تختیاں کہ ستارے چمکتے تھے ۔''

۱۱۵ ۔ ران باگ : گھوڑے بیٹھنے کی استادی ۔ باگ تھامنے اور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کا دستور ، شہسواری کی اصطلاح اور اس کا ایک فن ۔

۱۱۶ ۔ حلّالِ مشکلات : حضرت علیؑ کا لقب ۔

۱۱۷ ۔ لاہور و بدایوں اور لکھنؤ کے نسخے : ''بچوں کے نیمچے'' ۔

۱۱۸ ۔ تلوار کا سایہ تلوار سے بڑا نظر آنے کو کس حسین پیرایے میں لکھا ہے اور زمین پر اس کا گرنا تلوار کی چوٹ بتائی ہے اور اس

کے لوازم کا اہتمام کیا ہے۔

۱۱۹ - التیام : اس سے مراد ملنا ہے۔ اصل معنی ہیں پیوست ہونا ، زخم کا بھرنا۔

۱۲۰ - نسخۂ بدایوں میں اس بند کی بیت بند نمبر ۱۴۴ اور بند ۱۴۴ کی بیت اس بند کے ساتھ ہے۔ حضرت جعفر طیّار بن حضرتِ ابو طالب ، حضرت عون و محمد کے جدِ بزرگوار اور حضرت عبداللہ کے والد تھے۔

۱۲۱ - نسخۂ بدایوں : ''جھک جھک گئیں صفیں''۔ ہم نے روح انیس کی روایت نقل کی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ روح انیس میں ردیف ہے ''جدھر گئے'' اور نسخۂ بدایوں کی ردیف ہے ''جدھر پھرے''۔ صفیں بچھنا : فوجوں کا قتل اور صفایا ہونا۔ نیز نماز جماعت کے لیے مصلّے بچھنا۔

۱۲۲ - تازی : عرب۔

۱۲۳ - نسخۂ بدایوں میں چار مصرعوں کی ترتیب یہ ہے : ۱ ، ۴ ، ۲ ، ۳۔

۱۲۴ - زرق و شید : مکر و فریب۔ نسخۂ بدایوں : ''یہ ہے استاد زرق''۔

۱۲۵ - نسخۂ بدایوں : ''شیر کے فرزند''۔

۱۲۶ - شغال : گیدڑ۔

۱۲۷ - کنجشک : چڑیا۔

۱۲۸ - نسخۂ بدایوں : ''میں ان کی اک کنیز یہ دونوں پسر غلام''۔

۱۲۹ - نسخۂ بدایوں : ''وہ بھاگتی ہیں''۔

۱۳۰ - نسخۂ بدایوں : ''آواز دار و گیر تو گردوں پہ جاتی ہے''۔

۱۳۱ - نسخۂ بدایوں : ''الجھے ہیں گیسوؤں کو سنوارو ، اٹھو اٹھو''۔

(بند ۱۷۵ ، بیت ۳) تزک : شان و شوکت ، قانون و دستور۔ جنازوں کے تزک کا ذکر دوسرے بند میں ہے۔

(بند ۱۷۶ ، بیت ۳) حضرت عباس کی والدہ ، حضرت علی علیہ السلام کی اہلیہ معظمہ ام البنین مدینہ میں مقیم تھیں -

(بند ۱۷۷ ، بنت ۱) لاہور ، بدایوں اور لکھنؤ ایڈیشن : ''مجبور تم بھی -''

(بند ۱۸۲) یہ بند روح انیس میں نہیں ہے -

(بند ۱۸۴ ، بیت ۲) ''شاہِ فلک وقار'' سے امجد علی شاہ یا واجد علی شاہ مراد ہیں - اس لیے مرثیہ کی تصنیف ۱۸۴۲ع تا ۱۸۵۵ع کے مابین ہے -

امجد علی شاہ ۱۸۴۲ع میں تخت نشین ہوئے اور ۱۸۴۷ع میں فوت ہوئے -

واجد علی شاہ کی تاریخِ تخت نشینی ۱۸۴۷ع اور تاریخِ معزولی فروری ۱۸۵۶ع ہے -

(بند ۱۸۴ ، بیت ۳) روح انیس طبع لکھنؤ ۱۹۵۹ع میں اس مرثیے کے آٹھ بند موجود نہیں ہیں - ہم نے یہ بند نسخۂ بدایوں ، لاہور اور انٹرمیڈیٹ کورس ۱۹۴۵ع سے مقابلہ کرکے اضافہ کیے ہیں ، اس لیے مسعود حسن صاحب ادیب کے نسخے میں ۱۷۶ اور ہمارے نسخے میں ۱۸۴ بند ہیں -

مرثیہ ٦

پھولا شفق سے چرخ پہ جب لالہ زارِ صبح

۱ - ہم نے اپنے متن کو نظامی پریس بدایوں کے نسخے کی بنیاد پر مرتب کیا ہے اور تقابلی مطالعے کے لیے مراثی انیس ، جلد دوم ، طبع جدید تیج کمار پریس لکھنؤ ۱۹۵۸ع اور مراثی انیس ، جلد دوم ، طبع لاہور کو استعمال کیا ہے - مراثی انیس ، جلد پنجم ، طبع کراچی کے صفحہ ۷۱ پر اسی بحر مضارع میں اسی موضوع پر اسی خاکے پر ایک مرثیہ ہے:

سب سے جدا روش مرے باغِ سخن کی ہے

یہ دونوں مرثیے ایک تکنیک کے ہونے کے باوجود الگ الگ ہیں۔ مصرع سے مصرع بند سے بند نہیں ملتا۔ معلوم ہوتا ہے جیسے ایک دوسرے کا جوابی مرثیہ ہے۔

۲ - اخضری : ہرا رنگ ، مراد آسمان۔

۳ - لکھنؤ جدید : ''انس و جان''۔

۴ - غور : توجہ کرنا ، توجہ سے دیکھنا ، نیز گھری زمیں۔ یمن ، حجاز کے قریب ایک ملک کا نام جہاں کی زمیں پانی کی فراوانی سے سرسبز ہے۔ نیز یمن میں عقیق پیدا ہوتا ہے۔ یمن کی قربت کا مطلب یہ ہے کہ ہونٹ سرخی میں عقیق اور رخساروں پر سبزے کے آثار تھے۔

۵ - حق پژوہ : حق پناہ۔

۶ - چراغِ محفلِ شبّر : امام حسن کے فرزند جناب قاسمؑ۔

۷ - یدِ بیضا ہونا : کمال قدرت ہونا۔

۸ - کنگنا : دولھا کی کلائی کا ایک زیور جو شادی کے وقت باندھا جاتا ہے۔ عموماً کلاوے کے ڈورے میں ایک موٹا سا گولا زرد مخمل کار چوب کرکے اس کے ساتھ چاندی سونے اور لوہے کا چھلا اور مور کا پر بھی باندھتے ہیں۔

۹ - حضرت مسلم بن عقیل وکیل و سفیرِ امام حسینؑ کی شہادت کا بیان ہے کہ انھیں ابنِ سعد کے حکم سے دارالامارۃ کی چھت پر لے جا کر شہید کیا گیا اور تنِ اطہر کو نیچے گرا دیا گیا۔

۱۰ - مصدرِ رحمت : سرچشمۂ رحمت ، مراد امام حسینؑ۔

۱۱ - ہاشمی جوانوں کا غنچہ : جناب قاسم مراد ہیں۔

۱۲ - اوتاد : وَتد کی جمع ، میخیں ، مراد پہاڑ۔

۱۳ - وحش و طیر : چرند و پرند۔

۱۴ - جلد پنجم کے مرثیے میں جناب قاسم خود اجازتِ جنگ لیتے ہیں۔ ماں کی تحریک کا دخل نہیں ہوتا۔ البتہ مادرِ قاسم اور جنابِ زینب

کی گفتگو ضرور ہے - جنابِ زینب پریشان ہیں اور کہتی ہیں :

مجھ کو یہ فکر ہے کہ جو اکبر ہوئے تمام
مٹ جائے گی شبیہِ رسولِ ص فلک مقام

اسی طرح عباس نہ رہے تو ''ہجر میں مر جائیں گے امام'' اور ادھر :

روتی تھیں ساری بیبیاں سن سن کے یہ سخن
بیٹھی ہوئی تھی سوچ میں کچھ بیوۂ حسن ع
زانو سے سر اٹھا کے یہ بولی وہ خستہ تن
اک خانہ زاد بھی تو ہے باقی ابھی ، بہن !
بھائی کا اور نہ بیٹے کا غم ہو امام کو
دونوں پہ پہلے صدقہ کریں اس غلام کو

۱۵ - جایا : فرزند -

۱۶ - لکھنؤ جدید : ''منہ دیکھتے ہو گیا'' -

۱۷ - کشتۂ سم : زہر سے شہید ہونے والے ، یعنی حضرت امام حسن ع -

۱۸ - اسی نادر و حسین بات کو مرثیہ : ''سب سے جدا روش مرے باغِ سخن کی ہے'' کے بند نمبر ۵۷ میں یوں ادا کیا ہے :

مہماں ہیں کوئی دم کے نہ ہم سے حیا کرو
لو سر اٹھاؤ ، نرگسی آنکھوں کو وا کرو
دستِ حنائی مصحفِ رخ سے جدا کرو
صورت دکھاؤ ، بات برائے خدا کرو
دیکھو گی اک گھڑی میں کہ آنکھیں نہ کھولیں گے
آواز بھی جو دوگی تو پھر ہم نہ بولیں گے

۱۹ - لکھنؤ جدید : ''فرمائیں کیا کریں -''

۲۰ - لکھنؤ جدید : ''مہماں ہیں جہاں میں کوئی دم کے حق شناس -''

۲۱ - ہَل مِن مبارزِ : حریف کی للکار - یعنی کوئی ہے جو مقابلے میں آئے -

جلد پنجم کے مرثیے میں اس موقع کا بیان یوں کیا ہے:

باتیں یہ کرکے روئی جو وہ غم کی مبتلا
کبرا کی بے کسی پہ قیامت ہوئی بپا
ناگاہ آئی خیمے کے باہر سے یہ صدا
فوج آگئی قریبِ شہنشاہِ کربلا
قاسم نے کی نگاہ نہ رونے پہ ایک کے
مسند سے اٹھ کھڑے ہوئے تلوار ٹیک کے
مادر سے عرض کی کہ خدا حافظ امّاں جان
فرق آئے آبرو میں جو ٹھہریں اب ایک آن
ماں نے کہا مجھے بھی اسی بات کا ہے دھیان
واری! جری ہو، تم میں علیؑ کی ہے آن بان
دیکھو مری طرف، نہ دلھن پر نظر کرو
جاؤ چچا پہ تیغوں میں سینہ سپر کرو

یعنی ایک جگہ پر میر صاحب نے مادرِ حضرت قاسم کے جذبے کو نمایاں کیا ہے۔ دوسرے مرثیے میں جنابِ قاسم کے جذبے کو واضح رکھا ہے۔

۲۲ - لکھنؤ طبع جدید: ''غل پڑگیا۔''

۲۳ - چاروں مصرعوں میں مٹھاس کا ذکر لزوم مالایلزم ہے۔

۲۴ - سُمرن: مالا، تسبیح، کنٹھا۔

۲۵ - لکھنؤ طبع جدید: ''ناگاہ رجز پڑھنے لگے'' جو غلط ہے۔

۲۶ - دیجور: اندھیرا، تاریکی۔

۲۷ - دوسرے مرثیے میں لکھتے ہیں:

ارزق سے کہہ رہا تھا بنِ سعد مفتری
دیکھی نبیرۂ شہِ مرداں کی صفدری

اور :

تو فوج میں جواں کوئی تجویز کر شتاب
ایسا کہ جا کے دیوے اسے طعن کا جواب
جھنجھلا گیا یہ سنتے ہی وہ خانماں خراب
دیکھا بڑے پسر کی طرف کھا کے پیچ و تاب
مطلب پدر کا وہ ستم آرا سمجھ گیا
موذی اس اژدہے کا اشارا سمجھ گیا

۲۸ - لکھنؤ طبع جدید : ''تیر کا توڑا خطا شعار'' -

۲۹ - صواب : درست ، صحیح - صواب و عقاب میں تجنیسِ ناقص کا عجب پُر لطف ایہام ہے - خطا سے مراد دشمن کا سینہ ، صواب سے مراد تیرِ حضرتِ قاسم جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا - لیکن پیشِ نظر مطبوعہ نسخوں میں ''خطا کو ثواب'' درج ہے - ایک سے غلطی ہوئی اور سب نے پیروی کی -

۳۰ - ارزق کا دوسرا لڑکا -

۳۱ - یعنی آگ میں اور جہنم میں جا ، جہنم واصل ہو -

۳۲ - برادرِ عینی : حقیقی بھائی -

۳۳ - خیار : ککڑی - نول کشور : ''چنار کو'' -

۳۴ - دو ٹانک کی کمان - ٹانک : کمان جانچنے کا وزن جو ۲۴ سیر ہوتا ہے - اسے کمان کے چلّے میں لٹکا کر دیکھتے ہیں ، اگر ایک تیر بھر کمان کھنچ جائے تو ایک ٹانک اور اگر ایک تیر سے زیادہ کھنچ جائے تو دو ٹانک -

۳۵ - ذوالمنن : احسانات کرنے والے - (مِنن : منّت کی جمع - احسان) -

۳۶ - تعب : دکھ ، رنج ، زحمت ، تکان -

۳۷ - مختل : خلل پذیر ، بے ٹھکانے -

۳۸ - جھلم : فولادی جالی جسے سپاہی جنگ کے وقت لپیٹ لیتے تھے ۔

۳۹ - خیبر کا ایک یہودی بہادر جسے حضرت علیؑ نے قتل کیا تھا ۔

۴۰ - کہتے ہیں حضرت قاسم کم سنی کی وجہ سے پٹری نہ جا سکتے تھے اور رکابوں میں پیر اچھی طرح نہ جمتے تھے ۔ اگر ایک پیر جاتے تھے تو دوسرا نکل جاتا تھا ۔ دشمن نے آگے بڑھ کر اسی بات پر وار کیا ۔

۴۱ - بھگدری : حملے کی شدت سے فوج کا ڈر کے بھاگنا ۔

۴۲ - افعی : سانپ ، اژدھا ۔

ایک اور مرثیے میں اسی طرح کی متحرّک اور ہیبت ناک تشبیہ دی :

دونوں طرف جو دھوپ میں نیزے چمکتے تھے
گویا ہوا پہ آگ کے شعلے لپکتے تھے

(مراثی انیس ، ج ۵ ، ص ۸۱)

۴۳ - تہمتن : رستم ۔

۴۴ - کنی : ہیرے کی کرچ ۔ ہیرے کا ذرا سا ٹکڑا ۔

۴۵ - تیر اندازوں کی اصطلاح میں کن دے کر تیر چھوڑنا ۔

۴۶ - بدہ بگیر : صدائے یلغار ۔ مارو ، پکڑو ۔

۴۷ - فرفر اور رف رف میں صنعتِ قلب ہے ۔

۴۸ - جس سپاہی کے پاس یہ گھوڑا ہو وہ دست بدست جنگ بھی بڑی کامیابی سے لڑ سکتا ہے ۔

۴۹ - بادشہِ انمّا : اس سے حضرت علیؑ مراد ہیں کہ آپ کی شان میں سورۃ المائدہ کی ۵۵ ویں آیت نازل ہوئی ۔ دیکھیے تفسیرالصافی میں آیۃ : ''انما ولیکم اللہ و رسولہ و آمنواالذین یقیمون الصلواۃ و یؤتون الزکوۃ و ھم راکعون ۔"

۵۰ - جھول : بہت بڑا جاہل ۔

۵۱ - پورا بند مصوری کا شاہ کار ہے ۔ لفظیں ، ترکیبیں ، زور اور واقعیت کی اس سے بہتر مثال مشکل سے ملے گی ۔

۵۲ - اوجھڑ : دشمن کی ڈھال پر ڈھال مارنا ۔ ڈھال کی جھڑپ ۔

۵۳ - احسنت مرحبا : کلماتِ آفرین و تعریف ۔

۵۴ - ''پست و مست'' میں تجنیسِ ناقص ہے ۔

۵۵ - کوفی و بصری دو دبستانِ صرف و نحو ہیں ۔ حرفِ ثقیل سے مراد دو یا اس سے زیادہ حروف کی ترکیب میں کسی حرف کا حرکت و سکون وغیرہ کی وجہ سے زبان پر ناگوار ہونا ۔ عرب ایسے موقع پر کبھی اس حرف کو گرا دیتے ہیں ، کبھی دوسرے حرف سے بدل دیتے ہیں ، کبھی ساکن کر دیتے ہیں ۔ یہاں حرفِ ثقیل سے ارزق کا استعارہ ہے اور اس کے لیے ''کوفیو'' ایک رعایت ہے ۔

۵۶ - قرآن مجید کی سورۃ ن کی ۵۱ ویں آیت ہے : ''و ان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارہم لما سمعوا الذکر و یقولون انه لمجنون ۔'' کہتے ہیں کہ اس آیت کو پڑھ کر دم کرنے سے آدمی نظرِ بد کے اثر سے محفوظ رہتا ہے ۔

۵۷ - اسپند : کالا دانہ جلانا بھی نظرِ بد سے بچاتا ہے ۔

۵۸ - یمین : دایاں ہاتھ ۔ چپ : بایاں ہاتھ ۔

۵۹ - استغاثہ : فریاد کے لیے پکارنا ۔ مدد طلب کرنا ۔ استغاثے کی صدا دوسرے مرثیے میں خوب ہے :

حضرت کو دی صدا کہ چچا جان آئیے
خادم ہوا حضور پہ قربان ، آئیے
دنیا میں کوئی دم کا ہوں مہمان آئیے
سر کاٹنے کا ہوتا ہے سامان آئیے

جلدی پہنچے تیغِ دو پیکر لیے ہوئے
قاتل بڑھے ہیں ہاتھوں میں خنجر لیے ہوئے

(مراثی انیس ، جلد پنجم ، ص ۸۷)

۶۰ - دوسرے مرثیے میں کہتے ہیں :

دم توڑنے لگا جو یہ کہہ کر وہ گل عذار
طبلِ ظفر بجا صفِ اعدا میں ایک بار
دوڑے ادھر سے تیغ بکف شاہِ نام دار
گھوڑوں سے روندنے لگے لاشوں کو یاں سوار
سب ٹکڑے ٹکڑے سینۂ پُر نور ہو گیا
ٹاپوں سے آئنہ سا بدن چُور ہو گیا

(مراثی انیس ، ج ۵ ، ص ۸۷)

۶۱ - لکھنؤ طبع جدید مطابق متن - نظامی پریس بدایوں : ''لاشے کے پاؤں تھامے کوئی اور کوئی سر -''

۶۲ - کبریٰ : حضرتِ قاسم کی دلھن کا نام بتایا جاتا ہے -

۶۳ - لکھنؤ طبع جدید : 'قصور عفو ہے -''

۶۴ - مراثی انیس طبع لکھنؤ ۱۹۵۸ع : ''پرسا دو تم حسین[ع] کو بھی اور حسن[ع] کو بھی -''

مرثیہ ۷

جب رن میں سربلند علی[ع] کا علم ہوا

۱ - نول کشور ، بدایوں ، لاہور اور قلمی نسخوں میں : ''دیکھا نہ تھا علم جو کبھی اس نمود کا'' - متن مطابقِ روح انیس -

۲ - نخلِ زمردی : علم و پرچم کا استعارہ ہے - اسی مناسبت سے لال استعمال کیا ہے -

۳ - تمام زیرِ نظر نسخوں میں ہے : ''پنجے پہ جان دیتی تھیں -'' روح انیس : ''پرچم پہ -''

۴ - روح انیس کے علاوہ : ''پنجے پہ جلوہ گر۔''

۵ - اعمیٰ : اندھا ۔

۶ - نول کشور ، بدایوں ، لاہور اور قلمی نسخوں میں ہے : ''شیر سی نظر۔'' روح انیس : ''شیر کی نظر۔''

۷ - ہفتہ دوست : چند روزہ دوست ، بے وفا ۔ نیز ہفتہ دوست سے بطور ایہام یہودی مراد ہے ۔ شش جہت ، ہفتہ دوست اور آٹھوں بہشت کے استعمال سے حسنِ ''تنسیق الاعداد'' پیدا ہوا ہے ۔

۸ - حُسین اور حَسین میں تجنیسِ محرّف ہے ۔

۹ - روح انیس کے علاوہ نسخوں میں : ''صبح جبیں ہے اور شب گیسو ہے بے مثال ۔''

۱۰ - خطا ، خُتن ، چین ، زلف و مشک و حسن کے علاقے ۔ دونوں بند ، مراعاۃ النظیر لف و نشر ، استعارہ و تشبیہ سے مرصّع ہے ۔

۱۱ - لڑی : پھولوں میں گندھی ہوئی ڈوری ۔ آنکھیں لڑی ہوئی : مقابل میں رکی ہوئی ۔ ''لڑی'' کی تکرار سے تجنیسِ تام کی صنعت پیدا ہوئی ہے ۔

۱۲ - شرف : بلندی ، بزرگی ، برتری ، خوبی ۔ نیز آفتاب یا دوسرے سیاروں کا اپنے اصلی برج میں آنا ۔ روز شرفِ آفتاب ، نو روز ، یا بہار کی ابتدا ہے ۔

۱۳ - غزال رشک : اضافتِ مقلوب ، رشکِ غزال ۔ یعنی ہرن کے لیے باعثِ رشک آنکھیں ۔

۱۴ - نول کشور پریس ، ۱۹۵۸ع : ''جنگ میں لڑنے کے ولولے ۔''

۱۵ - روح انیس کے حاشیے پر ہے : ''پلک کسی کی'' ۔ پلک جھپکنا ، آنکھیں نکالنا ، بڑھنا ، ہٹنا ، پاؤں ، سر مناسبات لفظی و معنوی ، مراعات نظیر و تضاد و تطابق سے سجا ہوا شعر ہے ۔

۱۶ - قرآن مجید کی آیت ہے : ''وانزلنا الحدید فیہ باس شدید و منافع للناس و لیعلم اللہ من ینصرہ و رسلہ بالغیب ان اللہ قوی عزیز ۔'' (سورۃ الحدید ، آیت ۲۵) اس آیت کی تفسیر یوں بھی کی گئی ہے کہ خدا نے تلوار نازل کی جس میں قوت و شدت بھی ہے اور لوگوں کے لیے منافع بھی ہیں ۔ اس تلوار سے مراد ذوالفقار ہے جو حضرت علیؑ کو مرحمت ہوئی تھی

۱۷ - رجز : وہ شعر جو عرب جنگجو حریف کے مقابلے میں فخریہ طور پر پڑھتے تھے ۔

۱۸ - بدایوں اور لاہور کے نسخوں میں ہے ''کاندھے پہ چوم کے'' ۔ روح انیس اور نول کشوری ایڈیشن : ''کاندھے پہ جھوم کے ۔''

۱۹ - اذن : حکم ، اجازت ۔

۲۰ - نول کشور کے نسخے میں ہے : ''باندھے ہیں سرکشی پہ کمر'' ۔

۲۱ - حبیب ابن مظاہر اسدی ، کوفہ کے سردار اور حضرت امام حسینؑ کے بچپنے کے دوست تھے جو معرکۂ کربلا میں شہید ہوئے ۔

زہر ابن قین : کوفے کے باشندے جو کربلا کے معرکے میں شہید ہوئے ۔

۲۲ - امام حسنؑ کو زہر خورانی کی وجہ سے ایسا استفراغ ہوا کہ کلیجے کے ٹکڑے نکل آئے اور شہادت واقع ہو گئی ۔

۲۳ - عقیل کے پوتوں سے مراد حضرت عبداللہ بن مسلم ، حضرت محمد بن مسلم ہیں ۔

۲۴ - نول کشور ، بدایوں، قلمی اور لاہور کے نسخوں میں ''عزت عرب کی کر گئے ۔'' روح انیس : ''عزت عرب کی رکھ گئے'' ۔ جعفر کے یادگار : محمد بن عبداللہ بن جعفر اور عون بن عبداللہ بن جعفر مراد ہیں ۔

۲۵ - حضرت عباس علم دار کے بھائی حضرت عبداللہ ، عثمان اور جعفر تھے ۔

۲۶ - نول کشوری نسخہ : ''گوشے کے پاس تھے -''

۲۷ - بحل کرنا : معاف کرنا ، بخشنا -

۲۸ - سوت نے حسن[۴] کا گھر لوٹا : یعنے حضرت قاسم بن حسن[۴] اور ان کے بھائی شہید ہوئے -

۲۹ - حضرت قاسم مراد ہیں -

۳۰ - قلمی ، بدایوں اور نول کشور : ''جینے کا کیا مزا'' - روح انیس : ''لطف کیا -''

۳۱ - قلمی ، بدایوں اور نول کشور : ''ملتا ہے ان کی بات میں ہردم نیا مزا'' - روح انیس : ''ملتا ہے بات بات میں ہردم نیا مزہ -''

۳۲ - یہ بند روحِ انیس میں نہیں ہے - باقی زیرِ نظر نسخوں میں موجود ہے -

۳۳ - نول کشور و بدایوں : ''فرقت میں ہم جییں کہ مریں ، خیر ، جائیے'' - روح انیس متن کے مطابق ہے -

۳۴ - نول کشور : ''لوٹے گا اس زمیں پہ ورق'' - روح انیس : ''الٹے گا اس زمیں کا ورق'' - لاہور : ''الٹے گا اب زمیں کا ورق-''

۳۵ - نامرد ، منہ چھپانا ، ڈھال کے گھونگھٹ میں ، رعایت لفظی ہے - اس کے علاوہ معنوی لحاظ سے خوف کی حالت میں منہ پر ڈھال لینے کو گھونگھٹ سے منہ چھپانے کی تشبیہ دی گئی ہے جس نے دشمن کو نامرد یعنی عورت بنا دیا ہے -

۳۶ - عمر ابنِ سعد : فوجِ شام کا سپہ سالارِ اعظم -

۳۷ - نول کشور : ''اس فوج میں ہے گو یہ تزلزل -''

۳۸ - بازو : بھائی کے لیے استعارہ ہے -

۳۹ - نول کشور : ''کب ایسے تفرقے ہوئے'' - نظامی ، بدایوں اور لاہور : ''سو ایسے تفرقے ہوئے'' - روح انیس : ''کیا کیا نہ تفرقے ہوئے -''

۴۰ - نول کشور، بدایوں اور لاہور: ''قاسم کو دیکھو جانبِ اکبر۔'' روح انیس: ''قاسم کو دیکھو جانبِ کبریٰ'' اور یہی صحیح ہے کیوں کہ انیس نے یہ قصہ لکھا ہے کہ حضرت قاسم کی شادی حضرت کبریٰ بنت امام حسین[ع] کے ساتھ ہوئی تھی۔

۴۱ - حضرت عباس کی رخصت پر خیمے کے ماحول اور امام حسین[ع] کے تاثرات کی کس قدر برجستہ اور دل دوز تصویر کشی کی ہے۔

۴۲ - روح انیس: ''اے انتخابِ عالمیاں'' - باقی نسخوں میں: ''اے آفتابِ عالمیاں'' ہے۔

۴۳ - ہل من مبارز'' حریف کی للکار - یعنی ہے کوئی مقابلے میں آنے والا؟ ہم سامنے کھڑے ہیں، مقابلے میں آؤ۔

۴۴ - انام: عام انسان۔

۴۵ - شبّر: امام حسن[ع]۔

۴۶ - شاہِ لافتا: حضرت علی[ع] جن کی تعریف میں کہا گیا ہے: ''لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار'' یعنی علی کے سوا کوئی جوان نہیں اور ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار نہیں۔

۴۷ - یعنی میں نے آپ کی گود میں پرورش پائی، آپ نے محبت فرمائی، آپ نے فنونِ جنگ کی تعلیم دی، آپ نے ہم چشموں میں اعزاز بخشا۔ اب پھر کرم کیجیے اور شہادت کا شرف حاصل کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیے۔

۴۸ - پاتراب: اگر کسی بری ساعت یا منحوس دن سفر کرنا پڑے تو سفر سے پہلے سامانِ سفر دوسری جگہ بھیج دیتے ہیں۔ اس کام کو پاتراب کہتے ہیں۔ مراد ہے سفر کی پہل، سفر کی تیاری۔

۴۹ - جنابِ سکینہ نے سوکھی ہوئی مشک دی کہ پانی لا دیجیے۔

۵۰ - پاکھر: گھوڑے کی وہ فولادی پوشش جس سے گھوڑے کا جسم

محفوظ رہتا ہے -
زرہ : مطلب یہ ہے کہ تنومند گھوڑے پر بھاری عمدہ پا کھر جیسے رستم (تہمتن) زرہ پہنے کھڑا ہو -

۵۱ - نسخۂ نول کشور و لکھنؤ : ''قدرت میں سارے طور خدا کے ولی -'' نسخہ بدایوں و لاہور : ''صورت میں سارے طور'' - روح انیس : ''تیور میں سارے طور -''

۵۲ - یہ بند اور اس کے بعد ایک بند روح انیس میں نہیں ہے - ہم نسخۂ بدایوں و لاہور و لکھنؤ سے نقل کر رہے ہیں -

۵۳ - یہ بند صرف روح انیس میں نہیں ہے -

۵۴ - بیرالعلم : ایک کنویں کا نام - کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اس کنویں میں اتر کر جنوں سے جہاد کیا تھا اور جن شکست کھا کر مسلمان ہو گئے تھے- تاریخ مدینہ ''عمدۃالاخبار'' طبع قاہرہ صفحہ ۳۷۴ میں مدینہ کے ایک مقام کا نام ''العلم'' لکھا ہے - یہاں ایک پہاڑ ، چشمہ ، کھیت اور نخلستان ہے - ممکن ہے کہ جنگ یہاں ہوئی ہو - اس لیے مولانا علی حیدر نظم طباطبائی کے تصحیح کردہ نسخۂ مراثی انیس طبع بدایوں میں ''بیرالالم'' الف کے ساتھ بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے -

۵۵ - بند نمبر ۹۷ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ''سب روئے ، مشک دوشِ مبارک پہ جب دھری''- جناب سکینہ کے لیے پانی لانے کی خاطر مشک لائے تھے ، اس لیے حضرت عباس کو ''سقائے سکینہ'' یا ''سقائے اہل بیت'' کہتے ہیں - سقا کے معنی ہیں بہشتی - روح انیس کے علاوہ نسخوں میں ''سقے بنے ہیں'' لکھا ہے -

۵۶ - طوبیٰ : جنت کا ایک درخت - یہاں علم سے استعارہ ہے اور سقائی کی مناسبت سے کوثر ملنے کا پہلو نکالا ہے -

۵۷ - گھوڑے کا اڑنا اور فوج کے لیے پروں کا بے ساختہ استعمال کس قدر حسین ہے -

۵۸ - کاٹھی : تلوار کا میان -

۵۹ - رفرف : وہ سواری جو شبِ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے براق کے بعد استعمال فرمائی ۔ کہتے ہیں کہ زمین سے سدرۃ المنتہیٰ تک آپ براق پر گئے اور سدرۃ المنتہیٰ سے مقامِ قاب قوسین تک رفرف پر سفر کیا ۔

۶۰ - دُلدل : رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ایک مرکب جو اپ نے حضرت علیؑ کو عطا فرمایا تھا ۔

۶۱ - نسخۂ بدایوں و لکھنؤ و قلمی : ''منہ پھر گئے سپاہ کے ۔''

۶۲ - حاشیۂ روح انیس : ''زندہ رہے ہزار میں دس ۔''

۶۳ - حاشیۂ روح انیس : ''ان کا نہ ایک وار ۔'' نسخۂ بدایوں : ''ان کی نہ ایک چوٹ ۔''
اس بند میں انیس نے تنسیق الاعداد کی صنعت کس خوبصورتی سے استعمال کی ہے ۔

۶۴ - کَل : مشین ۔

۶۵ - مصاف : میدانِ جنگ ، صفوں کی جگہ ۔

۶۶ - آری تھیں : یعنی تلوار کے تلواروں پر گرنے سے تمام تیغیں آری کی طرح دندانہ دار ہوگئی تھیں ۔ اس تلوار کے لوہے اور اس کی باڑھ سے دشمنوں کی تلواریں اور ان کی باڑھیں کر ہوگئی تھیں ۔

۶۷ - خود : لوہے کی ٹوپی ۔ تلوار کی چوٹ سے خودوں کا گرنا اور اس کا سر پٹکنے سے استعارہ کیا خوب ہے ۔

۶۸ - بند نمبر ۱۲۱ تا ۱۲۸ صرف روح انیس میں ہیں ۔ نول کشور ، بدایوں ، لاہور اور قلمی نسخہ ان بندوں سے خالی ہے ۔

۶۹ - جان کی خیر ہو : خدا جان بچائے ۔ 'پریوں' کی مناسبت سے 'جان' میں ایہامِ تناسب ہے ۔

۷۰ - ڈونگڑے : زور کی بارش ۔ پانی کا بڑے زور سے گرنا یا بہنا ۔

۷۱ - دِیت : قاتل پر واجب الادا رقم - خوں بہا -

۷۲ - یہ بند نول کشور و بدایوں وغیرہ کے مطبوعہ نسخوں میں ہے اور اس کی صورت ذرا اختلاف کے ساتھ یہ ہے :

نیزے نہ تھے سناں پہ ، نہ پرچم نشان پر
پیکاں نہ تیر پر تھے ، نہ چلّے کماں پر

حاشیۂ روح انیس : ''بوڑی نہ تھی سنان'' اور ''نیزے پہ نہ سنان تھی -''

۷۳ - بے پناہ تھے : یعنی دشمن بے آسرا تھے ، کوئی پناہ دینے والا نہ تھا - نیز حضرت کے حملے بے پناہ تھے ، غضب کے تھے - نیز دشمن بے پناہ و بے اندازہ تھے -

۷۴ - یسار : بایاں ہاتھ - یمین : دایاں ہاتھ -

۷۵ - نول کشور و بدایوں و لاہور : ''جنگ شیرِ سلیمانِ کربلا'' - حاشیۂ روح انیس : ''حرب شیر سلیمان -''

۷۶ - مورچہ : چیونٹی - نیز فوج کے بچاؤ اور حملے کے لیے ٹیلے یا دیواریں - چیونٹی ، مورچہ اور سلیمان میں ایہام مراعات ہے -

۷۷ - لکھنؤ ، بدایوں ، لاہور کے نسخے : ''کہاں ہے وہ -''

۷۸ - لکھنؤ ، بدایوں ، لاہور : ''کہاں لڑکے آئے ہیں -''

۷۹ - یہاں سے روح انیس اور متداول نسخوں کی ترتیب میں معمولی سا فرق ہے -

۸۰ - حضرت فاطمہ زہرا[ع] کی طرف اشارہ ہے -

۸۱ - یہ بیت ذرا سی تبدیلی یعنی ''بھائی'' کی جگہ ''بیٹے'' لکھنے کے بعد اس مرثیے میں بھی ہے جس کا مطلع ہے : ''کیا غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے -''

* روح انیس : ۱۶۶ بند -

* مراثی انیس جلد دوم : ۱۶۲ بند -
* قلمی مرثیہ ، منتخب از سید حامد ۲۰ اپریل ۱۹۳۴ع میں ۱۴۱ بند -

مرثیہ ۸

جب غازیانِ فوجِ خدا نام کر گئے

۱ - قلمی نسخۂ معاصر اور نول کشور و بدایوں و لاہور کے مطبوعہ مرثیے میں "جب غازیان" ہے لیکن قلمی نسخے کے حاشیے پر مصرع بدل "جب سالکان راہ خدا" بھی درج ہے اور روح انیس میں "کیا غازیان" - میں نے قلمی نسخے پر زیادہ اعتماد کیا ہے -

۲ - لاہور : "سلک ان کو -"

۳ - لکھنؤ طبع اول : "فاقوں میں تیغیں -"

۴ - لاہور : "جسم سے سینے -"

۵ - شیدائے آل : آلِ رسول سے محبت کرنے والا -

۶ - قلمی : "شجاع و خجستہ کام -"

۷ - نسخۂ قلمی و بدایوں اور نول کشور ۱۸۷۶ع : "سینوں پہ کیا جھوم جھوم کے -" لکھنؤ طبع ۱۹۵۸ع و لاہور : "جسموں پہ کیا جھوم جھوم کے -" روح انیس : "جسم پہ کیا جھوم جھوم کے -"

۸ - قلمی نسخہ : "تربت کے سب چراغ" - چراغِ تربتِ عقیل سے ان کے فرزند اور پوتے مراد ہیں -

۹ - روح انیس : "جس پر گریں یہ کوہِ مصیبت -"

۱۰ - لکھنؤ ۱۹۵۸ع و لاہور : "پردے میں قہر ہے -" قلمی ، نول کشور ۱۸۷۶ع ، روح انیس و بدایوں مطابق متن -

۱۱ - بند نمبر ۱۱ ، ۱۲ قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۱۲ - نسخۂ بدایوں : "ہے ہے میں لٹ گئی ، مرے بچے ہوئے تباہ -"

۱۳ - بند نمبر ۱۴ ، ۱۵ قلمی مرثیے میں نہیں ہیں -

۱۴ - "بازوے لختِ دلِ امیر" سے مراد حضرت عباس ہیں -

۱۵ - روح انیس : "برچھی یہ ہے جو -"

۱۶ - حسام : تلوار -

۱۷ - قلمی مرثیہ : "ہے یہ کلام سننے کی -" اس بند کے بعد بند نمبر ۱۹ ، ۲۰ روح انیس میں نہیں ہیں - میں اسے اپنے قلمی مرثیے کی ترتیب سے نقل کر رہا ہوں - لکھنؤ اور لاہور کے مطبوعہ مرثیے میں بند ۲۰ پہلے ہے -

۱۸ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۱۹ - لاہوری ایڈیشن میں "بد دعا کریں" "کیا کریں -"

۲۰ - قلمی مرثیہ : "دیکھو ہمیں کہ بھائی کے ماتم میں روتے ہیں -"

۲۱ - بند نمبر ۲۷ ، ۲۸ قلمی مرثیے میں نہیں ہیں -

۲۲ - قلمی مرثیے میں اس بیت کے بجائے بند نمبر ۳۲ کی بیت مکرر درج ہے -

۲۳ - یہ بند قلمی مرثیے میں موجود نہیں -

۲۴ - قلمی مرثیے میں یہ بیت دو مرتبہ لکھی ہوئی ہے - پہلے بند ۳۰ کے ساتھ ، پھر اس بند کے ساتھ - نیز یہ بند حاشیے پر ہے -

۲۵ - قلمی مرثیہ : "خوشامد ہے کیا ضرور -"

۲۶ - بند نمبر ۳۴ ، ۳۵ ، ۳۶ ، ۳۷ قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۲۷ - لف و نشر غیر مرتب ہے - پھوپھی کا گلے میں باہیں ڈالنا طوق ہے اور ماں کا قدموں پر گرنا زنجیر ہے -

۲۸ - قلمی مرثیے میں پہلے لکھا تھا : "اور تھرتھرا کے بیٹھ گئے" پھر اسے قلم زد کرکے "کانپا یہ دل" لکھا ہے -

۲۹ - قلمی مرثیہ : "ڈیوڑھی میں آیا" پھر "نیک نام" کو کاٹ کر میر انیس نے "تشنہ کام" لکھا ہے اور دوسرے مصرع میں "تشنہ کام"

کو قلم زد کرکے ''نیک نام'' بنایا ہے۔ متن روح انیس و طبع اول لکھنؤ کے مطابق ہے۔

۳۰ قلمی مرثیے کی ترتیب یہ ہے: مصرع ۱، ۳، ۴، ۲۔

۳۱ - قلمی مرثیہ ''گھٹتا ہے اب لہو مرا۔''

۳۲ - قلمی مرثیہ: ''اس وقت تم سے دردِ دل۔''

۳۳ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے۔

۳۴ - نول کشور طبع اول: ''پیری ہے دل ضعیف ہے۔''

۳۵ - بند نمبر ۴۴، ۴۵ بھی قلمی نسخے میں نہیں ہیں۔

۳۶ - وارث سے مراد شوہر، یعنی امام حسینؑ۔

۳۷ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے۔

۳۸ - مطبوعہ مراثی میں ''گھبرائی گو کہ ہوں'' لیکن روح انیس میں ہے: ''کسرائی گو کہ ہوں'' کسرائی بمعنی کسروی، حضرت شہر بانو کسریٰ یزدجرد کی بیٹی تھیں۔

۳۹ - قلمی نسخہ:

رخصت نہ دوں تمھیں یہ بھلا ہے مری مجال
صدقہ انھی کا تھا جو ملا تم سا نونہال

۴۰ - لاہور، لکھنؤ ۱۹۵۸ء: ''رخصت کے صدمے جاؤں۔''

۴۱ - لکھنؤ طبع ۱۹۵۸ء اور قلمی مرثیہ: ''یہی ہے کلام۔'' باقی مطبوعہ نسخے: ''یہی ہیں۔''

۴۲ - قلمی: مرثیہ ''بھلا دی سب۔''

۴۳ - نسخہ بدایوں: ''درد مصیبت وہ رنج و غم۔'' دوسرا مصرع: ''کیا کام ہم سے اب۔''

۴۴ - یعنی جنت البقیع مدینہ منورہ میں حضرت فاطمہؑ زہراؑ کی زیارتِ مزار کے لیے جاتی تھی تو علی اکبر میرے ساتھ ہوتے تھے۔

۴۵ - نسخۂ قلمی: ''جو کچھ تھی میں تھی، ماں کو تو پہچانتے نہ تھے''

۴۶ - عقیل حضرتِ علیؑ کے بھائی کا نام تھا - یہاں مراد ہے عقل‌مند و زیرک و دانا -

۴۷ - بند نمبر ۵۶ اور ۵۸ قلمی مرثیے میں نہیں ہیں -

۴۸ - حمائل : چھوٹی تقطیع کا قرآن جو گلے میں بھی ڈالتے ہیں اور پہلو میں بھی لٹکا لیا جاتا ہے - پہلو سے لگی ہوئی ہر وقت لٹکنے والی چیز جیسے تلوار - یہاں یہ مراد ہے کہ علی اکبر میرے گلے کا ہار تھے - صورت ، تلاوت ، نظر ، قرآن ، رحل ، حائل سب متناسب الفاظ ہیں -

۴۹ - نسخۂ بدایوں : ''ثابت ہوا ادھر ہی ادھر مرنے جائیں گے -''

۵۰ - قلمی مرثیہ : ''ماں سے ہیں ہم کلام'' لکھنؤ و لاہور : ''یا ابھی ہیں ماں سے کچھ کلام -''

۵۱ - قلمی مرثیہ : ''پکارا وہ لالہ فام -''

۵۲ - قلمی مرثیہ : ''کس جرم پر جناب خفا ہیں غلام سے -''

۵۳ - بند نمبر ۶۰ ، ۶۱ قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۵۴ - آفتاب نے مہر کی : جناب کے آفتابِ اقبال نے توجہ کی - مہر کے معنی بھی سورج کے ہیں -

۵۵ - قلمی مرثیہ اور نول کشور طبع اول : ''بندے ہیں ، ہے -'' نسخۂ بدایوں : ''بندے ہیں ہم اطاعتِ مالک سے ہم کو کام -'' روح انیس مطابق متن ہے -

۵۶ - قلمی مرثیہ : ''تکرار کی جگہ'' مطبوعہ : ''تکرار کی مجال -''

۵۷ - قلمی مرثیہ : ''امڈا جو دل تو چشم کے ساغر -'' طبع لکھنؤ ۱۸۷۶ع اور زیرِ نظر مطبوعہ مراثی : ''امڈا یہ دل کہ چشم -''

۵۸ - قلمی مرثیہ : ''باتیں ہیں یہ تو -''

۵۹ - قلمی ، لکھنؤ قدیم : ''بانو کو روتے دیکھ -'' لکھنؤ جدید ، لاہور بدایوں ، روح انیس : ''کبریٰ کو روتے دیکھ -''

۶۰ - قلمی مرثیہ ، روح انیس : ''رخصت کی تھی طلب -'' لکھنؤ قدیم و جدید اور لاہور : ''رخصت کی ہے طلب -''

۶۱ - قلمی مرثیے میں بند نمبر ۶۸ ، ۶۹ نہیں ہے -

۶۲ - قلمی مرثیہ : ''انیسواں برس -''

۶۳ - بدایوں ، لکھنؤ ، لاہور : ''پالا ہے ننھے پن سے -'' روح انیس مطابقِ متن ہے -

۶۴ - قلمی مرثیہ : ''جانے دو بس یہ ذکر کہ ہے کانپتا جگر -'' نول کشور ، قدیم : ''جانے دو بس یہ ذکر کہ پھٹتا ہے اب جگر -'' روح انیس و لاہور و لکھنؤ جدید متن کے مطابق ہیں -

۶۵ - قلمی مرثیہ : ''وکیا سمجھیں وہ جو دی اسے رخصت :'' مطبوعہ نسخے متن کے مطابق ہیں -

۶۶ - یہ بند اور بند نمبر ۶۷ قلمی مرثیے کے حاشیے پر ہے -

۶۷ - قلمی مرثیہ : ''کیا پوچھتے ہو -''

۶۸ - قلمی مرثیہ : ''ماں کی نہ کم توجہی یاں -''

۶۹ - قلمی مرثیہ : ''پھر اس کی یہ جان ہیں -''

۷۰ - قلمی مرثیہ : ''آئی قریبِ زینبِ بے کس وہ نیک نام -''

۷۱ - قلمی مرثیے میں پہلے یہ مصرع لکھا تھا : ''حقِ اطاعت آپ کا اس نے ادا کیا -'' پھر اسے قلم زد کر کے مصرع بدل دیا ہے جیسا کہ متن میں ہے -

۷۲ - لکھنؤ ۱۸۷۶ع : ''صاحب کو :'' باقی نسخے : ''حضرت کو'' قلمی نسخے میں بند نمبر ۷۴ تا ۷۹ نہیں ہے -

۷۳ - لکھنؤ ۱۸۷۶ع ، نیز جدید و لاہور : ''اصغر کو لیجیے -'' روح انیس : ''اصغر کو بھیجیے -''

۷۴ - روح انیس : ''ہر طرح سے میں تابع -'' متن مطابق طبع اول و نول کشور -

۷۵ - قلمی مرثیے میں اور طبع اول میں بہت اہم اختلافات ہیں یعنی قلمی

مرثیے میں تین مصرع یوں لکھے ہیں :

سن کر صدا یہ کانپ گئی بنتِ مرتضا
اور دل کو اپنے تھام کے وہ غم کی مبتلا
اکبر سے بولی ، اے مرے فرزندِ مہ لقا

۷۶ - مرثیہ طبع لکھنؤ ، ۱۸۷۶ء میں حاشیے پر نسخۂ بدل میں ایک مصرع ہے جو یہاں سے مرثیے کو نیا مطلع دے کر جدا بھی کرتا ہے ۔ مصرع ہے :

میداں کو جب حسین کا لختِ جگر چلا

نسخۂ بدایوں کے حاشیے پر نسخۂ بدل ہے :

میداں کو جب حسین کا نورِ نظر چلا

۷۷ - قلمی مرثیے میں یہ بیت نہیں ہے ۔ اس کی جگہ بند نمبر ۸۲ کی بیت ہے ۔ یہ بیت اور بند نمبر ۸۴ کے پہلے چار مصرع نہیں ہیں ۔

۷۸ - نسخۂ بدایوں کا حاشیہ : "بیرن ترے نثار ۔"

۷۹ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے ۔

۸۰ - قلمی مرثیے میں پہلے لکھا تھا : "حضرت تو اس طرف کو گرے ۔" اسے کاٹ کر لکھا ہے : "حضرت تو یاں زمیں پہ گرے ۔"

۸۱ - قلمی نسخے میں اس بیت کے بجائے بند نمبر ۸۸ کی بیت ہے اور یہ بیت ، نیز بند ۸۸ کے پہلے چار مصرعے موجود نہیں ہیں ۔

۸۲ - بند نمبر ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۲ قلمی مرثیے میں نہیں ہیں ۔

۸۳ - روح انیس : "عرش سے ہم دست ۔"

۸۴ - بدایوں و لاہور اور لکھنؤ ۱۹۵۸ء : "جلوے سے اوج ۔"

۸۵ - قلمی مرثیہ :

وہ شان وہ شکوہ ، وہ چہرے کی آب و تاب

یہ بند قلمی مرثیے میں بخطِ انیس ہے -

۸٦ - قلمی مرثیہ : "نقطے بھی انتخاب -"

۸۷ - قلمی مرثیے میں پہلے یہ مصرع یوں لکھا ہے :

پتلی کے نور سے بھی سیاہی تھی بہرہ یاب

اسے کاٹ کر پہلو میں مندرجۂ متن مصرع لکھا ہے -

۸۸ - قلمی مرثیہ : "گردن میں سارے طور -"

۸۹ - قلمی مرثیے میں بند نمبر ۹۴ ، ۹۵ نہیں ہے -

۹۰ - نسخۂ بدایوں :

یوسف جو دیکھ لے تو کہے روحنا فداک

۹۱ - قلمی مرثیہ : "جھڑتے ہیں گل شگفتہ بیانی -"

۹۲ - قلمی مرثیے میں "اک طرف" قلم زد کر کے "تو ہے" لکھا ہے -

۹۳ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۹۴ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۹۵ - قلمی مرثیہ : "ناگاہ فوج سے یہ عمر -"

۹٦ - چراغ ٹھنڈا کرنا : چراغ بجھانا -

۹۷ - قلمی مرثیے میں بند نمبر ۱۰۰ تا ۱۰۳ نہیں ہیں -

۹۸ - جوشن : ایک قسم کی زرہ - بازو پر باندھنے کا ایک قیمتی زیور - نیز دو دعاؤں کے نام جو بلا سے حفاظت کے لیے پڑھی جاتی ہیں اور بازو پر باندھی جاتی ہیں - ایک کا نام جوشنِ صغیر اور دوسری کا نام جوشن کبیر ہے -

برنا : جوان

۹۹ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۱۰۰ - قلمی مرثیے میں تیسرا مصرع چوتھا اور چوتھا مصرع تیسرا ہے -

۱۰۱ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۱۰۲ - جُنود: جند کی جمع ، لشکر۔ سقر ورود: جہنمی ، جہنم میں جانے والا۔

۱۰۳ - قلمی مرثیہ :

جرار کی زرہ پہ گئے جب کئی خدنگ

اور مرثیۂ انیس طبع اول کے دوسرے مصرع میں ''شعلہ زن'' غلط چھپا ہے -

۱۰۴ - قلمی مرثیے میں بند نمبر ۱۱۰ کی بیت یہاں درج ہے اور یہ بیت اور اگلے بند کے چار مصرع نہیں ہیں -

۱۰۵ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۱۰۶ - قلمی مرثیہ : ''قدم بڑھیں -'' لکھنؤ طبع اول ، طبع جدید و لاہور و بدایوں : ''قدم تھمیں'' روح انیس : ''قدم تھکیں -''

۱۰۷ - قلمی مرثیہ : ''زرہ گاو سر -''

۱۰۸ - روح انیس : ''اس سب کے'' - قلمی اور دوسرے مرثیے: ''ان سب -''

۱۰۹ - قلمی مرثیہ اور نول کشور طبع اول مطابقِ متن ہے مگر روح انیس میں یوں ہے :

شعلے میں یہ چمک تھی ، نہ بجلی میں یہ چمک

۱۱۰ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۱۱۱ - جمدھر : خنجر کی ایک قسم -

۱۱۲ - قلمی مرثیہ : ''زخموں کے در تھے'' - زخم کا کوچہ یا در: زخم کا منہ -

۱۱۳ - قلمی مرثیہ اور نول کشور و لاہور میں ''دوآبہ''۔ صرف روح انیس میں ''دو زبانی'' ۔ نیز ''دو دم کا گھاٹ ۔''

۱۱۴ - قلمی مرثیہ : ''جس کا کاٹ ۔''

۱۱۵ - مغزِ قلم : کلک کے عمدہ و پختہ قلم کے درمیان سے خشک ریشے نکلتے ہیں - پرانے زمانے میں طالب علم اسے کھا لیا کرتے تھے -

۱۱۶ - قلمی مرثیہ :

تن سے اڑا دیا وہیں جس سر کو پا گئی

۱۱۷ - قلمی مرثیہ :

اک اک کڑی کو نرم سمجھ کر چبا گئی

۱۱۸ - روح انیس :

چار آئنے کا کاٹ بھی اس پر حوالے تھا

متن مطابق قلمی و طبع اول ۔

۱۱۹ - بند ۱۲۲ ، ۱۲۳ قلمی مرثیے میں نہیں ہے ۔ روئیں تن : فولادی بدن ، مضبوط جسم ۔

۱۲۰ - گیو : پہلوان - 'شاہ نامہ' کے ایک داستانی پہلوان کا نام -

۱۲۱ - قلمی مرثیہ :

بیڑی قدم کے ہو گئے حلقے رکاب کے

۱۲۲ - حضرت علی اکبرؑ کی پہلی ہی چوٹ میں حریف جہنم رسید ہوتے تھے -

۱۲۳ - قلمی مرثیہ : ''شانے بنے قلم ۔''

۱۲۴ - عربدہ جُو : سرکش ، لڑاکو ، لڑنے والے ، فسادی ۔

۱۲۵ - بدایوں و نول کشور طبع اول و جدید : ''سروں کے ۔''

۱۲۶ - قلمی مرثیہ : ''لکڑی سمجھ کے تیر ۔''

۱۲۷ - قلمی مرثیہ: ''ترکش خطا شعاروں کے آفت رسیدہ تھے۔''

۱۲۸ یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے۔

۱۲۹ - قلمی مرثیہ: ''پڑھتے تھے جو پروں سے۔''

۱۳۰ - قلمی مرثیہ: ''حملے کیے'' - مطبوعہ مراثی: ''حملہ کیا جو تیغ دو دم۔''

۱۳۱ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے۔

۱۳۲ - بدایوں و لکھنؤ اور لاہور کے نسخے: ''پھر پھر کے ہر طرف۔'' روح انیس میں ''ہر پھر کے۔''

۱۳۳ - روح انیس: ''پھینکا ہوا نے پانی میں۔'' متن مطابقِ طبع اول۔

۱۳۴ - گنڈا: گھوڑے کی گردن کا خم۔ مطبوعہ و قلمی نسخے: ''گنڈے کو۔'' روح انیس: ''کنڈے کو۔''

۱۳۵ - کنوتی: گھوڑے کے سیدھے کھڑے کان۔ انیس نے کیا پیاری تشبیہ دی ہے:

سوفار دو چڑھے ہوئے ہیں ایک تیر پر

گردن کی سیدھ تیر ہے، دونوں کنوتیاں دو سوفار۔ قلمی مرثیے میں ہے:

سوفار دو جڑے ہوئے تھے ایک تیر پر

۱۳۶ - کوتاہ کنوتی، گردِ کمر (گول کمر)۔ صاف کفل (پٹھا)

۱۳۷ - قلمی مرثیہ:

مڑتا تھا اس طرح کہ مڑے جس طرح سے کل

۱۳۸ - لکھنؤ ۱۹۵۸ع: ''پرِ طاؤس پائمال۔''

۱۳۹ - قلمی مرثیہ:

سبزہ سبک روی میں سموں کے تلے نہال

مطلب یہ ہے کہ گھوڑے کی سبک روی اور قدم کی آہستگی کا یہ عالم تھا کہ سبزے سے گزرے تو ہری گھاس کچلنے نہ پائے۔

١٤٠ - قلمی مرثیے میں یہ بیت بند نمبر ۱۳۵ میں اور بند نمبر ۱۳۵ کی بیت یہاں لکھی ہے -

١٤١ - چھلاوا : جنگل کا ہوائی بھوت -

١٤٢ - قلمی مرثیے میں تیسرا اور چوتھا مصرع اوپر نیچے ہے اور بند ۱۳۸ کی بیت یہاں اور یہ بیت اوپر کے بند میں ہے -

١٤٣ - قلمی مرثیہ : ''پان سو جواں -''

١٤٤ - قلمی مرثیے میں ہے : ''اٹھا غل کہ نا گہاں -''

١٤٥ - یہ بند نہ قلمی مرثیہ میں ہے نہ روح انیس میں - مراثی انیس طبع اول اور اس کے بعد کے ایڈیشنوں میں موجود ہے -

١٤٦ - قلمی مرثیہ : ''گویا صفوں کے پار -''

١٤٧ - قلمی مرثیہ : ''تیغِ شعلہ بار -''

١٤٨ - قلمی مرثیے میں بند کی صورت یہ ہے :

اس حال میں بھی تیغ سے کیں برچھیاں قلم
پر لگ گیا کلیجے پہ اک نیزۂ ستم
اک درد اٹھا کہ رک گیا سینے میں آ کے دم
چھوٹی لگام ہاتھ ، سے تھرا گئے قدم

اور تیسرے مصرع کو کاٹے بغیر میر صاحب کے قلم سے یہ مصرع درج ہے :

زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بدم

١٤٩ - قلمی مرثیہ : ''پسرِ شاہِ ذی وقار -''

١٥٠ - یہ بند قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

١٥١ - لکھنؤ اور لاہور کے نسخے :

داغِ جگر ملا ہمیں گودی میں پال کے

روح انیس :

داغِ جگر ہمیں ملا ، گودی میں پال کے

۱۵۲ - قلمی مرثیہ :

پیارے جواب دو ، مرے دلبر جواب دو

۱۵۳ - بند نمبر ۱۵۰ ، ۱۵۱ ، ۱۵۲ قلمی مرثیے میں نہیں ہے -

۱۵۴ - نول کشور طبع اول : ''میں کدھر جاؤں -'' لکھنؤ طبع جدید و لاہور : ''کہ کدھر جاؤں -''

۱۵۵ - نول کشور طبع اول : ''پالا تھا مدتوں میں -'' متن مطابق روح انیس -

۱۵۶ - قلمی مرثیہ :

رو رو کے پوچھتے تھے شہنشاہِ بحر و بر

۱۵۷ - قلمی مرثیہ :

کس کو حضور پوچھتے ہیں ، مر گیا پسر

۱۵۸ - قلمی مرثیہ : ''تری رکاب کے لوں -''

۱۵۹ - لکھنؤ ۱۹۵۸ع اور لاہور :

ہے ہے وہ آفتاب ، مرے آفتاب کے

۱۶۰ - قلمی مرثیہ :

گھوڑے کے پیچھے پیچھے تھے حضرت برہنہ سر

۱۶۱ - قلمی مرثیہ : ''گردن تو کج -''

۱۶۲ - قلمی مرثیہ :

اے جانِ زار ، جسم میں اور ایک دم ٹھہر

۱۶۳ - قلمی مرثیہ : ''پھڑکتا ہے اب جگر۔'' یہ تیسرا مصرع ہے اور مندرجہ بالا تیسرا مصرع چوتھے کی جگہ ہے۔

۱۶۴ - قلمی مرثیہ : ''چھاتی کے بابا نثار ہو۔''

۱۶۵ - قلمی مرثیہ :

گھر میں چلو، پھوپھی کو تمھارا ہے انتظار

۱۶۶ - قلمی مرثیہ :

بہنیں کھڑی ہیں ڈیوڑھی پہ سب اشتیاق میں

۱۶۷ - قلمی مرثیہ :

بولا زباں دکھا کے پدر کو وہ تشنہ کام

متن مطابق طبع اول و روح انیس۔

۱۶۸ - قلمی مرثیے میں بیت کی صورت یہ ہے :

بس اب کوئی گھڑی کا پسر میہماں ہے
فریاد، یا حسین[۴]! کہ پانی میں جان ہے

مطبوعہ مرثیہ طبع اول میں حاشیے پر ''فرمایا'' لکھا ہے۔

۱۶۹ - قلمی مرثیہ : ''ہاتھوں سے جگر۔''

۱۷۰ - قلمی مرثیہ :

خیمے سے نکلی ایک زنِ فاطمی جمال

۱۷۱ - قلمی مرثیہ :

تھی روئے پاک پر یہ ضیا اس جناب کی

۱۷۲ - قلمی مرثیہ : ''آغاز ہیں۔''

۱۷۳ - قلمی مرثیہ : ''ہاں اے علی کے۔''

١٧٤ - قلمی مرثیہ : "ماتم ہے ہاتھ سینے"

١٧٥ - یہ مرثیہ : "جب رن میں سربلند علی کا علم ہوا" میں بھی درج ہے -

١٧٦ - یہ روح انیس میں نہیں ہے - میں نے مطبوعہ نسخوں اور اپنے قلمی مرثیے سے اضافہ کیا ہے -

١٧٧ - قلمی مرثیہ : "کب تک رہے تباہ -"

١٧٨ - قلمی مرثیہ :

قربِ مزارِ قبلۂ عالم نصیب ہو

یسرب (کذا) میں مجھ کو اب کا محرم نصیب ہو

مرثیہ ۹

نمکِ خوانِ تکلم ہے فصاحت میری

١ - روح انیس میں یہ بیت ہے :

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیّاحی میں

پانچویں پشت ہے شبّیر کی مداحی میں

لیکن قلمی اور مطبوعہ مرثیہ جلد ششم مطابقِ متن ہے -

٢ - بسط : پھیلاؤ - وسعت مراد ہے -

٣ - روح انیس : "فصاحت کا" متن مطابقِ قلمی و جلد ششم -

٤ - مطابقِ قلمی و جلد ششم - روح انیس میں یہ بیت ہے :

درد سر ہوتا ہے بے رنگ نہ فریاد کریں

بلبلیں مجھ سے گلستاں کا سبق یاد کریں

روح انیس میں : "پانچویں پشت ہے" کا نسخۂ بدل ہے : "عمریں گزری ہیں -"

۵ - پانچویں پشت ہے کہ رئیس ابن انیس ابن خلیق ابن حسن ابن ضاحک پانچ ہوتے ہیں -

٦ - روح انیس میں بند نمبر ۴ کو ۳ اور ۳ کو ۴ قرار دیا گیا ہے ہماری ترتیب جلد ششم کے مطابق ہے -

۷ - سجع : نثر میں دو فقروں کا آنا جن کے آخری لفظ ہم قافیہ ہوں -

۸ - سکتہ : شعر کا وزن اور بحر سے خارج ہونا - 'سکتہ' اور 'آ سکتا' میں تجنیس ہے -

۹ - روح انیس میں یہ بند نمبر ۳ سے پہلے ہے - ہم نے جلد ششم کی ترتیب بحال رکھی ہے کہ دونوں بند باہم مربوط ہیں -
اس بند میں جدِ اعلیٰ سے میر حسن یا میر ضاحک - باپ سے میر انیس اور عمِ ذی قدر سے انس و مونس مراد ہیں اگر یہ بند رئیس کی زبانی ہو - اور اگر میر صاحب کی زبانی ہو تو باپ سے خلیق اور عمِ ذی قدر سے خلق یا احسن مراد ہیں - بظاہر یہی قرینِ صواب ہے -

۱۰ - روح انیس میں عمِ ذی قدر والا مصرع ایک نسخے کے حوالے سے یہ ہے :

بھائی خوش گو پسر نیک عقیدہ مداح

۱۱ - روح انیس مطابقِ متن اور نسخۂ حاشیہ : "مرثیہ گوئی میں جس کے متتبّع ہوئے سب" یہی صورت مصرع جلد ششم میں ہے -

۱۲ - جلد ششم میں ہے : "ہے اگر ذہن میں جودت تو وہ موزونی ہے" روح انیس کا مصرع متن کے مطابق ہے ، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو جودتِ ذہن اور موزونیِ طبع کا دعویٰ ہے تو ہوا کرے ، حقیقت تو یہی ہے کہ جو بیان کردہ روایتِ فن اور خاندان سے الگ ہے وہ نا قابلِ ذکر و سند ہے -

۱۳ - روح انیس : "بھائی خوش فکرت و خوش لہجہ و پاکیزہ خصال -"

نسخۂ حاشیہ : ''طبع خوش فکرت ۔''

نسخۂ حاشیہ و جلد ششم : ''اخوی سید خوش ۔''

نسخۂ حاشیۂ روح انیس : ''بھائی وہ مونس ۔''

۱۴ - جلد ششم : ''جس کا سینہ ہنرِ علم سے ہے مالا مال ۔'' متن مطابقِ روح انیس ۔

۱۵ - مصرع مطابق روح انیس ۔ جلد ششم میں صورت یہ ہے :

معجزہ گر اسے کہیے نہ ، تو ہے سحرِ حلال

۱۶ - مطابق روح انیس ۔ حاشیۂ روح انیس و جلد ششم : ''رحمتِ ربانی ۔''

۱۷ - حاشیۂ روح انیس میں ہے : ''تو ہے قادر مجھے توقیر عطا کر یا رب ۔''

۱۸ - نسخۂ حاشیۂ روح انیس : ''سلک گوہر ہو ۔''

۱۹ - نسخۂ حاشیۂ روح انیس : ''غیر کی تقلید نہ ہو'' لیکن تینوں مصرعوں کا موجودہ متن روح انیس ، جلد ششم اور قلمی مرثیے کے مطابق ہے ۔

۲۰ - مغلق : بند ۔ وہ لفظ جس کا سمجھنا مشکل ہو ۔ بھاری اور مشکل لفظیں ۔

گنجلک : عبارت یا مصرع کا ناہموار ہونا ۔ الجھاؤ ۔

تعقید : جملے کی ترکیب میں الجھاؤ ۔ تعقید کی دو قسمیں ہیں : تعقیدِ لفظی : لفظوں کا بے ترتیب ہونا ۔ تعقیدِ معنوی : سلسلۂ عبارت میں کسی لفظ یا فقرے کا چھوٹ جانا ۔ دونوں صورتوں میں صحیح مطلب سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے ۔

۲۱ - مرقّع : خوبصورت قلمی رنگین تصویر ۔

۲۲ - ارژنگ : مانی مصوّر کی کتاب ۔ کاواک : بے ڈھنگی ۔

٢٣ - جلد ششم میں مصرعوں میں کچھ اختلاف ہے :

قلزمِ فکر سے کھینچوں ۰ ۰ ۰

اور چوتھا مصرع ہے :

خون برسا نظر آئے جو دکھاؤں صفِ جنگ

٢٤ - جلدِ ششم : "ہر لفظ مقامے دارد ۔" حاشیۂ روح انیس : "ہر نقطہ مقامے ۔"

٢٥ - متن مطابقِ روح انیس ۔
محظوظ : لطف اندوز ۔
رقّت : مجلس کا گریہ ، رونا ۔

٢٦ - قلمی مرثیے اور جلد ششم میں اس بند کو مطلع کہا گیا ہے ۔

٢٧ - مُصلّی : نماز پڑھنے والا ۔ عبادت گزار ۔

٢٨ - جلد ششم میں تیسرا مصرع چوتھے کے بعد ہے ۔ متن مطابقِ روح انیس ۔

٢٩ - سلیمان فارسی ، ابوذر غفاری ، حمزہ بن عبدالمطلب ، عمار بن یاسر رضوان اللہ علیہم اصحابِ رسولِ مقبول میں بڑے جان نثار تھے ۔
مالکِ اشتر : حضرت علی کے بہادر جرنیل اور وفادار دوست تھے ۔

٣٠ - تخشّع : خشوع ظاہر کرنا ، فروتنی و خلوص بندگی کا اظہار ۔
تضرّع : گڑگڑانا ، عاجزی ظاہر کرنا ۔
تذلّل : ذلّت و بے چارگی کا اظہار ۔
یہ تینوں صفتیں عبادت کی قبولیت اور بندگی کا کمال ہیں ۔

٣١ - جلد ششم : "رشید و ممتاز" متن مطابقِ روح انیس ۔

٣٢ - متجلّی : روشن ، نورانی ۔

۳۳ - جلد ششم : ''عرش سے اٹھ اٹھ کے ملک -''

۳۴ - سما : آسمان - سمک : مچھلی - خیال ہے کہ زمین کے نیچے گائے ، گائے کے نیچے ایک مچھلی ، مچھلی پانی میں ، اس پر گائے کھڑی ہے اور گائے کے سینگوں پر زمین رکی ہوئی ہے - ''سما سے سمک'' : یعنی بلندی سے لے کر پستی تک -

۳۵ - سورۃ النصر : قرآن مجید کی ۱۱۰ ویں سورت ہے -

۳۶ - نیّر : آفتاب - دُرِ نجف : وہ چھوٹے چھوٹے شفاف پتھر جو صحرائے نجف میں ملتے ہیں اور لوگ انگوٹھیوں میں نگینہ بنا کر پہنتے ہیں -

۳۷ - روح انیس : ''پانی نہ پیا نہر میں -'' جلد ششم : ''پانی نہ پیا نہر پہ -''

۳۸ - شہانی پوشاک : شادی کے کپڑے - یہ بند حضرت قاسم کی تعریف میں ہے اور اس کے بعد بند نمبر ۳۴ حضرت عون و محمد کی مدح میں ہے -

۳۹ - چاؤش : چوبدار ، نقیب - کڑکیت : جو سپاہیوں کے لیے جوش آفریں صدائیں دیتے ہیں -

۴۰ - جلد ششم : ''شور اس سمت یہی تھا کہ دلیرو نکلو -'' متن مطابقِ روح انیس -

۴۱ - روح انیس : ''دم بدم سینوں پہ فاقوں میں سنانیں کھائیں -'' متن مطابقِ جلد ششم -

۴۲ - جلد ششم : ''یک بار آئی -'' متن مطابقِ روح انیس -

۴۳ - جلد ششم : ''روسیاہوں کو ہٹاویں کہ بڑھے آتے ہیں -''

۴۴ - متن مطابقِ جلد ششم و نسخۂ حاشیۂ روح انیس - متنِ روح انیس میں ہے :

جنگ منظور نہ تھی ان سے پر اب ہوں مجبور

۴۵ - حاشیۂ روح انیس : ''جو کہ افسر تھے قدم ان کے اٹھے جاتے تھے''

۴٦ - ایک نسخہ : ''ضرب میں تھا -''

۴٧ - جلد ششم : ''اس گھڑی شاہ پہ طاری تھا -'' روح انیس : ''صاحبِ فوج پہ طاری تھا -''

۴٨ - جلد ششم : ''عمرِ سعد سے وعدہ ہے -'' متن مطابقِ روح انیس -

۴٩ - بیت مطابقِ روح انیس - جلد ششم میں دونوں مصرعوں کی ترتیب اس کے برعکس ہے -

٥٠ - حالی : واضح ، عیاں ، ظاہر -

٥١ - جلد ششم : ''شورِ تلاطم جانو -'' روح انیس : ''شور و تلاطم جانو -''

٥٢ - ہراسا : ہراساں ، ڈرا ہوا -

٥٣ - جلد ششم : ''آس کا دل بر ہوں کہ دی جس کو نبیؐ نے دختر -''

٥۴ - حجّۃ الوداع سے فارغ ہو کر حضور سرورِ دوعالمؐ مدینے جاتے ہوئے ١٨ ذی الحجہ سنہ ١٠ھ کو ''غدیر خم'' نامی مقام پر ٹھہرے تھے اور ایک خطبے کے بعد حضرت علیؑ کو اپنا وصی و جانشین مقرر کیا تھا - یہ مقام اب تک موجود ہے اور جہاں آنحضرتؐ نے خطبہ دیا تھا وہاں مسجد بنی ہوئی ہے -

٥٥ - حجّۃ اللہ : نبی و امام -

٥٦ - قائمہ : ستون ، پایہ -

٥٧ - غاشیہ : وہ کپڑا جو زین کو گرد سے بچانے کے لیے اوپر ڈالا جاتا ہے - غاشیہ بردار : سواری کا خادمِ خاص -

٥٨ - جلد ششم : ''وہ چمکی'' متن مطابقِ روح انیس -

٥٩ - ''اللہ ان سے ناراض ہوا'' اللہ نے ان پر غصہ کیا - سورۂ ممتحنہ کی آیت ١٣ -

٦٠ - جلد ششم کی اس بیت میں ''تھی'' کے بجائے ردیف ''ہے'' درج ہے -

۶۱ - آری ہونا : کر جانا ، دھار میں دندانے پڑ جانا - پرکالہ : ٹکڑا -
بند : داؤں -

۶۲ - دو زبان : تیغ دو زبان ، ذوالفقار کی نوک دوہری تھی -

۶۳ - طباق : کاغذوں کا مُٹّھا ، لپٹنے والا گول لمبا کاغذ - طباق کٹنا :
بِسمل کا چاک ہونا - چہرہ نظری ہونا : حلیے کے اندراجات کاٹنا -
جب سپاہی جنگ میں کام آ جاتا تو دفتر میں اس کی فائل اور نام و
نشان اور حلیہ کاٹ دیا جاتا تھا - کربلا میں دشمن اس کثرت سے مرے
کہ دفتر کے دفتر ، فائل کے فائل کاٹنے کا عمل مسلسل جاری رہا -

۶۴ - جلد ششم میں یہ بند ۷۷ویں نمبر پر ہے اور دو اختلاف ہیں :
(۱) کبھی ڈھالوں پہ گری اور کبھی خونخواروں پر
(۲) کبھی دریا میں ، کبھی ابر ، کبھی کوہ میں تھی
متن روح انیس کے مطابق ہے -

۶۵ - جلد ششم میں یہ ۷۹واں بند ہے -

۶۶ - متن مطابقِ جلد ششم - روح انیس میں مصرع کی صورت یہ ہے :
کاٹ کر زین کو گھوڑے کی کمر پر ٹھہری

۶۷ - حاشیۂ روح انیس : ''جو جگر بندِ علی بن ابی طالب ہو -''

۶۸ - جلد ششم : ''لُوں وہ لُوں تھی کہ حرارت سے پگھلتے تھے جبال -''
متن مطابقِ روح انیس -

۶۹ - جلد ششم : ''کبھی ابرو کا بھی -'' متن مطابق روح انیس -

۷۰ - روح انیس میں بیت کی ردیف : ''بے پیر کا ہے'' ، ''شیر کا ہے -''
متن مطابقِ جلد ششم ہے -

۷۱ - روح انیس : ''ضربِ شمشیرِ دوسر -'' متن مطابقِ جلد ششم و حاشیہ
روح انیس -

۷۲ - مکلّل بجواہر : جواہرات کی قلغیاں لگائے ہوئے ، آراستہ -

۷۳ - حاشیۂ روح انیس : ''سر کو جھکا کر فرس تیز قدم ۔''

۷۴ - متن مطابق جلد ششم و حاشیۂ روح انیس ، لیکن متن روح انیس میں یوں ہے :

چار جانب سے مسافر پہ جھکے اہل ستم

۷۵ - زرہ جامہ : زرہ کے نیچے پہننے کا لباس ۔

۷۶ - قرآن سے مراد یہاں سینۂ امام ہے ۔ کیا اچھا استعارہ ہے ۔

مرثیہ ۱۰

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے

۱ - یہ مرثیہ نول کشور کی مطبوعہ پہلی چار جلدوں میں نہیں ہے ۔ جلد ششم میں چھپا تھا اور اس جلد کا نیا ایڈیشن یعنی مطبوعۂ کراچی ہمارے سامنے ہے ۔ مرتّب نے اس مرثیے کو باختلاف مطلع و بند شائع کیا ہے ۔ یہ نہیں معلوم ہوتا کہ مراثی انیس جلد اول طبع بدایوں ص ۳۳۶ کا نسخہ مقدّم ہے یا مطبوعہ کراچی کا ۔ سر دست یہ فیصلہ ممکن نہیں کہ میر صاحب نے مرثیے کا چہرہ کب بدلا اور کون سا چہرہ پہلے لکھا ۔ بہرحال نسخۂ کراچی کے دو بند اور تین مصرعے یہ ہیں :

جب آسماں پہ ختم ہوا دور جام شب
پایا سحر نے دخل ، گیا انتظام شب
فرش سفید بچھ گیا ، اکھڑے خیام شب
آغاز روز تھا کہ ہوا اختتام شب
رونق نشان صبح نے دکھلائی برق کی
آمد ہوئی سواری سلطان شرق کی

چھپنے لگا جو عابد شب زندہ دار ماہ
اختر چلے ، لپٹ گئے سجّادۂ سیاہ

غالب جنودِ شب پہ ہوئی صبح کی سپاہ
تھا شورِ دور دورِ شہنشاہِ کج کلاہ
ہر سُو نشانِ آمدِ خورشید گڑ گیا
گردوں کے چاند تارے کا خیمہ اکھڑ گیا
لیکن عجب وہ دن تھا غضب کا ، عجب سحر
بیٹھے ہوئے تھے رات کے جاگے جھکائے سر
حضرت نے اٹھ کے جانبِ گردوں جو کی نظر
مڑ کر صدا رفیقوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲ - نسخۂ بدایوں : ''اس کا نام ۔''

۳ - جلد ٦ : ''ہر اک نے زیب ۔'' فاخرہ لباس : قیمتی لباس ، بہت عمدہ پوشاک ۔

۴ - محاسن : ڈاڑھی ۔ شانہ : کنگھی ۔

۵ - جلد ٦ : ''عنبر میں اور مشک میں ۔'' زباد : بلی جیسا ایک جانور جو حبشے میں پایا جاتا ہے ۔ اس سے مُشک جیسا مادہ نکال کر اور کچھ اجزا ملا کر خوشبو بناتے ہیں ۔ اس جانور کا نام ''زباد گربہ'' ہے اور اس سے حاصل ہونے والے خوشبودار مرکب کو ''زباد'' کہتے ہیں ۔ (مخزن الادویہ)

٦ - گُردانِ دہر : پہلوانانِ زمانہ ۔

۷ - نظامی پریس بدایوں طبع اول میں یہ مصرع یوں ہے : ''فاقے سے تین دن کے ، مگر زندگی سے سیر ۔'' مراثیِ انیس جلد ششم کراچی میں مصرع مطابقِ متن ہے ۔

۸ - رمز و کنایہ : اشارے اور نکتے ۔

۹ - کراچی کے نسخے میں ہے : ''شیریں کلام وہ کہ نمک سے بھرے ہوئے ۔'' روح انیس : ''پستے لبوں کے وہ جو نمک سے بھرے ہوئے ۔'' متن مطابقِ نسخۂ بدایوں ۔

۱۰ - روح انیس میں ترتیب یہ ہے : ۱ ، ۲ ، ۴ ، ۳ - متن نسخۂ کراچی و بدایوں کے مطابق ہے -

۱۱ - غنچہ : جُھرمٹ -

۱۲ - حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ جنھوں نے خدا تعالیٰ سے عرض کی تھی : ''رب ارنی انظرالیک'' پروردگارا ! مجھے اپنا جلوہ دکھا - جواب ملا : تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے - لیکن پہاڑ کو دیکھو ، اگر یہ پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہا تو مجھے دیکھ سکو گے - لیکن جب تجلی ہوئی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور حضرت موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے - (الاعراف ۱۴۳) -

۱۳ - مینو : جنّت -

۱۴ - ورق : پتّا - نسخۂ بدایوں : ''تھی ہر ورق پہ صنعت -''

۱۵ - صنعتِ ترصیع : محاسنِ لفظی میں عبارت یا شعر کا یوں مرتّب ہونا کہ ایک جملہ یا مصرع جن الفاظ سے مرکب ہو ، دوسرا فقرہ یا مصرع ترتیب کے ساتھ پہلے فقرے یا مصرع کے الفاظ کے ہم‌وزن الفاظ سے آراستہ ہو -

۱۶ - سادہ کار : باریکی نہ سمجھنے والی - نیز مسلمان سنار کو بھی سادہ‌کار کہتے ہیں -

۱۷ - نسخۂ کراچی : ''بصد فضا -''

۱۸ - دراج : تیتر - کبک : چکور - تیہو : لوا -

۱۹ - سبد : ٹوکری - بدایوں کا نسخہ : ''پھولوں کے سبزسبز شجر -''

۲۰ - نول کشور طبع اول و طبع چہارم و لاہور میں ''زہر'' ہے - میر صاحب نے غالباً یہ مصرع پہلے یوں لکھا تھا : ''خواہاں تھے زہرِ گلشنِ زہرا جو آب کے''

چنانچہ بعض نسخوں میں اسی طرح چھپا ہے - لیکن شاید میر صاحب نے نظر ثانی کے وقت ''زھر'' کو ''نخل'' سے بدل دیا ، جیسے روح انیس کے حاشیے اور ''جب آسماں پہ ختم ہوا دورِ جامِ شب'' میں اور نسخۂ بدایوں میں ہے - نول کشور اور لاہور کے مطبوعہ نسخوں میں ''زھر'' کو ''زیر'' لکھا ہے - تیج کمار کے نسخے میں ''زیب'' کاتب و مصحح کی اصلاح ہے -

۲۱ - حق سرّہ : صوفیوں کا ایک نعرہ : یعنی ذاتِ خدا ، اس کا راز حق ہے - نسخۂ بدایوں میں ''حق سرّ ہو'' غلط ہے -

۲۲ - نول کشور طبع اول و چہارم و ۱۹۵۸ع و بدایوں : ''ربِ علا کی مدح - خدا کی مدح -'' لیکن نسخۂ کراچی و روح انیس و لاہور : ''ربِ علا کی حمد - خدا کی حمد -''

۲۳ - تہلیل : لاالہ الا اللہ کہنا -

۲۴ - تسبیح : سبحان اللہ کہنا - نسخۂ بدایوں : ''تسبیح تھی کہیں ، کہیں تہلیلِ کردگار -''

۲۵ - روح انیس و مراثی جلد ششم : ''ہوا میں محو -''

۲۶ - روح انیس و مراثی جلد ششم : ''ہونک رہے تھے'' - باقی نسخوں میں : ''گونج رہے تھے -''

۲۷ - بتول : حضرت فاطمۃ الزھرا - وہ پاک عورت جسے نسوانی نجاست نہ ہوتی ہو -

۲۸ - مراثی انیس طبع کراچی : ''وہ باغ جو لگا گئے تھے حضرتِ رسول -''

۲۹ - روح انیس و لاہور : ''میں کٹ گیا -''

۳۰ - جلد ششم : ''چھٹ گیا -''

۳۱ - مراثی طبع کراچی : ''محمد کے یادگار -''

۳۲ - بے چوبہ : وہ بڑا شاہی خیمہ جس میں چوب اور بانس نہ لگایا جائے نسخۂ بدایوں : ''بے چوبہ سپہر بنے جس کا -''

۳۳ - بیت العتیق : قدیم ترین مکان - خانۂ کعبہ - ''جہاں کی جاں'' کے بجائے روح انیس کا نسخۂ بدل ہے : ''جناں کی جاں -''

۳۴ - مراثی طبع کراچی جلد ششم ، ص ۱۷۷ : ''کہتا تھا آسماں کہ ہوں چرخ ہفتمیں -''

۳۵ - شمسہ : کلس - کیواں : زحل ستارہ - جناب : چوکھٹ -

۳۶ - گلِ آفتاب : سورج مُکھی کا پھول جو کلس کی طرح ہوتا ہے -

۳۷ - خطِ ابیض : سفیدۂ سحری کی پہلی روشنی -

۳۸ - کلوخ : ڈھیلا -

۳۹ - مراثی جلد ۶ : ''نکالتے تھے -''

۴۰ - مراثی جلد ششم : ''خیمے میں روتے تھے زار زار -''

۴۱ - ''آواز کا یہ حسن ، وہ قرأت کی شد و مد'' حاشیۂ روح انیس - اور بیت میں نسخۂ بدل ہے : ''ریاضِ بتول میں -''

۴۲ - شد و مد : زور شور -

۴۳ - عین الکمال : نظرِ بد -

۴۴ - یہ دونوں مصرعے ہر ماخذ میں جدا جدا لکھے ہیں - مراثی طبع کراچی مطابقِ متن - نظامی بدایوں :

وہ جوش بیاں کہ جس کی طلاقت دلوں کو بھائے
دو دو دن ایک بوند بھی پانی کی وہ نہ پائے

روح انیس : ''وہ لوذعی کہ جس کی طلاقت -''

۴۵ - مراثی جلد ششم :

فاقہ یہ تیسرا ہے مرے نور عین پر
کرتا نہیں ہے رحم کوئی شور وشین پر

۴۶ - نول کشور ، لکھنؤ ، لاہور و مراثی جلد ششم : ''سردار کے قدم کے تلے تھی رہِ نجات'' - متن مطابقِ روح انیس -

۴۷ - لکھنؤ اور لاہور کے مطبوعہ نسخوں میں بیت یوں ہے :

مولا تھے جا نماز ہدایت مناط پر
یا قبلہ رو کھڑے تھے سلیماں بساط پر

۴۸ - یہ بند روحِ انیس میں نہیں ہے -

۴۹ - نسخۂ کراچی : ''پہلے اشارہ ہے یہ الف لام میم سے -''
مراثی جلد ششم : ''پہلے یہ اشارہ ہے الف لام میم سے -''

۵۰ - کرّوبی : مقرّب فرشتہ -

۵۱ - مراثی جلد ششم : ''ان کے بند بند'' -

۵۲ - نسخۂ بدایوں و کراچی : ''پر سب جگر فگار و حق آگاہ و خاکسار -''

۵۳ - عراق میں تسبیح عموماً کربلا کی خاک اور مٹی سے بنائی جاتی ہے -

۵۴ - وہ ھستی جو عدم سے متصف ہی نہ ہو سکے : خداوند تعالیٰ -

۵۵ - حاشیۂ روح انیس : ''سجدے کرتے تھے تیغوں کے سائے میں -''
مراثی جلد ششم کا دوسرا مصرع مطابقِ متن ہے لیکن پہلا مصرع یہ ہے : ''طاقت ذرا نہ باقی رہی ہاتھ پاؤں میں -''

۵۶ - اجابت : دعا کی مقبولیت -

۵۷ - مراثی جلد ششم : ''آنکھیں ملیں کسی نے قدم پر بہ احترام -''

۵۸ - مراثی جلد ششم ، ص ۱۷۸ :

کیا دن ہے ، کیا سپاہِ سعید و رشید ہے
باہم معانقے ہیں کہ مرنے کی عید ہے

۵۹ - نسخۂ بدایوں : ''شکر کے کوئی تھا ۔''

۶۰ - نسخۂ بدایوں و مراثی جلد ۶ : ''فاقوں پہ ۔'' باقی مآخذ : ''فاقوں میں ۔'' دوسرا مصرع مراثی جلد ۶ میں یوں ہے :

یا رب نمازیوں کی جماعت پہ رحم کر

۶۱ - نسخۂ بدایوں و نول کشور طبع اول و طبع ۱۹۵۸ع : ''پکاری ڈر سے ۔'' نول کشور طبع چہارم و لاہور و مراثی جلد ۶ : ''پکاری در سے ۔'' روح انیس مطابقِ متن ۔

۶۲ - باقر : امام زین العابدینؑ کے فرزند حضرت محمد بن علی کا لقب جن کی ولادت ۵۷ھ میں ہوئی تھی ۔

۶۳ - وش : لاحقۂ صفت ہے ۔ مانند ، طرح ؛ جیسے ماہ وش ، پری وش ۔

۶۴ - لکھنؤ ، بدایوں و لاہور کے نسخے نیز مراثی جلد ۶ : ''فتح کا مسکن ، ظفر کا گھر ۔'' متن مطابقِ روح انیس ۔

۶۵ - چھاتی پہاڑ ہونا : دل مضبوط ہونا ۔

۶۶ - خیر النسا : حضرت فاطمۂ زہراؑ کا لقب ۔

۶۷ - صندل سے مانگ بھرنا : سہاگن عورت کی علامت ہے ۔

۶۸ - لکھنؤ ، لاہور ، بدایوں و مراثی جلد ۶ : ''ہم آل پاک ۔'' متن مطابقِ روح انیس ۔

۶۹ - خاتونِ روزگار : حضرت فاطمۂ زہرا ۔

۷۰ - مستجاب : قبول ۔

۷۱ - صواب : درست ۔

۷۲ - تبرّکات : مقدس چیزیں ۔ میر صاحب ایسے کلماتِ جمع بطورِ مفرد مذکر استعمال کرتے ہیں ۔

۷۳ - نسخۂ بدایوں : ''جو پڑے تھے ۔''

۷۴ - نسخۂ بدایوں : ''لنڈھتا تھا ۔''

۷۵ - مراثی جلد ۶ : ''گل باغ باغ ، باغ میں ، رضواں بہشت میں ۔''

۷۶ - جوشن : بازو پر باندھنے کا ایک تعویذ و زیور ۔ نیز جنگ میں بازو کا حفاظتی ملبوس ۔ جوشن نام کی دو دعائیں جو حفاظت کے لیے پڑھی جاتی ہیں ۔ جوشنین : جوشن کا تثنیہ ہے ۔

۷۷ - حمزہ بن عبدالمطلب : مشہور بہادر و شہید ۔

۷۸ - سپر کو پشتِ امام پر ہونے کی وجہ سے مہرِ نبوت سے تشبیہ دی ہے ۔

۷۹ - نسخۂ بدایوں : ''سیدِ انام ۔''

۸۰ - مِرفق : کُہنی ۔

۸۱ - شیرِ کردگار : حضرت علیؑ ۔

۸۲ - لکھنؤ و لاہوری ایڈیشن : ''بُوٹے سے قد ۔'' متن مطابقِ روحِ انیس ۔

۸۳ - رایت : جھنڈا ، نشانِ فوج ۔

۸۴ - ''نانا جان'' سے مراد آنحضرتؐ ہیں ۔

۸۵ - مُحق : مراد حق دار ۔

۸۶ - نسخۂ بدایوں و کراچی جلد ۶ : ''پایا علم علیؑ نے مگر وقتِ امتحان ۔''

۸۷ - دونوں صاحب زادے حضرت جعفر علم دارِ غزوۂ مُوتہ کے پوتے اور حضرت علیؑ کے نواسے تھے ۔

۸۸ - نسخۂ کراچی جلد ۶ : ''کیا دخل تم کو مالک و مختار ہیں امام ۔''

۸۹ - نسخۂ بدایوں : ''کیوں آئے ہو یہاں علیؑ اکبر کو چھوڑ کے ۔''

۹۰ - عدیل : مقابل ، جواب ، مثال ۔

۹۱ - وصفِ اضافی : وہ خوبی جو کسی شخص میں خود تو نہ ہو مگر کسی دوسرے شخص کے رشتے اور نسبت سے اس کا دعویٰ کیا جائے -

۹۲ - مرحب : وہ یہودی پہلوان جو قلعۂ خیبر کے نام ور محافظوں میں تھا - حضرت علیؑ نے اسے تلوار کے ایک وار میں موت کے گھاٹ اتار دیا اور دروازے کو ایک جھٹکے میں اکھاڑ کر ہاتھ پر اٹھا لیا تھا - نول کشوری نسخوں میں ''مرحب'' کو غلطی سے 'مرکب' لکھا گیا ہے -

۹۳ - مراثی جلد ششم : ''بس یہ کہہ کے -''

۹۴ - جرّار : دلیر - مراثی جلد ٦ : ''قاتلِ کفار ، صف شکن'' -

۹۵ - لکھنؤ ، بدایوں و لاہور کے ایڈیشن : ''بس جس کو تم کہو -'' متن روحِ انیس کے مطابق ہے - مراثی جلد ٦ : ''اب جس کو تم کہو اسے دوں فوج کا علم -''

۹٦ - نسخۂ بدایوں میں یہ چوتھا مصرع ہے اور شاید غلط چھپا ہے : ''قرآں کے بعد ہے تو علی ہی کا کچھ کلام -''

۹۷ - نسخۂ بدایوں میں یہ چوتھا مصرع ہے اور نسخۂ کراچی میں ترتیب یہ ہے : ۱ ، ۳ ، غم خوار بھائی زینتِ پہلو ۴ -

۹۸ - نسخۂ بدایوں : ہم شکل -'' انیس بیس خوبیاں کس خوبصورتی و روانی سے بیان کر دی ہیں - حضرت عباس علمدار کے کردار کا خلاصہ یہی ہے - انیس نے حضرت عباس کو ہمیشہ اس پیمانے میں پیش کیا ہے -

۹۹ - مراثی جلد ٦ : ''شہِ عرش کربلا -''

۱۰۰ - مراثی جلد ٦ : ''اے بھائی لو علم ، یہ عنایت بہن کی ہے -''

۱۰۱ - مراثی جلد ٦ : ''وہ نکو شعار -''

۱۰۲ - "فوج اہلِ شر" حاشیہ روح انیس و مراثی جلد ۶ -

۱۰۳ - مراثی جلد ۶ : "دیکھے اٹھا کے آنکھ کسی کا یہ جگر -"

۱۰۴ - روح انیس : "پھینک دوں آنکھیں نکال کے -"

۱۰۵ - مراثی جلد ۶ : "منہ کرکے سوئے شاہ کیا اس طرح خطاب -"

۱۰۶ - مراثی جلد ۶ : "بہرہ یاب -"

۱۰۷ - مراثی جلد ۶ : "آئیں -"

۱۰۸ - لکھنؤ اور لاہور کے ایڈیشن : "پھر شہ کو لے کے جائیے -" روح انیس مطابقِ متن -

۱۰۹ - لکھنؤ اور لاہور کے ایڈیشنوں میں یہ بند اس طرح ہے :

زیرِ علم تھے خاک بہ سر شاہ خاص و عام
باتوں پہ اس کی روتی تھیں سیدانیاں تمام
کی عرض آکے ابنِ حسن نے کہ یا امام
انبوہ ہے ، بڑھی چلی آتی ہے فوجِ شام
شہ بولے ، یہ علم لیے باہر نکلتے ہیں
ٹھہرو ، بہن سے مل کے گلے ہم بھی چلتے ہیں

نسخۂ بدایوں اور روح انیس کی روایت متن کے مطابق ہے -

۱۱۰ - لکھنؤ اور لاہور کے نسخوں میں بند نمبر ۸۶ سے پہلے یہ بند بھی ہے -

ڈیوڑھی پہ خادمانِ محل کی ہوئی پکار
آتے ہیں اب حضور ، خبردار ! ہوشیار !
خلعت پہن رہے ہیں علم دارِ نام دار
نذریں خوشی کی دینے کو حاضر ہوں جاں نثار
بھائی بڑا ہے سر پہ ، تو سایہ ہے باپ کا
عہدہ جوان بیٹے نے پایا ہے باپ کا

مرثیہ : ''جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج'' میں یہ بند نمبر ۶ ہے - روح انیس میں یہ بند موجود نہیں ہے -

۱۱۱ - مراثی جلد ۶ : ''بانوے خستہ حال ، پسر کے قریں گری -''

۱۱۲ - لکھنؤ ، بدایوں اور لاہور کے ایڈیشن : ''آگے بڑھی علم کے -''
متن مطابقِ روح انیس - مراثی جلد ۶ : ''پیچھے ہوئی علم کے -''

۱۱۳ - ہرنہ : زین کا اگلا ابھرا ہوا حصہ -

۱۱۴ - مراثی جلد ۶ : ''اٹھلا کے جھوم جھوم -''

۱۱۵ - روح انیس کا حاشیہ : ''تن کر -'' مراثی جلد ۶ : ''ہردم -''

۱۱۶ - روح انیس کے حاشیے پر اور مراثی جلد ۶ میں یہ بیت یوں ہے :

پٹھوں پہ دم چنور تھی کہ طاؤس مست تھا
بالا دوی میں اوجِ ہُما اس سے پست تھا

۱۱۷ - دوڑ میں آگے رہنے کی صفت - تیز روی -

۱۱۸ - حاشیۂ روح انیس : ''اس کی ضیا تھی فرش پہ -''

۱۱۹ - نسخۂ بدایوں : ''بجھنے لگے -'' غالباً کتابت کی غلطی ہے -

۱۲۰ - حاشیۂ روح انیس میں یہ مصرع مختلف طور پر بھی منقول ہے

جس سے ملی بہشت کو زینت وہ باغ تھا

۱۲۱ - غُرفہ : جھروکہ ، کھڑکی -

۱۲۲ - حجّت تمام کی : یعنی تقریر فرمائی اور اپنا حق پر ہونا ثابت کیا -

۱۲۳ - مالکِ اشتر : حضرت علیؑ کے ایک بہادر دوست جن کے جنگ صفین کے کارنامے مشہور ہیں -

۱۲۴ - نسخۂ روح انیس : ''روباہوں کی''۔

۱۲۵ - کنائیاں کاٹنا : چھپ چھپ کے بھاگنا ، اور پھر پلٹنا ۔

۱۲۶ - دُہائی دینا : پناہ مانگنا ، فریاد کرنا ۔

۱۲۷ - لکھنؤ اور لاہور و بدایوں کے مطبوعہ نسخوں میں بیت یوں ہے :

شوکت ہُو بہ ہُو تھی جنابِ امیر کی
طاقت دکھا دی شیروں نے زینب کے شیر کی

لیکن روح انیس کے حاشیے پر نسخۂ بدل ''تصویر ہو بہ ہو تھے ۔'' ''ہو ہو'' اور ''زینب'' ظاہر ہے کہ مناسب لفظیں نہیں ۔ یقیناً میر صاحب نے اسے کبھی نظر ڈالتے وقت بدلا ہوگا اور اس تبدیلی سے مصرعوں کا جھول نکل گیا ۔ ممکن ہے کہ مسعود صاحب کے زیادہ مستند نسخے میں یہ اس طرح نہ ہو ۔ اسی وجہ سے موصوف نے اسے حاشیے پر لکھ دیا ہے ۔ مراثی جلد ۶ میں یوں ہے : ''شوکت تو ہو بہ ہو تھی ۔'' میں اسی کو بہتر سمجھتا ہوں ۔

۱۲۸ - کہتے ہیں کہ حضرت قاسم عاشور کے دن نوعروس تھے ۔

۱۲۹ - ارزق : یزیدی فوج کا مشہور پہلوان جس نے حضرت قاسم سے مقابلہ کرنے کے لیے پہلے اپنے لڑکوں کو بھیجا تھا ، لیکن جب وہ مارے گئے تو خود آیا اور حضرت قاسم کے ہاتھوں قتل ہوا ۔

۱۳۰ - روح الامیں : جبریل امین کا لقب ۔

۱۳۱ - مؤکل ، نگہباں ، محافظ ، متعین ۔

۱۳۲ - حاشیۂ روح انیس : ''گر کے ڈوب مرے''۔ متنِ روح انیس : ''گر کے فوت ہوئے ۔'' متن مطابق نسخۂ بدایوں و نول کشور طبع اول و جدید و لاہور ۔

۱۳۳ - نہروان کی جنگ حضرت علی کا آخری معرکہ تھا جس میں خوارج نے مکمل شکست کھائی تھی ۔

۱۳۴ - حاشیۂ روح انیس و مراثی جلد ۶ : ''جائے صید پہ ۔''

۱۳۵ - مراثی جلد ۶ : ''جنگ میں کچھ تھے بڑھے ہوئے ۔''

۱۳۶ - حاشیۂ روح انیس : ''فوج کے باجوں ۔''

۱۳۷ - مراثی جلد ۶ : ''اک دوپہر میں کٹ گیا افسوس سارا باغ ۔''

۱۳۸ - نسخۂ بدایوں : ''نہ ماتم سے انفراغ ۔''

۱۳۹ - مِحن : محنة کی جمع ، مراد زحمتیں ۔

۱۴۰ - مراثی جلد ۶ : ''اکبر تو مر چکے ، علی اصغر کو دیکھ لیں ۔''

۱۴۱ - روح انیس مطابقِ متن ۔ باقی نسخے : ''آلِ پیمبر برہنہ سر ۔'' نسخۂ بدایوں : ''دوڑی آلِ پیمبر ۔''

۱۴۲ - حُرملہ بن کاہل جس نے حضرت علی اصغر پر تیر چلایا تھا ۔

۱۴۳ - تین بھال کا تیر : ایسا تیر جس میں تین پھل تھے ۔

۱۴۴ - یہ بند روحِ انیس میں نہیں ہے ۔ نسخۂ بدایوں سے نقل کیا جا رہا ہے ۔ لیکن مراثی انیس جلد ۶ میں پانچواں مصرع یوں ہے : ''پوتا یہ لال حضرت خیرالنسا کا ہے ۔''

۱۴۵ - حُسام : تلوار ۔ اس بند کا چوتھا مصرع مراثی انیس جلد ۶ میں یوں ہے : ''پیراہنِ مبارکِ پیغمبرِ انام ۔''

۱۴۶ - شہِ لافتیٰ سے حضرت علیؑ مراد ہیں کہ جنگِ احد میں حضرت علیؑ کی مدح میں یہ آوازِ غیب سنی گی تھی :

''لا فتیٰ الا علیؑ لاسیف الا ذوالفقار'' یعنی علیؑ جیسا بہادر جوان کوئی نہیں اور ذوالفقار جیسی بُرّاں تلوار کوئی نہیں ۔

۱۴۷ - دِرع : زِرہ ۔

۱۴۸ - مراثی جلد ششم : ''اکسیر تھی ۔''

۱۴۹ - دُلدُل : آنحضرتؐ کے مرکب کا نام . ایک عمدہ نسل کا خچر جو حبشہ سے بطور نذر آنحضرتؐ کو بادشاہ نے دیا تھا -

۱۵۰ - جواد : اصیل و تیز رفتار گھوڑا - سخی کے مقابلے میں جواد کا استعمال ایہام ہے کیونکہ جواد ، سخی کو بھی کہتے ہیں جو یہاں مراد نہیں -

۱۵۱ - مراثی جلد ٦ میں بند ۱۱۵ ، ۱۱٦ کے درمیان مندرجہ ذیل بند بطور مطلع اضافہ ہے :

میداں میں جب ریاضِ حسینی خزاں ہوا
دنیا سے کارواں شہِ دیں کا رواں ہو
دریاے خوں میں غرق ہر اک نوجواں ہوا
ہم شکلِ مصطفیٰؐ بھی شہیدِ سناں ہوا
روتے تھے شاہ لاشوں میں تنہا کھڑے ہوے
تھے خاک پر کلیجوں کے ٹکڑے پڑے ہوے

۱۵۲ - نہر فرات جو کربلا میں بہتی ہے ، اس کا نام نہرِ علقمہ بھی ہے - یہ نام صدیوں پہلے سے مشہور چلا آتا ہے -

۱۵۳ - سمندر ایک ایسے کیڑے کا نام ہے جو آگ میں پیدا ہوتا ہے - لیکن عاشور کے دن گرمی اتنی سخت تھی کہ آگ کا کیڑا بھی پانی میں جا بیٹھا تھا -

۱۵۴ - گرمی سے ہرن کاہلے اور سست ہو رہے تھے - چیتوں کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا -

۱۵۵ - یہ بند روح انیس کی ترتیب کے مطابق ہے ، دوسرے مطبوعہ مرثیے میں یہ بند نمبر ۱۲۰ کے بعد ہے -

۱۵٦ - مَردُم : آنکھ کی پُتلی ، نیز آدمی - لطف یہ ہے کہ دونوں معنوں کے لحاظ سے مصرع کے دو مفہوم ہیں :

(۱) لوگ گرمی و تپش سے بھاگ کر سات پردوں میں چھپے بیٹھے تھے مگر پسینے میں نہا رہے تھے۔

(۲) آنکھ کی پُتلی سات پردوں میں ہونے کے باوجود پسینے میں تر تھی۔ اس قسم کے استعمالِ لفظ و ترتیبِ کلمات کو 'صنعتِ ادماج' کہتے ہیں۔

۱۵۷ - شعلۂ جوّالہ : چکّر کھاتا ہوا شعلہ۔ تشبیہ تام ہے۔

۱۵۸ - مگر : شاید، لیکن۔ نیز مگرمچھ، دریائی جانور۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ 'صنعتِ ایہام'۔

۱۵۹ - کافور : سفید رنگ اور سرد مزاج شے ہے۔ صبح کا رنگ سفید اور یہ وقت خنک ہوتا ہے۔ گویا سورج جیسے گرم مزاج کے لیے صبح کافور ہے۔ کس قدر حسین تشبیہ اور کیا خوبصورت انداز و اسلوب ہے۔

۱۶۰ - اثیر : پرانے ماوراء طبیعیات میں نویں آسمان کا نام ہے۔ نیز علمائے طبیعیات کے نزدیک ناقابلِ وزن مادہ۔ اس کی موجوں اور لہروں کی وجہ سے آواز اور حرارت پھیلتی ہے۔ مراد بلند، اونچا۔

۱۶۱ - زمہریر : بہت زیادہ سرد حصۂ کُرّہ ہوا جو درمیان میں ہے۔

۱۶۲ - روح انیس : "شہ سوار۔" نسخۂ بدایوں و کراچی : "سیراب سب سوار۔"

۱۶۳ - مروحہ جُنباں : پنکھا جھلنے والے۔

۱۶۴ - نسخۂ بدایوں : "دریا کو خاک جانتے ہیں۔"

۱۶۵ - روح انیس و کراچی جلد ۶ : "آبِ بقا ہو اب۔" بدایوں و لکھنؤ اور لاہور : "آب بقا ہو یہ۔"

۱۶۶ - حضرت ابراہیمؑ بڑے مہماں نواز تھے۔ امام فرماتے ہیں کہ میری مہمانی کی تو حضرت ابراہیمؑ کو تمنا ہے۔ آخر میں ان کے محبوب فرزند کی اولاد سے ہوں۔

۱۶۷ - دنی : بے حقیقت ، بے آبرو ، حقیر ، منحوس -

۱۶۸ - احکام جمع بمعنی مفرد جیسے تبرکات کا استعمال بند نمبر ۴۷ میں گزرا ہے - مطلب یہ کہ اگر میں چاہوں تو فرمان رسول ؐ سے خود کوثر ، پانی لے کر حاضر ہو سکتا ہے -

۱۶۹ - کوس : جنگی نقارہ -

۱۷۰ - نسخۂ بدایوں : ''نشان فوج سیہ رو میں کھل گئے -''

۱۷۱ - کر : بہرا ، گراں گوش - 'کر' اور کرّوبی کا کس قدر حسین استعمال ہے -

۱۷۲ - لکھنؤ ، بدایوں اور لاہور کے ایڈیشن : ''جب رن میں تیغ تول کے سلطان دیں بڑھے -'' متن ، مراثی جلد ۶ اور روح انیس کے مطابق ہے -

۱۷۳ - جلوہ دینا : سج دھج دکھانا -

۱۷۴ - شیر شرزہ : غضب ناک شیر - غاب : جنگل ، بیشہ - نسخۂ بدایوں میں یہ مصرع نہیں ہے بلکہ مراثی طبع کراچی جلد ۶ کے دو مصرعوں میں سے پہلا ہے ، دوسرا نہیں - وہ دونوں مصرع یہ ہیں :

کافر پہ کبریا کا عتاب آئے جس طرح

عاصی پہ آسماں سے عذاب آئے جس طرح

یعنی تیسرا چوتھا مصرع بدل دیا ہے -

۱۷۵ - اسم عزیمت اثر : وہ نام جس کے اثر سے عمل حاضرات ہوتا ہے - زود اثر تعویذ کا نام -

۱۷۶ - مراثی جلد ۶ : ''سختی بھی کچھ بڑھی -''

۱۷۷ - نسخۂ بدایوں : ''نے زیں تھا ، نہ فرس تھا ، نہ اسوار زین پر -''

۱۷۸ - متن مطابقِ روح انیس - دوسرے مآخذ : ''یہ آبرو یہ شعلہ فشانی ۔''
مراثی جلد ۶ : ''مانندِ برق شعلہ فشانی ۔''
مراثی جلد ۶ میں اس بند (۱۳۸) کا چوتھا مصرع یوں ہے :
''کس بل وہ اس کا اور روانی خدا کی شان ۔''

۱۷۹ - قلب : درمیان میں لڑنے والی فوج - جناح : فوج کا بازو - ہراول : فوج کا اگلا حصہ - میمنہ : دایاں دستہ - میسرہ : بایاں دستہ -

۱۸۰ - نول کشور مطبوعہ ۱۹۵۸ع اور لاہوری ایڈیشن میں ہے : ''مسافر ہوا تباہ ۔''

۱۸۱ - روح انیس : ''بازار بند ہو گیا ۔'' نسخۂ بدایوں و کراچی : ''بازار بند ہو گئے ۔''

۱۸۲ - ایسی اصیل تلوار جسے سان پر تیز کرنے یا پتھر پر رگڑنے کی ضرورت ہی نہ ہو - نسخۂ بدایوں : ''اسے اور نہ سنگ کی ۔''

۱۸۳ - خون کے چھینٹے جو اڑ کر آسمان پہ جاتے تھے اور لاشوں پہ لاشے زمین پر گرتے تھے تو اس تلوار کی یہی گردش اس کے لیے چرخ پر چڑھنے اور تیز کرنے کے لیے کافی تھی - ایک لمحے میں سو مرتبہ چرخ پر چڑھنا یہی ہے -

۱۸۴ - نسخۂ بدایوں : ''بجھ بجھ گئیں صفوں پہ صفیں ، وہ جہاں چلی ۔''

۱۸۵ - نسخۂ بدایوں : ''جدا تھے نشاں سے ہاتھ ۔''

۱۸۶ - مراثی جلد ۶ : ''کونچا کبھی جگر ۔''

۱۸۷ - نسخۂ بدایوں : ''اب ہاتھ دستیاب نہ تھے ۔''

۱۸۸ - مچھلیوں کے سفنے ان کی زرہ بنے ہوئے تھے -

۱۸۹ - نسخۂ بدایوں : ''مکر و وہم کے'' اور نسخۂ کراچی : ''مرغ و سیم کے'' دونوں میں کتابت کی غلطی ہے -

۱۹۰ - سوفار : تیر کے نچلے سرے کا وہ دندانہ جسے تانت میں اٹکاتے ہیں اور اس کی صورت کھلے منہ کی ہوتی ہے - سہم کے معنی تیر کے

بھی ہیں اور خوف و ڈر کے بھی - اس لیے مناسبات لفظی و ایہام کی صنعت ہے -

۱۹۱ - چشم مور : چیونٹی کی آنکھ دکھائی نہیں دیتی مگر وہ ایسے قدر انداز تھے کہ اندھیرے میں چیونٹی کی آنکھ پر تیر چلا سکتے تھے . مراد یہ کہ نازک اور مشکل نشانہ باز تھے -

۱۹۲ - کر، دیا ، کور - کور و کر : اندھا بہرا - صوتی آہنگ و لفظی حسن -

۱۹۳ - مُخبر : خبر لانے والا - پیک : پیغام لانے والا - عسس : رات کو پہرہ دینے والا ، کوتوال -

۱۹۴ - زہ گیر : سینگ یا ہڈی کی انگوٹھی جسے انگوٹھے میں پہن کر کمان کی زہ پکڑتے اور کھینچتے ہیں -

۱۹۵ - صیحہ : گھوڑے کی آواز ، ہنہناہٹ - زور کی آواز ، چیخ -

اَبلق : سیاہ و سفید رنگ کا گھوڑا -

سُرنگ : از سر تا دُم لال گھوڑا -

۱۹۶ - مراثی انیس جلد ۶ کی ترتیب کے مطابق بند ۱۵۴ ، بند ۱۵۵ کے بعد ہے -

۱۹۷ - نسخۂ بدایوں : ”رکتی تھی نے سپر سے ، نہ آہن ، نہ سنگ سے -“

۱۹۸ - حاشیۂ روح انیس: گوشوں کو ڈھونڈھتی تھیں جھکائے زمیں پہ سر -“

۱۹۹ - یہ مصرع روح انیس و مراثی طبع کراچی جلد ششم کے مطابق ہے - بدایوں ، لکھنؤ اور لاہور میں یوں ہے :

جس نے کہ سر پہ ہاتھ رکھا ، تن پہ سر نہ تھا

سیسر : کمان کا وہ فیتا جس میں تیر رکھ کر پھینکتے ہیں - زہ -

۲۰۰ - یہ بند نسخۂ بدایوں ، لکھنؤ اور لاہور کے ایڈیشنوں میں نہیں ہے -

روح انیس سے نقل ہوا۔

۲۰۱ - روح انیس: ''جنگِ پدر، اے پدر کی جاں۔''

۲۰۲ - حاشیۂ روح انیس و مراثی جلد ۶: ''بس اب۔''

۲۰۳ - وافضیحتا: کتنی بڑی ذلّت ہے۔

۲۰۴ - کُلفت: گندہ و ناپاک۔ خیرہ سر: سرکش۔

۲۰۵ - یَل: پہلوان۔

۲۰۶ - دَغَل: فریب۔

۲۰۷ - مراثی انیس جلد ۶ میں ہے:

اے طبع پاک آج وہ تدبیر چاہیے
حاسد بھی سب مُقر ہوں، وہ تقریر چاہیے

۲۰۸ - دھنی: بات کا پکّا۔ بَلی: طاقت ور، شجاع۔ مراثی انیس جلد ۶: ''ہر اک دل کو بے کلی۔''

۲۰۹ - مرحب و عنتر: دو یہودی پہلوان جو جنگ خیبر میں حضرت علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

۲۱۰ - مراثی جلد ۶: ''ہاتفِ غیبی نے ناگہاں۔'' مراثی انیس جلد ۶ اور نسخۂ بدایوں میں مصرعوں کی ترتیب میں اختلاف ہے: ۱، ۲، ۴، ۳۔

۲۱۱ - مراثی جلد ۶: ''لڑائی میں جان لڑائے۔''

۲۱۲ - دست پاچہ ہونا: بدحواس ہونا، گھبرانا، حواس باختہ ہونا۔

۲۱۳ - نسخۂ بدایوں: ''پشت کے مہروں پہ ذوالفقار۔'' 'فقرہ' ریڑھ کی ہڈی کے مُہرے کو کہتے ہیں۔

۲۱۴ - مراثی انیس جلد ۶: ''قربانِ ضربِ تیغِ شہِ نام دار تھے۔''

۲۱۵ - فرق: سر۔

۲۱٦ - شاہین و کبک ، جیسے شیر اور بکری ۔ لیکن خوف و دہشت سے پرندوں کا ہمیشہ یہی عالم ہوتا ہے کہ سر ملا کے ایک جگہ گھس جاتے ہیں ۔ اس کے برعکس آبی جانور طوفان میں سمندر سے اڑ کر قریبی جزیروں میں جا گرتے ہیں ۔

۲۱۷ - طبع اول و چہارم و طبع جدید و بدایوں و مراثی جلد ٦ : ''آئی صدائے غیب ۔'' لاہوری ایڈیشن و روح انیس : ''ندائے غیب ۔''

۲۱۸ - مراثی جلد ٦ :

دی خوب ہی شریروں کو تعزیر ، مرحبا !

۲۱۹ - امام حسینؑ کے بعد پھر کسی امام نے جہاد بالسیف نہیں فرمایا ۔

۲۲۰ - حاشیۂ روح الیس کا نسخۂ بدل :

نیزے جو دور دور تھے نزدیک پھر گئے

۲۲۱ - ساہی : ایک جانور جس کے جسم کی کھال پر روئیں کی بجائے تیز کانٹے ہوتے ہیں ۔

۲۲۲ - ٹوٹے ہوئے تھے : یعنی سب مل کے وار کر رہے تھے ۔

۲۲۳ - نسخۂ بدایوں میں ترتیب یہ ہے : ۱ ، ۲ ، ۴ ، ۳ ۔

۲۲۴ - نسخۂ بدایوں : ''تین پھال ۔''

۲۲۵ - سری : تیر کی لکڑی ۔ نسخۂ بدایوں : ''کھینچی چھری ۔''

۲۲٦ - ابن انس کا نام سنان ہے ، نیز سنان کے معنی ہیں نیزہ ۔ کیں : کینہ ۔

۲۲۷ - نسخۂ بدایوں : ''گڑو کے کوکھ میں ۔''

۲۲۸ - محتشم نے اس گرنے کو یوں کہا ہے :

بلند مرتبہ شاہے ز صدر زیں افتاد
اگر غلط نہ کنم عرش بر زمیں افتاد

انیس اس سے کہیں زیادہ بلند بات کہہ رہے ہیں ۔

۲۲۹ - یہ بند روح انیس میں نہیں ہے - باقی نسخوں میں موجود ہے -

۲۳۰ - نسخۂ لکھنؤ و لاہور : ''آبلا کبھی لہو -''

۲۳۱ - نسخۂ بدایوں : ''حق محبت -''

۲۳۲ - مراثی ج ٦ : ''سیّد کہاں تڑپتا ہے ، اماّں کدھر ہیں آہ -''

۲۳۳ - رِدا : چادر - رِدا میں چھپا لو ، یعنی بچا لیجیے -

۲۳۴ - نسخۂ بدایوں : ''دوڑی جاتی تھی بھائی کی لاش پر -''

۲۳۵ - وعدہ گاہ : وہ جگہ جہاں پر امام حسین[ع] نے خدا سے جان پیش کرنے کا وعدہ کیا تھا ، یعنی کربلا - پہلے چار مصرعوں کی ترتیب میں کچھ فرق ہے - دیکھیے مراثی جلد ششم -

۲۳٦ - مراثی انیس جلد ششم میں بند ۱۹۴ ، ۱۹۵ نہیں ہیں -

۲۳۷ - نسخۂ بدایوں : ''سر کٹ گیا -''

۲۳۸ - یہ بند مراثی انیس جلد ششم طبع کراچی میں نہیں ہے -

۲۳۹ - لکھنؤ طبع ۱۹۵۸ع : ''عالم کو یادگار رہیں گے ''- ''کو'' غلط ہے -

۲۴۰ - مراثی انیس جلد ٦ ، طبع کراچی : ''پیری کی طاقتیں ہیں ، خزاں کی بہار ہے -''

مرثیہ ۱۱

آمد آمد حرمِ شاہ کی دربار میں ہے

۱ - مرثیۂ انیس جلد چہارم طبع اول - جلد سوم طبع بدایوں - جلد دوم طبع لاہور -

۲ - آزاری : دکھی ، مصیبت زدہ -

۳ - سیلی : طمانچہ -

۴ - خبردار : محکمۂ خبر رسانی کے ملازم ، پرچہ نویس -

۵ - این این ابی : بابا کہاں ہیں ؟ بابا کہاں ہیں ؟

٦ - نسخۂ نول کشور و لاہور طبع اول کے متن میں یہ مصرع ہے -

پیچھے سر کھولے ہوئے عترتِ اطہار آئے

اور حاشیۂ نول کشور پر ہمارے متن کا نسخۂ بدل تحریر ہے -

۷ - آیۂ تطہیر : ''انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا'' - (سورۃ الاحزاب ، آیت ۳۳) بے شک اللہ نے ارادہ کر لیا ہے کہ اے اہلِ بیت ! تم سے ہر قسم کی نجاست و کثافت کو دور رکھے اور تمھیں اس طرح پاک رکھے جو پاک رکھنے کا حق ہے -

۸ - ھل اتٰی : سورۃ الدھر - قرآن مجید کی ۷٦ ویں سورت -

۹ - ''الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا -'' سورۃ المائدۃ ، آیت ۳ -

مرثیہ ۱۲

جب حرم مقتلِ سرور سے وطن میں آئے

۱ - معصوم : بے گناہ ، پاک -

۲ - عربی مرثیے میں حضرتِ ام کلثوم کا شعر ہے :

مدینۃ جدنا لا تقبلینا
فبالحسرات والاحزانِ جئنا

۳ - اس عربی شعر کا مفہوم ہے :

خرجنا منک بالاهلین جمعا
رجعنا لا بنات ولا بنینا

۴ - مرثیۂ انیس جلد ششم میں غلطی سے ''دور'' کی بجائے ''اور'' چھپ گیا ہے -

۵ - مشبّک : چھلنی ، سوراخ دار -

۶ - شیون و شین : فریاد و گریہ ، رونا پیٹنا -

۷ - عماری : اونٹ پر بیٹھنے کی با پردہ و آرام دہ چیز - ہودج : عورتوں کے بیٹھنے کا پالان -

۸ - کجاوہ : اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھتے ہیں -

۹ - تغیر : غیر - انیس حالتِ غیر ہونے یا تباہ حال ہونے کی جگہ ''با حالِ تغیر'' استعمال کرتے ہیں -

۱۰ - عربی کے دو شعر ہیں :

افاطم سالقیتی من عداکی
ولا قیراط مما قد لقینا
فلو دامت حیاتک لم تزالی
الی یوم القیامۃ تندبینا

۱۱ - بقیعہ یا بقیع : مدینۂ منورہ کا قبرستان جہاں امام حسنؑ کا مزار ہے - یہ جگہ روضۂ نبویؐ سے تقریباً ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے پر ہے -

۱۲ - عربی کا شعر ہے :

و عرج بالبقیع وقف و نادی
أابن حبیب رب العالمینا

۱۳ - خولی : امام حسینؑ کے سر مبارک کو نیزے پر لے کر چلنے والے شخص کا نام ہے -

۱۴ - وحوش و طیور : چرند پرند -

۱۵ - عصابہ : سر پر باندھنے کا رومال -

۱۶ - مسلسل : سلسلہ ، زنجیر - مراد ہے زنجیر میں جکڑا ہوا -

زیر نظر انتخاب کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ یہ مراثی اسی ترتیب سے شامل کیے گئے ہیں جس ترتیب سے واقعاتِ کربلا رونما ہوتے ہیں - یہ درست ہے کہ میر انیس نے خاص ضرورت اور خاص نقطۂ نظر سے مراثی لکھے للہذا شاعر کے پیشِ نظر واقعات کی ترتیب نہیں تھی - تاہم کسی نہ کسی حد تک مراثی سے واقعات کو بہ ترتیبِ زمانی مرتّب کیا جا سکتا ہے - چنانچہ ولادتِ امام حسینؑ کے بعد سفرِ کربلا سے ان مراثی کا آغاز ہوتا ہے اور اسیریِ شام کے بعد مدینۂ منورہ کی واپسی پر یہ انتخاب اختتام پذیر ہوتا ہے -

یہ مجموعہ میر انیس کے صد سالہ جشن کے موقع پر شائع کیا جا رہا ہے - امید ہے مجلس کی یہ پیش کش پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی -